



$$\begin{array}{r} 50440 \\ \hline 175 \end{array}$$

$$\begin{array}{r} 1693 \\ \hline \end{array}$$



2020

2

# مضامین خودم

تأليف: امیرکبیر



چاپخانه امیرکبیر

تیرماه ۱۳۰۲



2000

Species	Sex	Age	Measurements	Weight	Remarks
1. <i>Alcedo</i>	♂	1	100	10	100
2. <i>Alcedo</i>	♀	1	100	10	100
3. <i>Alcedo</i>	♂	1	100	10	100
4. <i>Alcedo</i>	♀	1	100	10	100
5. <i>Alcedo</i>	♂	1	100	10	100
6. <i>Alcedo</i>	♀	1	100	10	100
7. <i>Alcedo</i>	♂	1	100	10	100
8. <i>Alcedo</i>	♀	1	100	10	100
9. <i>Alcedo</i>	♂	1	100	10	100
10. <i>Alcedo</i>	♀	1	100	10	100
11. <i>Alcedo</i>	♂	1	100	10	100
12. <i>Alcedo</i>	♀	1	100	10	100
13. <i>Alcedo</i>	♂	1	100	10	100
14. <i>Alcedo</i>	♀	1	100	10	100
15. <i>Alcedo</i>	♂	1	100	10	100
16. <i>Alcedo</i>	♀	1	100	10	100
17. <i>Alcedo</i>	♂	1	100	10	100
18. <i>Alcedo</i>	♀	1	100	10	100
19. <i>Alcedo</i>	♂	1	100	10	100
20. <i>Alcedo</i>	♀	1	100	10	100

## کراچی



رسالہ سودمند جون ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے جاری ہوا مئی ۱۹۲۶ء  
میں علی گڑھ سے منتقل ہو کر بدایوں آگیا مئی ۱۹۳۳ء تک اس سالہ کی حیثیت  
میں بدایوں سے نکلتا رہا اس سالہ زندگی میں اس نے اپنے مقصد  
کی تکمیل میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی اس کا مقصد زندگی یہ تھا  
کہ مسلمانوں کی مالی حالت اور روز بروز گنتی بلی جاتی ہو و رست کی جاک  
اور ان کو تجارتی سود اور دیگر کا قحطی حرام کے فرق بتایا جیسا پہلے  
صاحب نے ہی رسالہ نے جون ۱۹۲۵ء کے پرچہ میں ہوا مضمون کے جاری  
کرنے کی ضرورت پر پختہ طور پر لکھا تھا اس کو ہم نے اس مجبورانہ پہلے  
درج کر دیا تو ناظرین ملاحظہ کریں کہ اس سالہ کے مضامین نے کیا  
ہیں اس شکر کی بنا پر چاہیہ کہ دیا اور یہی اس کے ہر کام مقصد تھا۔  
سید صاحب نے اس پہلے مضمون میں خود ہی لکھ دیا تھا کہ پندرہ سال میں جب  
قوم میں ان امور کا پتہ چاہو جائے گا تب اس رسالہ کا کام ختم ہو جائے گا  
پتا چڑھایا ہی ہوا کہ ستمبر ۱۹۳۳ء میں اس رسالہ کی جاگہ زندگی ختم  
ہوئی اور چھوڑی گئی ۱۹۳۳ء سے بدایوں کے ہفتہ وار اخبار ذوالفقار میں

مذموم ہو گیا جس میں ہر چھ ماہ سوومند کا لم کے عنوان کے تحت ہیں اس مقصد کی سعی جاری رہتی ہو سوومند کے بند ہونے کے بعد گزشتہ تین سال میں اس کی پُرانی جلدوں کی مانگ برابر جاری رہی کیونکہ مکمل جلدوں کی کافی تعداد گزشتہ سالوں کی بابت موجود نہ تھی اس لیے ہر فرمائش کی تعمیل نہ ہو سکتی تھی کارکنان نظامی بریس نے شایقین کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے یہ مناسب سمجھا کہ سوومند کے اہم مضامین کا انتخاب ایک مجموعہ کی صورت میں شایع کیا جائے۔ چونکہ ایسے مضامین کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ وہ سب کے سب ایک وقت میں شایع نہ ہو سکتے تھے اس لیے فی الحال یہ مجموعہ قسط اول کی صورت میں شایع کیا جاتا ہے۔ اُمید ہو کہ ناظرین اس کے مطالعہ سے مستفید ہوں گے اور اس تحریر کو جو ۱۹۲۵ء میں جاری ہوئی تھی تقویت پہونچے گی

محمد احید الدین

پرنٹر و پبلشر

نظامی پریس ہاؤس

اکتوبر ۱۹۳۶ء

M.A. LIBRARY, A.M.U.



U5235

5225 CHECKED-2002

۶۱۹۲۵

RECEIVED

(۱)

اجرا سوومند

میں چالیس سال سے مسلمانوں کی قومی ترقی کی تحریکات کو دیکھ رہا ہوں۔  
 بچپن میں سنتا تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے چونکہ سلطنت کل گئی اس لیے وہ  
 برباد ہو رہے ہیں۔ انہوں نے چونکہ اہل یورپ کے علوم و فنون سیکھنے کی طرف  
 توجہ نہیں کی اس لیے وہ سرکاری عہدوں سے خارج ہو رہے ہیں۔ اس کا  
 علاج یہ تجویز کیا گیا کہ مسلمان انگریزی زبان اور جدید علوم حاصل کریں چنانچہ  
 انہوں نے اس طرف توجہ کی اور انگریزی پڑھ کر ایسے ایسے بڑے عہدوں پر  
 پہنچے کہ جن کا چالیس سال قبل تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ باوجود اس  
 کے یہ سب کو محسوس ہو رہا ہے کہ وہ روز بروز فقر و غارتگی میں گرتے چلے جا رہے  
 ہیں اور اب یہاں تک ذہنیت پہنچ گئی ہے کہ قومی جسم کے اعضا علیحدہ ہو کر  
 ویکہ مذاہب میں جذب ہوتے جاتے ہیں۔ اور تعلیم جس کو جملہ امراض کے لیے  
 اکسیر سمجھا رکھا تھا اب وہ بھی بوجہ گرائی کے اُن کی دسترس سے باہر ہوتی جاتی  
 اب باقی صنعت و حرفت اور تجارت ان میں مسلمانوں کی تعداد کم نہیں

مگر بوجہ اس کے کہ وہ دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کا روپیہ استعمال کرتے ہیں، ان کی محنت کے پھل کا گودا روپیہ والوں کے ہاتھوں میں غائب ہو اور ان کے پاس صرف چھلکا بچتا ہو جس کی وجہ سے وہ بے اطمینانی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ زندگی کے معمولی واقعات مسلمان پیشہ دروں کے لیے سخت حادثات ثابت ہوتے ہیں اور چند روزہ بیماری یا بچہ رسی انھیں گداگری کے درجہ پر پہنچا دیتی ہو۔ حیرت انگیز امر یہ ہو کہ مسلمانوں میں جو لوگ صاحب جائداد اور زمیندار ہیں ان کے تنزل کی رفتار سب جماعتوں سے زیادہ ہو مگر سب سے بڑھ کر جس امر نے مجھے متاثر کیا وہ یہ ہو کہ مسلمانوں میں باوجود تعلیمی اشاعت کے لیے کانفرنسیں اور جلسے منعقد کرنے کے تعلیمی تنزل مسلسل جاری ہو اور باوجود اصلاح مسلمان اور کفایت شعاری کی کہنیں قائم کرنے اور علمائے کرام کے ہندو نصائح کے اسراف و افلاس میں اضافہ ہو اور دیگر اقوام میں باوجود ایک سو چار سال پیشتر تبلیغی اور تعلیمی اہمیتوں اور سبھا میں برائے نام تھیں تاہم ان کا درجہ تعلیم و تمول اور کفایت شعاری میں مسلمانوں کی نسبت سے بہت بڑھا ہوا ہو۔

عصرہ دراز کے غور و غوض کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس زمانہ میں ایک جدید چیز سرمایہ کے نام سے پیدا ہو گئی جو اس وقت دنیا میں سب سے بڑی قوت ہو سرمایہ کا انحصار تجارتی سود پر ہو جا کر چربو اسے بالکل مختلف ہو تاہم مسلمان ربو آجہ کر اس سے بچتے ہیں۔ مگر کیا پتا اس سے بچا رہنا انسانی امکان سے باہر اور اس لیے سود لینے سے بچتے اور بچ سکتے ہیں مگر دینے سے

کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ نتیجہ یہ کہ وہ ہر شعبہ زندگی سے خارج ہو رہے ہیں۔ جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی بربادی کی بڑی وجہ یہی ہو کہ وہ تجارتی سود لینے سے بچتے ہیں تو اس مسئلہ کی میں نے تحقیقات شروع کی۔ علما و کرام سے رجوع کیا۔ کتابیں پڑھیں، پھر اس نے اخبارات کے فالانچیز جس سے مجھے یہ پتہ چلا کہ اس وقت سے سو برس پیشتر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے غیر مسلموں سے نہ صرف تجارتی سود بلکہ ربوہ لینے کا فتوے دیا۔ اس کے بعد مولانا عبدالحی صاحب فرنگی علی نے سرکاری پرائیسری نوٹوں کا سود لینے کے جواز کا فتوے دیا۔ پھر ۱۸۹۷ء کے قریب مولوی محمد حسن صاحب متوطن بھیین ضلع جہلم نے اپنی کتاب ”روض الربو فی حقیقۃ الربو“ میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی۔ اس کے صفحہ ۸۸ پر تحریر یہ ہو کہ

”مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری علیہ الرحمۃ کی کتاب، تفریح البحات میں ہندوستان میں غیر مسلموں سے سود لینے کے جواز پر لاہور، فیروز پور، ڈیرہ جلال رام پور، بھاولپور، ملکہ مکرّمہ وغیرہ کے ائمہ فاضلان اسلام کی موافقت ہے۔“

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ ایک زمانہ میں یہ بحث اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اس پر ائمہ علماء کے فتوے ہو گئے۔ ۱۹۰۹ء میں مولوی انشا اللہ صاحب نے اخبار وطن میں اس بحث کو چھپرہ کر جملہ مضامین ایک سالہ کی

تشکل میں شایع کیے اور اس کا نام ”مسئلہ سود اور تجارت قومی“ رکھا اور مولوی محمد بشیر الدین صاحب نے البشیر میں مضامین کا ایک سلسلہ نکالا جس میں ثابت کیا کہ ہمیں کلمتہ اور رنگون کے مسلمان تاجر غیر مسلم باہوکاروں کا روپیہ استعمال کرتے ہیں جس سے اصلی نفع سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جاتا ہے اور مسلمان مثل مزدوروں کے کام کرتے ہیں۔

ان واقعات سے میں نے نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کو مختلف اوقات میں اس مسئلہ کی اہمیت کا احساس ہوتا رہا۔ علماء کرام کے فتوے ہوئے کچھ دنوں اس کا چرچا رہا۔ پھر لوگ اسے بھول بھال گئے اور چونکہ عملی طور پر کبھی یہ کام جاری نہیں ہوا اس لیے مسلمان برابر گرتے چلے گئے۔ بہ حالت میں متاثر ہو کر میں نے مسئلہ عمر میں خوار کے نام پر اس مسئلہ کی تبلیغ شروع کر دی اور منتی۔ دکتا میں کثیر تعداد میں شایع کیں جن کے نام یہ ہیں:-

(۱) مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل

(۲) سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان

(۳) جواز سود

(۴) مسلمانوں کی مالی اصلاح

(۵) جواز سود مع فتاویٰ

اسی کے ساتھ اخبارات میں مضامین کا ایک سلسلہ جاری کیا اور میں نہایت شکر گزار ہوں قومی اخبارات کا کہ انھوں نے اس مسئلہ کی اشاعت میں بے حد مدد کی اور انھیں کی بدولت لاکھوں مسلمانوں تک یہ

آواز پہنچی اور نہ صرف ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں بلکہ جزائر بحر ہند اور  
اُن مقامات میں جہاں اسلامی اخبارات جاتے ہیں اس مضمون کا چرچا  
ہو گیا اور رسالہ جانت سو کی طلبی میں ہزاروں خطوط کی آمد کا سلسلہ قائم  
ہو گیا۔ اور نہ صرف خطوط کی آمد تک یہ کام محدود رہا بلکہ مختلف مقامات میں  
مسلمانوں میں روپیہ کا کاروبار جاری ہونے لگا۔ چنانچہ علاوہ انجمنہائے لہارو  
باہمی قایم ہونے کے لاہور میں وسیع پہانہ پریکسیٹ بنیک قایم ہو رہا ہے  
سرمایہ پچاس لاکھ قرار پایا ہے۔ اور لاہور کے مسلم بنیک کا سرمایہ ڈھائی لاکھ  
سے دس لاکھ تک بڑھا یا جا رہا ہے۔ اب اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی کہ مختلف  
مقامات میں افلاس سے بچنے کے جو طریقے اختیار کیے جائیں اُن سے ہر مقام کے  
مسلمانوں کو بگایا ہی اور رہنمائی ہو اس کے لیے عام طور پر تقاضا ہوا کہ ایک  
موقت الشیوع رسالہ جاری کیا جائے جس سے مسلمانوں کی اشاعت کا کام جہاں  
کتاب میرے امکان میں تھا میں ذاتی طور پر کرتا رہا مگر اب وہ منزل آگئی  
کہ مسلمانوں کو سرمایہ داروں کی غلامی سے آزادی دلانے کا کام زیادہ  
وسیع پہانہ پر کیا جائے خوش قسمتی سے چند اصحاب کی ایک کمیٹی اس  
امر پر آمادہ ہو گئی کہ مسلمانوں کی یہ بڑی ضرورت پوری کرے چنانچہ  
اس کی طرف سے رسالہ سود مند جاری کیا جا رہا ہے۔ صاف ظاہر ہے  
کہ اس کا اجرا روپیہ پیدا کرنے کے لیے نہیں کیا جاتا بلکہ غرض اہلی ہے  
ہو کہ قوم کو اپنی مالی حالت درست کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے  
چند سال میں جب قوم میں ان امور کا چرچا ہو جائے گا۔ اور زیادہ



قابل اصحاب اور قوم کے اعلیٰ پایہ کے اخبارات اس کام کو اپنے قابل ہاتھوں میں لے لیں گے۔ ترتیب اس رسالہ کا کام ختم ہو جائے گا۔ آپس میں بزرگوں اور اہل قلم اصحاب اور ایڈیٹران اخبارات اور علماء کرام کی خدمت میں جن کے قبضہ میں قوم کی باگ ہو۔ عرض ہو کہ وہ اس اہم مسئلہ کو جلد سے جلد اپنے قابل ہاتھوں میں لیں اور اپنے اپنے زیر اثر مسلمانوں کو کفایت بخاری اور روپیہ بچانے اور بڑھانے کے طریقوں سے آگاہ کر کے قوم کے اعلیٰ و ادنیٰ افراد کو حقیقی محنتوں میں افراد کا سبب بنائیں جس سے مجموعی طور پر کل قوم ایک عزت کی زندگی بسر کرنے کے قابل بن جائے۔

(جون ۱۹۲۵ء)

## علمائے کرام کی خدمت میں عرضداشت

(۲)

مسئلہ سود کے بارہ میں متفقہ فیہ کی ضرورت

یہ وہ تحریر ہے کہ جو حسب فرمائش جناب مولانا مولوی احمد سعید صاحب ناظم جمعیتہ العلماء ہند مرتب کر کے جناب موصوف کی وساطت سے اراکین جمعیتہ العلماء کی خدمت میں بھیجی گئی تھی۔

چونکہ میں سا لہا سال سے مسئلہ سود کے متعلق مضامین اور رسائل شائع کر رہا ہوں مجھ سے سوال ہو سکتا ہے کہ اب اسے علمائے کرام کی

خدمت میں پیش کرنے کا کیا موقع ہو اس لیے میں اس امر کو واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب سے میرے ذہن میں مسئلہ سود کی تحقیق اور اس کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا میں فرداً فرداً اپنی قوم کے مذہبی پیشواؤں کی خدمت میں حاضر ہوا اور صد ہا رسائل مطبوعہ سوالات، استفتائے ان کی خدمت میں بھیجے اور ان کی ہمدردی حاصل کی اور جو کچھ کیا وہ علماء کرام کے انفرادی فتوؤں کی بنا پر کیا مگر مسلمانوں میں روپیہ کے کاروبار کو وسیع پیمانہ پر کرنے کے لیے اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ علماء کرام کا ایک متفقہ فتویٰ حاصل ہو جس کا اثر قوم پر پڑے۔ اس غرض سے میں سالانہ جلسہ جمعیت العلماء ہند مراد آباد اور جلسہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حاضر ہوا اور جناب ناظم صاحب جلسہ اہل سنت و جماعت مراد آباد کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے جلسہ میں مسئلہ سود پیش کرنے کا موقع ملے مگر چونکہ اس قسم کے جلسوں میں ایک یا چند اصحاب کو کامل احتیاط نہیں ہوتے بلکہ بعض مسائل کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے عام جذبات کے خلاف ہونے کی وجہ سے کثرت رائے سے فیصلہ بھی صادر نہیں کیا جاسکتا اس لیے مجھے مذکورہ بالا جلسوں میں عرض کرنے کا وقت نہ دیا جاسکتا۔ اب جبکہ مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیت العلماء نے اس امر کو منظور فرمایا ہے کہ موصوف کی وساطت سے بذریعہ تحریر کے علماء جمعیت کی خدمت میں عرض کروں میں اپنے معروضات کو طبع کر کے جمعیت مذکورہ اور جملہ دیگر علماء ہند کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

البتہ اس سلسلہ میں اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس وقت قوم کے مریض جسم میں جس غلط کی معذ بہ کمی ہے وہ سرما یہ ہے۔ قوم اس وقت اس منزل میں ہے کہ اسے کوئی تحریک یا سبب اقتصادی حالت کی ترقی کی تحریک کے ہرگز نہیں بھاسکتی۔ اور موجودہ کشمکش کے زمانے میں قوم جس چیز کی طرف طبعاً راغب ہے وہ صرف ذرائع معاش اور زندگی کے دن پورے کرنے کے وسائل ہیں۔ اس لیے میں صاف طور پر عرض کروں گا کہ ہمارے مقاصد پیشوا بیان دین جو مرادیت کرنے کے سب سے زیادہ اہل ہیں اگر مذہب کے تحت میں قوم کی اس بارہ میں رہنمائی کریں تو کوئی تحریک اس سے زیادہ مقبول اور حقیقی معنوں میں قوم کے حق میں مفید ثابت نہ ہوگی جو خطوط ہزاروں کی تعداد میں اکناف ہند اور ملحقہ جزائر سے آتے رہتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام قوم اقتصادی تحریک کی بھوک اور اس کی منتظر بیٹھی ہے پس قوم کے قابل فوسی علم اور قدرتی رہنماؤں کے لیے بہترین موقع ہے کہ وہ اس میدان میں قدم رکھ کر اور غریب و ضرورت مند مسلمانوں کی رہبری کر کے انھیں اس ملک میں اور نہ صرف اس ملک میں بلکہ روسے زمین پر رہنے کے قابل بنائیں۔ میں تو بار بار عرض کر چکا ہوں کہ میں اس کام کی تبلیغ اس وقت تک کر رہا ہوں جب تک کہ اس کام کے اہل اور قابل اصحاب اس کی طرف توجہ کریں اور اپنے کام کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بطریق احسن انجام دیں۔ اس قدر تہیہ کے بعد اصل مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

**۱۔ ذرائع معاش** مسلمانوں کا افلاس ایک ایسا مسلم امر ہو گا کہ اس مسئلے کو زیادہ تفصیل سے عرض کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی تاہم اختصار کے ساتھ اس قدر ضرور کہو گا کہ اس ملک میں مسلمانوں سے ذرائع معاش بالخصوص دو بچتے۔ یعنی ملازمت اور زمینداری اور ان دونوں کا انحصار زیادہ تر تقریباً سلاطانی پر تھا جب اس ملک میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے سلطنت نکلی اور ملازمت کے لیے انگریزی تعلیم کی شرط ہو گئی تو اُس وقت سے مسلمان بڑے عہدوں سے خارج ہونے لگے چنانچہ اب ملازمت میں مسلمانوں کی جو نسبت ہو اس کی تفصیل سے ہمارے قومی اخبارات کے کالم آج کل پُر ہوتے ہیں اور اُس وقت اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

**۲۔ زمینداری** مسلمانوں کا دوسرا مخصوص پیشہ زمینداری تھا مسلمان سب سے اول صوبہ سندھ کی طرف سے اس ملک میں داخل ہوئے وہاں مسلمانوں کی مردم شماری اب تک تہتر فی صدی کے قریب ہے اور ملکیت آراضی کے اعتبار سے یہ کہنا بچانہ ہو گا کہ عرصہ دراز تک مسلمانوں کا صوبہ سندھ میں کوئی سہیم و شریک نہ تھا مگر گزشتہ دسمبر کی تاریخ کے ایک تعلیمی جلسہ میں جو حیدر آباد سندھ میں منعقد ہوا اُس صوبہ کے ایک معزز رکن جناب شاہ خان بہادر شاہ نواز خاں صاحب ممبر مجلس ایجوکیشنل نے فرمایا کہ مسلمانوں کی چالیس فی صدی زمینداری قرضہ میں جا چکی چالیس فی صدی اس وقت زیر بار قرضہ مگنول دہن ہو

اور صرف بیس فی صد ہی باقی ہی صوبہ سندھ کے برابر مضبوط اور وسیع  
 چپانہ پر مسلمانوں کی زمینداری تمام ہندوستان میں کہیں نہ تھی۔  
 جب وہاں اس حد تک نو بہت پہنچ گئی تو دوسرے مقامات میں  
 مسلمانوں کی حالت ظاہر ہو۔ چنانچہ اس وقت کوئی صوبہ ایسا نہیں  
 جہاں مسلمانوں کی زمینداریاں سرعت کے ساتھ تلف نہ ہو رہی  
 ہوں جن اصحاب کو اس میں شبہ ہو وہ مہینہ کی بیس تاریخ کو کسی جہی  
 میں جا کر دیکھ لیں کہ قرضہ کی عدت میں کس قوم کے افراد کی جائدادوں  
 کے نیارام بولے جاتے ہیں۔ بندوبست کی رپورٹوں کو بلا حلف فرالیں  
 کہ ہر تیس سال کے بعد کس قوم کی جائدادیں دیگر اقوام کے قبضہ میں  
 کس مقدار میں پہنچ جاتی ہیں ان کی تفصیلات طوالت کے اندیشہ  
 سے ترک کرنا ہوں۔

۱۰۔ شرح سود کی آزادی | اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری معلوم  
 ہوتا ہے کہ انگریزی عملداری میں جس قدر قوانین نافذ ہوئے ان میں  
 مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ مضر قانون سود کا ثابت ہوا۔ پورے  
 اور انگلستان میں صدیوں کے تجربے سے معلوم ہوا تھا کہ سود کو روکنے  
 اور اس پر قانونی بندشیں لگانے سے شرح سود زیادہ ہو جاتی ہے بلکہ  
 انگلستان نے رفتہ رفتہ ایسے قانون کو قطعاً منسوخ کر دیا جس سے  
 کثرت کے ساتھ وہیہ صنعت و حرفت اور کاروبار میں لگا اور شرح  
 سود گر کر چار آنہ اور تین آنے سیکڑہ ماہوار تک پہنچ گئی اور ملک

کی دولت میں بے اندازہ ترقی ہوئی۔ اس تجربہ کو کامیاب دیکھ کر انگریزوں نے مشرق وسطیٰ میں ہندوستان میں بھی شرح محدود کرنے کا قانون منسوخ کر دیا۔ اس تبدیلی نے بقول شخصے "اوسٹڈ کرنے والی قوموں کو" دینے کی کانوں پر پہنچا دیا اور مسلمانوں کو جو روپیہ ملے رہا۔ میں شریک نہیں ہوئے تھوڑے عرصہ میں افلاس کی خدق میں گر کر انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

۴۔ قانون انتقال آرضی | اس حالت کو دیکھ کر حکام وقت کو اندیشہ ہوا کہ بالخصوص مسلمان زمیندار اور بالعموم دیگر اقوام کے زمیندار کے لئے ہو جانے پر ملک میں فساد اور بلبے کہیں گے اس لئے انھوں نے ایسے قوانین تجویز کیے جن سے مسلمانوں کی زمینداریاں قائم رہیں۔ اس کے لئے مختلف صوبوں میں مختلف قوانین جاری کیے گئے جن کی تفصیل میں طے الٹ ہوگی مثلاً دکن میں شرح سود گھٹانے کا قانون پاس کیا گیا۔ صوبہ سندھ میں مقروض زمینداروں کی جائیدادوں کا سرکاری طور پر انتظام کر کے قرضہ کی ادائیگی کی سہیل کی گئی۔ پنجاب میں قانون انتقال آرضی پاس کیا گیا مگر ان قوانین سے اصلی مرض کا اب تک کوئی کارگر علاج نہ ہو سکا۔ قانون انتقال آرضی کی رو سے آرضی صرف ان اقوام کے نام منتقل ہو سکتی ہے جو ذراعت پیشہ ہیں۔ اس سے جائیدادوں کا انتقال ویشوں یعنی بنیوں کے نام بہت ہو گیا مگر ان اقوام کے حق میں انتقال کا سلسلہ جاری ہے۔ جو زمین داری اور کاشتکاری پیشہ

ہونے کے ساتھ روپیہ کی داد و ستد کا کام کرتے ہیں۔ اس لیے

اب

مسلمانوں کی جائدادیں بچائے ویشوں کے جاٹوں، گوجروں اور سکھوں کے نام منتقل ہوتی ہیں۔

۵۔ قرض نہ لینے کا بعض اصحاب کے دلوں میں یہ خیال گزرے گا کہ اگر عہدہ بیکار رہی مسلمان زمیندار عہدہ کر لیں کہ وہ کبھی قرض نہ لیں گے

اور سادہ زندگی بسر کریں گے تو ان کی جائدادیں محفوظ ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہو کہ اس عہدہ کو پورا کرتے ہیں تو مسلمان زمینداروں میں سے دو چار کا مینا ہو جائیں مگر موجودہ حالت میں یہ ناممکن ہو کہ مسلمان زمینداروں کی جماعت سود کی داد و ستد سے بچ کر زمیندار باقی رہ سکے۔ اس مسئلہ کی نسبت مشاعرے میں شمالی سندھ کے چند اضلاع میں تحقیقات کرائی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ

جو زمیندار برہمنوں سے ہیں ان میں وہ فی صدی ایسے ہیں جو بادیہ و سفر ہونے کے مقروض ہیں۔ اس حالت کو دیکھ کر مسٹر لائل نے جو ڈیرہ بمبیل خاں میں ڈپٹی کمشنر تھے مسلمانوں کی نسبت یہ پیشین گوئی کی تھی کہ وہ رفتہ رفتہ محض کا شکار رہ جائیں گے اور اس حالت پر پہنچ جائیں گے کہ نہ

ان کے پاس جائداد رہے گی جسے کفول کر کے قرض لیں اور نہ جائداد سے محروم ہونے کا انھیں کوئی کھٹکا باقی رہے گا۔ اسی طرح ضلع مظفرنگر کی رپورٹ بندوبست میں شریہ ہو کہ گزشتہ تین سال میں ویشوں کی جائداد پورے دو (۲۱) لاکھ ایکڑ سے بڑھ کر ڈھائی (۲۶) لاکھ ایکڑ ہو گئی

گمہ سیدوں کی جائیداد ایک لاکھ ستاسی ہزار ایکڑ سے گھٹ کر ایک لاکھ ۳۹ ہزار ایکڑ رہ گئی۔ سادات کی نسبت رپورٹ مذکور میں تحریر ہے کہ وہ سب سے زیادہ جائیداد کی تحصیل میں ہیں، وہ نہایت مسرت ہیں اور انھیں اپنے اخراجات کو اپنی حالت کے مطابق رکھنے کا قطعاً اندازہ نہیں۔ ان کا تنزل اس قدر سرعت کے ساتھ جاری ہو کہ جیسے کوئی شخص پہاڑ سے اتر رہا ہو اور اگر یہ رفتار اسی طرح جاری رہی تو وہ بہت جلد مالکان آ رہی کے زمرہ سے خارج ہو جائیں گے مگر جائیداد کا خاندان سادات جو نہایت اہمیت رکھتا ہے دیگر سادات سے مستثنیٰ ہے یہ خاندان دادستان کے ذریعہ سے سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔

اس رپورٹ سے ظاہر ہو کہ عام طور پر سادات کا تنزل تیزی سے جاری ہو گا ان میں سے صرف وہ سادات جائیدادیں بڑھ رہے ہیں جو مثل دیگر اقوام کے دادستان پر ہیز نہیں کرتے۔

۴۔ ترمیم قانون سود کا امکان نہیں | ہندوستان کے جدید دور میں جب سے کہ رعایا کو قانون ساری میں دخل ہو مسلمانوں کے بعض افراد سود کے قانون میں عرصہ دراز سے ترمیمات پیش کر رہے ہیں مگر چونکہ کونسلوں میں مسلمانوں کی تعداد کم اور دیگر اقوام کی جو موجودہ قانون سود کو اپنے لیے مفید سمجھتے ہیں تعداد زیادہ ہے اس لیے یہ اسباب ظاہر موجودہ قوانین باقی اور قائم رہیں گے جو انجام کار مسلمانوں کی زمینداروں کو ختم کر دیں گے۔



۷۔ کاشتکاری اور انجمنہائے امداد باہمی زمینداری کے بعد کاشتکاری ذریعہ معاش ہو مگر صرف ان لوگوں کے لیے جو روپیہ پیدا کرنا اور اسے بڑھانا جانتے ہیں نہ کہ وہ لوگ جو قرضداری کی وجہ سے زمینداریاں کھو چکے۔ بالخصوص کاشتکاروں اور بالعموم ادنیٰ زمینداروں کو قرضداری اور سود کی بلا سے نجات دینے کے لیے اس ملک میں انجمنہائے امداد باہمی کا سلسلہ جاری ہوا ہے جس نے بہت کچھ فائدہ پہنچایا ہے۔ چنانچہ پنجاب میں گزشتہ دس سال میں انجمنہائے امداد باہمی کچھ اجرائی وجہ سے داؤد کرنے والوں کی تعداد بقدر دس فی صدی کے کم ہو گئی مگر افسوس کہ مسلمان بوجہ اس کے کہ انجمنہائے امداد باہمی میں کم شرح کا سود دیا جاتی ہے سود لینا اور دینا پڑتا ہے پوری طرح اس سلسلہ سے مستمتع نہیں ہو سکتے ان انجمنوں کی وجہ سے دیگر اقوام کا زراعت پیشہ طبقہ اپنی ادنیٰ حالت سے بڑھ کر یکسانیت کے ساتھ اُبھر رہا ہے۔ پس جبکہ ایک طرف ملک کے کاروبار پر سرمایہ داروں کا تسلط ہو دوسری طرف انجمنہائے امداد باہمی کے ذریعہ ملک کا ادنیٰ طبقہ بلند ہو رہا ہے۔ مسلمان اگر وہ نوٹوں تحریکوں میں سے کسی میں بھی شامل نہ ہو سکے تو اندیشہ ہو کہ ان کے لیے ان دیہات میں بھی رہنے کی جگہ نہ رہے گی جہاں ثانی الذکر تحریک کی وجہ سے دیگر اقوام کی اقتصادی حالت بہتر اور تمدنی سطح بلند تر ہو رہی ہے۔

۸۔ تجارت و صنعت زمینداری اور کاشتکاری کے بعد تجارت اور صنعت کا نمبر آتا ہے۔ ان پیشوں میں بھی صدیوں سے مسلمانوں کا

حصہ رہا جو مگر جب سے دنیا میں سرمایہ کا ووردورہ ہوا ہوا اور سرمایہ کا انحصار تجارتی سود کی داد سند پر ہو گیا ہو یہ پیشے یا تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے یا جو کچھ ہیں ان کا اصلی نفع ان سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جاتا ہو جن سے فرضہ لیکر مسلمان اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔

پنجاب میں نسبتاً مسلمانوں کی حالت اچھی سمجھی جاتی ہو وہاں کے لوگ زندہ دل کہے جاتے ہیں وہاں کے قومی جلسوں میں ہزاروں اور لاکھوں روپیہ نقد جمع ہو جاتا ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہاں کے لوگ خوش حال ہیں مگر وہ زندہ دل اور خوش حال دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہیں نہ کہ اپنے صوبہ کے رہنمائے وطن کے مقابلہ میں، میں نے انجمن حمایت الاسلام لاہور کے گزشتہ سالانہ جلسہ میں مسلمانوں کی اقتصاد کی حالت کا خاکہ پیش کیا تھا جس میں دکھایا تھا کہ محنت کر کے مال تیار کرنے میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو مگر مسلمانوں کی محنت سے نفع اٹھانے والے دیگر اقوام کے لوگ ہیں۔

۹۔ مسلمانان پنجاب کے اعداؤ | پنجاب میں مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام کے مساوی بلکہ قدرے زیادہ ہو۔ وہاں کپڑا بننے والے مسلمان دیگر اقوام سے دو گنے ہیں مگر کپڑا بیچ کر اس سے اصلی نفع اٹھانے والے مسلمان نصف ہیں۔ آہنگروں یعنی ہتھوڑا بنانے والوں میں مسلمان دو گنے سے زیادہ مگر لوہے کے دوکانداروں میں دیگر اقوام کے مقابلہ میں آٹھویں حصہ سے بھی کم ہیں۔ تیل نکالنے والوں میں مسلمان اٹھاون گنے مگر تیل کی تجارت میں

ایک نمٹ سے کم ہیں۔

۱۰۔ صنعت | مسلمانوں کو چوب سب طرف سے دھکے ملتے ہیں تو صنعت کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ حالاں کہ اب بھی کاریگروں میں ان کی تعداد کم نہیں بلکہ زیادہ ہے مثلاً صوبہ متحدہ میں مسلمانوں کی مردم شماری صرف چودہ فی صدی ہو مگر مسلمان کاریگر چوالیس فی صدی یعنی اپنی تعداد سے تین گونے ہیں اسی طرح پنجاب میں شیخوں اور کھتریوں کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس کے بیچ تعداد میں کھتریوں سے کم ہیں تاہم کاریگروں میں دو گنے مگر کاریخانوں کے مالک ہونے کے اعتبار سے پانچویں حصے سے بھی کم ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہو کر رہی ہے مسلمانوں کے پاس نہیں جس سے وہ کاریخانے کھولیں اور جب کاریخانے نہیں کھول سکتے تو صنعت و حرفت کے کام اختیار کر کے بیکار اس کے کہ تمام عمر ہاتھ پاؤں کی مشقت میں مثل بے زبان مویشیوں کے گزار دے اور کوئی صورت نہیں۔

اس وقت ہندوستان میں جو صنعت بہتر سے بہتر ہے اس میں مسلمانوں کا نمایاں حصہ ہے۔ کشمیر میں کپڑے اور لکڑی اور چینی کا جو اعلیٰ درجہ کا کام ہوتا ہے اور جس کی شہرت یورپ تک ہو وہ سب مسلمانوں کا کام ہو مگر علت یہ ہے کہ وہاں مسلمان کاریگر فنل کو کھوکے پل کے کام کر کے سدافلس اور قلاش رہتے ہیں جس کا رونا رونا نہ اخبارات میں روایا جاتا ہے اور ان کی محنت و مشقت اور عرق ریزی سے پھل

دیگر اقوام کے لوگ کھاتے ہیں یہی حال بنارس، دہلی، علی گڑھ اور مراد آباد کی تمام ہندوستان کے مسلمان کاریگروں کا ہو کہ وہ محنت کرتے کرتے ختم ہوئے جاتے ہیں اگر چند روز کے لیے بیکار یا بیمار ہو جاتے ہیں بھی بیکار مانگنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

۱۱۔ تجارت | میں نے تجارت کا جو مختصر خاکہ پیش کیا تھا اس سے ظاہر ہو گا کہ مسلمانوں کی تعداد اس میں کم ہوتا ہے ہم میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس قدر تعداد بھی تجارت میں مسلمانوں کی نظر آتی ہو وہ محض برائے نام ہو برائے نام اس لیے ہو کہ مسلمان دوکاندار بھی بالعموم غیر اقوام کے سرمایہ داروں کا روپیہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ امر مسلمہ ہو کہ مال منگوانے میں انھیں تجارتی شے سود دینا پڑتا ہو اور وہ لے سکتے نہیں۔ بٹنی چھڑانے میں وہ سرمایہ داروں سے مدد لیتے ہیں جس کا انھیں قدم قدم پر سود دینا پڑتا ہو نتیجہ یہ ہو کہ ان کے منافع کا بڑا حصہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جاتا ہو۔

۱۲۔ سود سے بچنے کا | اس کا علاج بعض اصحاب یہ تجویز کرتے ہیں کہ مجوزہ علاج | مسلمان تجارت میں سودی قرضہ نہ لیں مگر اس زمانہ میں تجارت کے طریقے اس قسم کے ہو گئے ہیں کہ سود سے بچنا ناممکنات سے ہو بلکہ آج کل تو سخت اندیشہ اس امر کا ہو کہ اگر دیگر اقوام کی کوٹھیاں اور بینک وقت پر مسلمانوں کو سودی قرضہ دینا بند کر دیں تو مسلمانوں کا رہا سہا کام بھی ختم ہو جائے چنانچہ جب سے ہندو مسلم

تنازعات شروع ہوئے یہ شکایت اکثر عکسہ سُنی جاتی ہو کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو روپیہ دینا بند کر دیا جس سے مسلمانوں کا کاروبار بگڑ گیا اور اب تو پنجاب کے ہندو اخبارات میں علانیہ لکھا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کو روپیہ دینا بند کر دیا جائے۔ اس وقت لاکھوں مسلمان دکانداروں اور کاریگروں کی زندگی کا انحصار اس پر ہے کہ وہ قرض لے کر جو کچھ کماتے ہیں اس کا ایک حصہ مہاجن کو دے دیتے ہیں اور باقی ماندہ سے بسر وقات کرتے ہیں۔ اس لیے مسلمان آج کل اس مصیبت میں مبتلا ہیں کہ ایک طرف تو وہ سودی قرضہ لے کر برباد ہو رہے ہیں اور دوسری طرف اگر انھیں سودی قرضہ ملنا بند ہو جاتا ہے تو انھیں زندگی کے دن بھی پورے کرنے مشکل ہو جاتے ہیں۔

۱۳۔ اسلامی ریاستوں میں بعض اصحاب کے دلوں میں ممکن ہے کہ سود کی ڈگری یہ خیال گزرے کہ انگریزی قوانین اس قسم کے ہیں کہ مسلمان سود دینے پر مجبور ہیں اس لیے یہاں کے مسلمانوں کی مالی حالت کمزور ہوتی جاتی ہے مگر یہ ایک حیرت انگیز امر ہے کہ اسلامی ریاستوں میں مسلمانوں کو یہاں سے بھی زیادہ مجبوری ہے مثلاً بھوپال میں مستاجروں کا فرض ہے کہ وہ کاشتکاروں کے لیے بیج اور کھاد اور موسیقی فراہم کریں وہاں کا دستور یہ ہے کہ بیج کے لیے مستاجرا اپنے کاشتکاروں کو جس قدر غلہ دیتا ہے فصل پر اس سے سوایا پارسے کا مستحق ہوتا ہے جس کو سوائن کہتے ہیں اور سب کو اس سوائن کی ڈگری عدالت سے لی سکتی ہے مگر خاص بات یہ ہے کہ

مسلمانوں کو سوائے کی ڈگری نہیں مل سکتی۔ اسی طرح وہاں غیر مسلموں کو بارہ آنے سے سیکڑہ تک سود کی ڈگریاں مل سکتی ہیں مگر مسلمانوں کو نہیں مل سکتی ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ غیر مسلم مسلمانوں سے سود وصول کر سکتے ہیں مگر مسلمان غیر مسلموں سے وصول نہیں کر سکتے اگر مسلمانوں کے مذہب میں سود کا لین اور دین دونوں ممنوع ہیں تو چاہیے یہ تھا کہ مسلمان اور ہندو دونوں کو نہ سود دینا پڑتا نہ لینا لیکن وہاں مسلمان سے تو جبر یہ سود دلایا جاتا ہے مگر اسے حق نہیں کہ وہ غیر مسلم سے سود وصول کر سکے۔ اسی حالت میں راجا دادا اور دیگر اسلامی ریاستوں میں ہو کہ وہاں مسلمانوں پر تو سود کی ڈگریاں ہوتی ہیں اور ان کے گھر بار سود میں نیلام ہوتے ہیں مگر مسلمان نہ سود کی ڈگری پاسکتے ہیں نہ سود میں کسی کی جائیداد نیلام کر سکتے ہیں مسلمان ان باتوں کو معمولی سمجھتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ مسلسل سود دینے کا مضامین انسان کے لیے نپ دق کا حکم رکھتا ہے جو ہر دم قومی جسم کو گھلا گھلا کر اسے فنا کرتا رہتا ہے۔

۱۴۔ گداگری | ممکن ہے کہ بعض اصحاب کے دلوں میں یہ خیال گزرے کہ قوم زندہ رہے یا فنا ہو ہمارا دین و ایمان سلامت رہنا چاہیے۔ اسی کا نشان ہمارا دین و ایمان محفوظ و سلامت ہونا تب بھی غنیمت تھا مگر اب تو وہ خطرہ میں ہے کیونکہ افلاس کی وجہ سے مسلمان ایسے حیا سوز بیٹے اختیار کرنے پر لے سود مندی کو کشش سے خفا کا شکر ہے کہ ریاست بھوپال نے مسلمانوں کے لیے اس بندش کو کہ انہیں سود کی ڈگری نہ ملے توڑ دیا ہے اور اب سوائے کی ڈگری مسلمانوں کو بھی منسل ہندوؤں کے مل سکتی ہے۔

مجبور ہیں جن سے اخلاق پرست اور مذہبی روح فنا ہوئی جاتی ہے مثلاً صوبہ  
 متحدہ میں اپنی نسبتی مردم شماری کے اعتبار سے مسلمان گد اگروں کی تعداد  
 تین گونی اور قروموں اور کبھیوں کی تعداد سات گونی ہو ان سب سے  
 زیادہ شرمناک امر یہ ہے کہ پنجاب میں جاٹ جھینور، کھار اور جولاہوں میں  
 سے جن میں کچھ ہندو کچھ سکھ اور کچھ مسلمان ہیں مسلمانوں میں سے تو ان کی ایک  
 خاص تعداد گدا گرو گھن اور گد ہندوؤں اور گھوٹوں میں مندرجہ بالا ذاتوں کے گد  
 برائے نام گدا گرو گھن ہیں ایک وہ زمانہ تھا جب کہ مذہب اسلام اختیار  
 کرنے سے انسانوں کے اخلاق بلند ہو جاتے تھے اور اب وہ وقت ہے  
 کہ اس کے خلاف ہو رہا ہے اور صدر مسلمان غیر اقوام کے شکار بن رہے ہیں  
 ۱۵۔ تعلیم میں انحطاط | بالآخر اس سلسلہ یہ ہے کہ اس نسبتی سے نکلنے کا کوئی علاج  
 ہے بھی یا نہ ہو سہا پوسی ہی مایوسی ہے اس وقت سے پچاس سال قبل علاج  
 تجویز کیا گیا وہ حصول علم تھا چنانچہ علوم جدیدہ اور علوم قدیمہ کی تحصیل اور  
 قوم میں ان کی ترویج کا تجربہ عرصہ سے کیا جا رہا ہے اور اس سے انکار  
 نہیں ہو سکتا کہ حصول علم ہی کے ذریعہ سے مذہبی، اخلاقی اور دماغی ترقی  
 کا امکان ہے مگر اب مشکل یہ ہے کہ واقع ہوئی ہے کہ اس زمانہ میں علم بھی  
 بغیر سرمایہ کی مدد کے حاصل نہیں ہو سکتا اور سرمایہ کی چونکہ مسلمانوں  
 میں قلت ہے اس لیے علم کے دروازے بھی ان پر بند ہوئے جاتے ہیں  
 تعلیمی پورٹوں سے جن کی تفصیل میں یہاں طوالت ہوگی معلوم ہوتا ہے  
 کہ ابتدائی مدارس میں مسلمان طلباء کی جو نسبت ہے وہ اعلیٰ جماعتوں میں جن میں

اخراجات زیادہ ہیں بتدریج کم ہوتی جاتی ہو اسی طرح علوم قدیمہ کے مدارس کی جو مالی مشکلات ہیں وہ بھی ظاہر ہیں کہ باوجود چندہ کی مسلسل اپیلوں کے عربی مدارس کے اخراجات کے لیے کافی روپیہ نہیں ملتا اور جو ملتا ہے وہ بوجہ اس کے کہ بینک میں رکھ کر فیس کا سود نہیں لیا جاسکتا چند روز میں ختم ہو جاتا ہے تعلیم کے علاوہ صنعت و حرفت اور تجارت کو بھی ذریعہ ترقی سمجھا جاتا ہے جن کی نسبت تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے کہ بغیر سرمایہ کے وہ چل نہیں سکتیں اور سرمایہ بنیاد روپیہ کا کہ اسے لینے نہ پیدا ہوتا کہ اور نہ قائم رہ سکتا ہے اب ایک آخری چیز جو تمام قوم و ملک کے پیش نظر ہے وہ اس ملک کی سیاسی آزادی یعنی سوراخ ہے۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ سیاسی آزادی سے بڑھ کر کسی قوم کے لیے دنیا میں کوئی نعمت نہیں ہوتی مگر مسلمانوں کے لیے غور طلب امر یہ ہے کہ اس ملک میں رعایا کو حکمرانی کے جو حقوق ملنے والے ہیں مسلمان ان سے مستفید ہونے کے لیے کہاں تک تیار ہیں مسلمانوں کو سب سے اول یہ سوچنا چاہیے کہ جہاں ان کی خالص قومی سلطنت ہزار سال سے تھی وہاں ان کا زوال کیسے ہوا اور اب قومی اور ملکی سلطنت کے قیام و استحکام کے لیے کیا امور ضروری ہیں مسیہ مری جہاں تک محدود واقفیت ہے سلطنت کی بقا کے لیے اس زمانہ میں سرمایہ شرط لازمی ہے۔

۱۶۔ زمانہ حال میں ملک ڈاری کا طریقہ | زمانہ سابق میں افراد میں طرح ناگہانی ضرورتوں کے لیے پس انداز روپیہ زمین میں دفن کر کے رکھتے تھے



اسی طرح سلطنتیں اپنے خزانوں میں بے شمار روپیہ محفوظ رکھتی تھیں تاکہ فوج کشی یا کسی بیرونی حملہ کی مدافعت کے وقت وہ کام آئے۔ مگر جب سے روپیہ کو نفع آور کاموں میں لگانے کا طریقہ جاری ہوا تب سے اہل پرپ نے روپیہ کو بیکار پڑا رہنے کا سلسلہ مسدود کر دیا اور سرکاری خزانوں میں سے روپیہ نکال کر ملک کے نفع کے کاموں میں لگانا شروع کر دیا اور یہ طریقہ عمل قرار دیا کہ جب سلطنت کو روپیہ کی ضرورت ہو تو افراد قوم سے معین منافع پر قرض لے کر ملک کی ترقی کے کاموں میں یا فوج کشی میں صرف کیا جائے اور پھر اس کو رفتہ رفتہ ادا کر دیا جائے۔ اس طریقہ کے اجرا سے افراد قوم کو یہ نفع ہوا کہ جب ان کے روپیہ پر بھروسہ کے ساتھ منافع ملنے لگا تو انھیں پس مانا نہ کرنے کی رغبت اور کفایت شہاری کی عادت ہو گئی اور ملک کو یہ نفع ہوا کہ کروڑوں اور اربوں روپیہ جو سرکاری خزانوں یا افراد قوم کے گھروں میں مدفون اور بیکار پڑا رہتا تھا وہ کارآمد اور نفع آور کاموں میں لگنے لگا جس سے اہل ملک کی انفرادی اور جماعی ترقی کی کوئی حد و انتہا نہ رہی۔

مگر اس جدید طریقہ کے اختیار کرنے سے جس نسبت سے یورپ کی سلطنتوں کو نفع ہوا اسی نسبت سے اسلامی حکومتوں کو جنھوں نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا نقصان ہوا۔ مثلاً یہ کہ اسلامی سلطنتوں کو جب قرضے کی ضرورت ہوتی تو بوجہ اس کے کہ افراد قوم معین منافع پر سلطنت کو قرض دینا ناجائز سمجھتے تھے سلطنت بجائے اپنی رعایا اور اپنی قوم سے

قرضہ لینے کے دیگر اقوام سے قرضہ لینے پر مجبور ہوتی تھی۔ اس سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ قرضہ پر جو کچھ منافع ہوتا وہ غیر ممالک کو جاتا جس سے ملک روز بروز مفلس ہوتا گیا افراد قوم کے لیے کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے وہ پس انداز روپیہ کو معین منافع پر لگا کر اپنا سرمایہ بڑھائے اور اس شوق میں کفایت شعاری سیکھتے۔ ملک میں اس قسم کے سامان نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ افراد قوم سُرف اور انجام کار مفلس ہو گئے اور سلطنت دیگر اقوام کی مقروض اور دست نگر ہو گئی حتیٰ کہ قرضہ کے معاوضے میں دیگر اقوام نے یا تو اسلامی سلطنتوں کو بہن رکھ لیا یا اندرون ملک میں اپنی قوم اور اپنی تجارت کے لیے ایسے ایسے حقوق حاصل کر لیے جن سے عملاً نظام سلطنت اُن کے ہاتھوں میں چلا گیا اور مسلمان ہر اسے نام بادشاہ رہ گئے چنانچہ فردا فردا ہر اسلامی سلطنت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں غیر اقوام کے پنجے میں گرفتار آئے اور محض مالی کمزوری کی وجہ سے غیروں کے قبضہ میں چلی گئی ہو اور مسلمانوں کی تمام شجاعت و جواں مردی، جرات و ہمت، دلیری اور اولوالعزمی سب کچھ رہ گئیں۔

۱۔ مسلمان ملک کی ترقی میں ہارچ ہیں اس جیکہ خالص مسلمانوں کی سلطنتیں سرمایہ کی قلت سے اُن کے ہاتھوں سے نکل گئیں اور نکل ہی ہیں یہ توقع کرنا بعید از قیاس ہے کہ ہندوستان میں جہاں تعداد میں مسلمانوں کا چارم حصہ اور اعلیٰ تعلیم اور دولت و ثمنول میں اس سے بھی قلیل حصہ اور

حصول سوراج میں وہ محدود سبکیں گے مگر ہونا تو ٹھہری بات ہی میں تو مسلمانوں  
 کو ملک کی ترقی میں بائج اور مانع سمجھتا ہوں۔ مثلاً ملک کا سرمایہ حقیقی معنوں  
 میں وہ ہی جو ریل، مارا، نہر، صنعتی اور تجارتی کاموں میں لگتا ہو جس سے ملک  
 کی تمدنی سطح بلند ہو۔ موجودہ حالت میں دیگر اقوام ہند کا روپیہ زیادہ تر  
 بجائے نفع آور کاموں میں لگنے کے مسلمانوں کو سودی قرضہ دینے اور ان سے  
 جائیدادیں حاصل کرنے میں صرف ہو رہا ہے اور چونکہ مسلمان ہر دم روپیہ  
 ملنے کے خواہشمند رہتے ہیں اس لیے یہاں شرح سود بھی گراں رہتی ہے۔ اس  
 وقت مسلمان اگر اپنا پیدا کیا ہوا روپیہ معین اور غیر معین منافع پر تجارت اور  
 کارخانوں میں لگائے لگیں تو ہمارے ہمارے وطن کا روپیہ بھی بجائے  
 مسلمانوں کی بربادی پر صرف ہونے کے ملک کے حقیقی نفع کے کاموں میں  
 لگنا شروع ہو جائے جس سے شرح سود یقینی طور پر گھٹے اور ملک سے ربا  
 اسی طرح کم ہو جائے جس طرح کہ یورپ اور امریکہ سے کم ہو گیا۔ جب مسلمان  
 ملک کا سرمایہ اور دولت بڑھانے میں حصہ رسد شریک ہوں گے اور  
 ہندوستان کی ریلوں، نہروں اور کارخانوں کو دیگر ممالک کے سرمایہ سے  
 مستثنیٰ کر دیں گے تب اس ملک کے حقیقی سوراج کا وقت ہو گا۔ موجودہ حالت  
 میں جب ملکی ترقی کے لیے قرضہ کا اعلان ہوتا ہے تو یورپ کے مہاجن پانچ اور  
 چھ فی صدی کی شرح سود پر ہندوستان کے اربوں روپیہ کے تمسکات  
 آٹا، ٹاٹا، غریب لیتے ہیں معنی اس لیے کہ ہندوستان کے سرمایہ داروں کو تو  
 بے کشمکے اپنے روپیہ پر بارہ اور چھ فی صدی بلکہ اس سے زیادہ ملک مسلمانوں

سے ملتا ہے اور بھینس کیا ضرورت ہے کہ وہ کم سود کے تمسکات خریدیں۔ اس کے بالمشو ایک مدتوں تک سرمایہ سے لڑتے رہے مگر جب تمام ملک فاقہ کشی سے مرنے لگا تو انجام کار یورپ کے سرمایہ داروں کی خوشامد کر کے اپنے ملک میں ان کا سرمایہ لگانے پر مجبور ہوئے یہی حالت ہمارے ملک کی ہے کہ ملک کی ترقی کے کاموں کا انحصار تو بیرونی سرمایہ پر ہے اور ہم خواب دیکھتے ہیں سوراج کا، گویا جھوٹروں میں رہ کر محلوں کے خیالی پلاؤ پکاتے ہیں۔ حالاں کہ حقیقی سوراج کی بنیاد اس روز پر ہے گی جب ملک کا سرمایہ بڑھانے میں مسلمان بھی زور لگا کر ملک کی تشریح سود اس قدر کر دیں گے کہ یہاں کا روپیہ بھی دیگر ممالک کے روپیہ کا مقابلہ کرنے لگے گا مگر ابھی وہ وقت بہت دور ہے جب کہ مسلمان ملک کی ترقی میں واقعی طور پر حصہ لے سکیں۔ اس وقت تو سب سے اہم مسئلہ مسلمانوں کی بقا کا ہے جس کا انحصار محض مسئلہ سود کے حل ہونے پر ہے اور اس

۱۰۔ سود کا مسئلہ غیر منفصل رہا ہے | سود کے مسئلہ میں سب سے زیادہ غور طلب امر یہ ہے کہ اس کی حرمت کی نسبت شرعی احکام قطعی ہیں یا اس کی حالت کا بھی کوئی پہلو نکل سکتا ہے حضرت عمرؓ کی نسبت روایت ہے کہ انہیں اس بات کا افسوس رہا کہ آنحضرت صلعم انتقال فرما گئے اور ان سے روئے کے معنی نہ پوچھ سکے روئے کے معنی نہ پوچھ سکے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حرمت روئے کی آیت نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلعم صرف نو روز

زندہ رہے۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ یہ مسئلہ ابتداء سے غیر حل ہوا ہے  
آخر زمانہ میں حضرت شاہ عبدالکریم صاحب عیادت دہلوی نے ہندوستان  
کے دارالحرب ہونے کی بنا پر غیر مسلموں سے سود لینے کے جواز کا فتوہ دیا  
تاہم مسلمان من حیث القوم سود لینے سے بچتے رہے صرف اس خیال  
سے کہ جس امر کا جواز مشتبہ ہو اس سے بچنا بہتر ہے اور بچنا اس نیت سے  
تھا کہ مسلمان خواہ دنیاوی اعتبار سے کیسے ہی برباد کیوں نہ ہو جائیں  
مگر سود لینے کے گناہ سے بچے رہیں

۱۴۔ سود سے بچنا محال ہی دنیا کے ابتدائی دور میں سودی قرضہ

زیادہ تر قرضہ رت مندی کی وجہ سے لیا جاتا تھا مگر اس زمانہ میں روپیہ  
قرض لیکر نفع اور کاموں میں لگایا جاتا ہے جس کی وجہ سے تمام کاروبار  
و تجارت اور صنعت و حرفت کا انحصار سودی قرضہ کے لین دین پر  
ہو گیا ہے اس لیے اگر سود لینے سے نہیں تو سود دینے سے بچنا انسان کے  
لیے تقریباً محال ہو گیا ہے۔ بالخصوص ان جماعتوں کا تو سود دینے سے  
بچے رہنا ناممکن ہے جو سود نہیں لیتیں اور جو کہ مسلمان سود لینے سے بچے  
رہے اس لیے وہ من حیث القوم دنیا میں سب سے زیادہ برباد  
قرضہ اور سب سے بڑھ کر سود کے دینے والے ہیں جس کی وجہ سے  
دنیا بربادی کے ساتھ وہ سود کے گناہ میں بھی سب سے زیادہ  
ملوث رہتے ہیں۔

۲۰۔ سود میں منفعت کا پہلو غالب ہو گیا دنیا میں ہر چیز کے دو پہلو

ہوتے ہیں مفید اور مضر حتیٰ کہ شراب اور جوئے جیسی ناپاک چیزوں میں  
نفع کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور موجود ہے جس کی نسبت باری تعالیٰ کا ارشاد  
ہو وَيَسْتَلْزِمُونَكَ مِنَ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا لَكُمْ كِبْرٌ وَمَنْفَعٌ  
لِّلنَّاسِ وَرَأَتْهُمَا الْكِبْرُ مِنْ نَفْعِهِمَا (سورہ بقرہ ۲۰۷)

مگر مضرت کے غلبہ کی وجہ سے شراب کا پہنچنا بجز اس صورت کے کہ  
طبییب حاذق اس کا حکم دے حرام ہی اسی طرح سود کے کاروبار میں بھی  
مضرت کا پہلو ابتدا میں غالب تھا جس کی وجہ سے جملہ مذاہب عالم  
میں وہ ممنوع تھا مگر امتداد زمانہ سے جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا فرض  
لیا ہوا روپیہ صنعت و تجارت میں لگا کر دایں اور مایوں و نوں  
کے لیے نفع ریاں ثابت ہوا جس کی وجہ سے روپیہ کے کرایہ یا سود  
کی منفعت کا پہلو اس کی مضرت سے بڑھ گیا۔ جملہ دیگر اقوام دنیا نے  
اس نکتہ کو سمجھ کر اس کی دو قسمیں قرار دے لیں یعنی پوٹری اور انٹریسٹ جن کو  
دوسرے الفاظ میں ربوا اور تجارتی سود کہہ سکتے ہیں اور ثانی الذکر یعنی  
تجارتی سود سے سب نے سبجہ مسلمانوں کے خاطر خواہ نفع اٹھایا۔ مسلمانوں  
کے مذہب میں اگرچہ یہ مسئلہ ابتداء سے غیر مفصل رہا اور ربوا کی کوئی  
تعریف قطعی اور متفق علیہ نہ تھی تاہم انھوں نے روپیہ پر ہر پڑھوتری کو  
ربوا قرار دے کر اس کی جملہ صورتوں سے کایتا احتراز کیا اور سود کے  
سراسر مفید پہلو یعنی تجارتی سود تک سے بھی نفع نہ اٹھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ  
مسلمانوں کے دین و دنیا دونوں برباد ہو گئے۔ دنیا کی بربادی تو

مسلمانوں کے افلاس سے ظاہر ہو گیا دین کی بربادی اس لیے ہوئی کہ سود دینے کے گناہ میں نہیں تو دینے کے گناہ میں مسلمان سب سے آگے ہو گئے حالانکہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے صفات الفاظ میں ارشاد فرمایا تھا کہ:-

”مسلمان کو چاہیے کہ کافر حربی کو سود دینے میں احتیاط

کمرے بے ضرورت کافر حربی کو بھی سود نہ دیوے۔“

سود دینے کے گناہ کے علاوہ آپ یہ معلوم کر کے متعجب ہوں گے کہ مسلمان کارِ بیکہ بمقابلہ دیگر اقوام کے کارِ بیکروں کے زیادہ شراب خوار اور عیاش ہیں جس کا پتہ آبکاری کے نقشوں سے چلتا ہے چنانچہ مجھے بالتحقیق معلوم ہوا کہ بعض مقامات میں جہاں مسلمان کارِ بیکہ زیادہ ہیں عید کے دن شراب کی بکری بہت زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ روپیہ بڑھانے کے دروازے چوں کہ مسلمانوں پر بند ہیں اس لیے وہ اپنی کمائی کا مصرف صرف عیش پرستی جانتے ہیں۔

۲۱۔ مذہب کی عظمت خطرہ میں | ممکن ہے کہ بعض مذاہب کے دلوں میں یہ خیال گزیرے کہ دنیوی مصالح سے مذہب میں تبدیلی نہیں کی جاتی اس کی نسبت یہ عرض ہے کہ کوئی قانون خواہ مذہبی ہو یا ملکی جس میں ضرورت زمانہ اور طبائع انسانی کا لحاظ نہیں رکھا جاتا اس کا وجود بالآخر محض کتابوں کے صفات پر رہ جاتا ہے کیوں کہ لوگ اپنے حوائج سے مجبور ہو کر پسماندہ یا علانیہ اس کی خلاف ورزی کرنے لگتے ہیں یا اس سے

بچنے کے لیے جیلے اختیار کرتے ہیں اس لیے ایسے قانون کا عدم وجود  
 برابر ہو جاتا ہے اور اسی لیے ہر مقلد اپنے قانون میں ان امور کا لحاظ  
 رکھتا ہے۔ چنانچہ قانون الہی میں خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لِكُلِّ  
 اُمَّةٍ نَّصَرْنَا لَآئِنَ مَّعَهَا ذِمْمَتًا مَّذْہَبِیْ اُمُورِیْنِ فَرْوِیَاتِ زَمَانَةِ اَدْرِطْبَالِیْنِ اِنْسَانِی  
 کا لحاظ رکھنے کی ہر سہی مثال ہمارے سامنے الہی اور پ کی موجود ہے جنہوں نے  
 اپنے مذہبی قانون کو اپنی ضروریات کے لیے ناکافی پا کر اپنے حسب حال  
 ملی قوانین بنالیئے اور اپنی آسمانی کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔ تقریباً  
 یہی حال مسلمانوں کا ہوتا جاتا ہے کہ وہ اپنے مروجہ مذہبی قانون کو اپنی ضروریات  
 کے مطابق نہ پا کر یہ اعتبار عمل کے آزاد ہوئے جاتے ہیں اور ان کے دلوں  
 سے مذہبی قانون کی عظمت کم ہوتی جاتی ہے مثلاً یہ کہ باوجود اس علم کے  
 کہ سود لینا اور دینا دونوں ممنوع ہیں جہلا سے لیکر علماء تک ضرورت کے  
 وقت اگر سود لینے کے نہیں تو دینے کے گناہ کے ضرور با ضرور مرتکب ہوتے  
 ہیں۔ ایسی حالت میں اس قانون کی کیا عظمت ہو سکتی ہے جو ہر دم اور ہر وقت  
 توڑا جاتا ہو اور جس پر عمل درآمد کرنا انسانی امکان سے باہر ہو گیا ہو۔ انہیں  
 مشکلات کے حل کرنے کے لیے مسلمانوں میں ابتدا سے فقہاء اور مجتہدین کی  
 ایک مقدس جماعت ایسی رہی ہے جو نہ صرف مذہبی امور میں بلکہ تمدن و  
 معاشرت میں مسلمانوں کی رہنمائی کر کے انہیں دنیا میں رہنے کے قابل بناتی  
 رہی چنانچہ اسی مقدس جماعت کے بعض برگزیدہ افراد نے مختلف اوقات  
 میں مسئلہ سود کی اہمیت کا اندازہ کر کے اس کی مختلف صورتوں کے متعلق



فتوے دیئے ہیں جن پر یکجائی نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں مسئلہ سود بڑی حد تک حل ہو چکا ہے اور صرف اُس میں علماء و وقت کی یکجائی اور متفقہ توجہ کی ضرورت ہے۔ اس وقت میں اختصار کے ساتھ سود کی مختلف صورتیں اور ان کے متعلق چند فتوے پیش کرنے کی جرات کرتا ہوں۔

۲۲۔ غیر مسلموں سے لہوا | ہندوستان میں سب سے اہم فتویٰ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جنہوں نے غیر مسلموں سے نہ صرف تجارتی سود بلکہ ہر قسم کے سود اور رتبہ اس کے جس میں گرامی شرح کا سود بھی شامل ہے جواز کا فتویٰ دیا۔ اسی کے ساتھ شاہ صاحب موصوف نے ہندوئی کے جواز کی صورت بتائی جس کے ذریعہ تجارتی اغراض کے لیے ایک نظام سے دوسرے مقام پر رو پیٹنقل ہو سکتا ہے۔

۲۳۔ پیمائشی فوٹوں اور بنکوں کا سود | اس کے بعد مولانا عبدالحی صاحب قرطبی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے سرکاری تمسکات اور نصاریٰ کے پاس روپیہ جمع کر کے اُس پر سود لینے کے جواز کا فتویٰ دیا۔

۲۴۔ بینک کا سود کا رخیہ میں | بینک کا سود لیکر کارخیہ میں صرف کرنے کے جواز کے متعلق جناب مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کے الفاظ یہ ہیں کہ

اُس روپیہ کو بینک میں نہ چھوڑیں بلکہ وہاں سے لیکر غراب و کین اہل حاجت میں تقسیم کر دیں یہ بہت اچھا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ

اس کا ثواب حاصل ہوگا۔

۲۵۔ ربوہ الفضل کے جواز کی صورت | ہمجنس اشیاء کا غیر مساوی تبادلہ بھی سود یا ربوہ الفضل کے حکم میں سمجھا جاتا ہے اور اس لیے وہ ناجائز ہو یعنی چاندی کی خرید و فروخت جب روپیہ سے کی جائے تو روپیہ اور چاندی کا وزن یکساں ہونا چاہیے مگر چونکہ چاندی کا بھاد کم و بیش ہوتا رہتا ہے جس کی وجہ سے بعض وقت اس کی خرید و بیاری میں نقصان رہتا ہے اس لیے فقہانے مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کے لیے یہ صورت نکال لی ہے کہ روپیہ کے ساتھ تانبے کے کچھ پیسے ملا دیئے جائیں تاکہ بدلیں غیر جنس ہو جائیں اور یہ معاملہ ربوہ نہ رہے اور روپیہ کے بارے میں وزن کے اعتبار سے زیادہ چاندی مل سکے۔

۲۶۔ آپس میں مسلمانوں میں | اس کے بعد سود کی ایک صورت جو سب سے مضار بہت ہے رقم معین | اہم ہو باقی رہتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو روپیہ دے کر مضار بہت رقم معین کا معاملہ کرے یعنی کاروبار اور تجارت کے لیے معین منافع پر روپیہ دے۔ اس وقت لاکھوں مسلمان دوکاندار اور کارگیر جو غیر فلاح کے سرمایہ داروں کا روپیہ استعمال کر کے سدا ان کی غلامی میں رہتے ہیں اور بعض وقت روپیہ کے باؤ میں مل مذہب کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جنہیں اس غلامی سے آزادی دلانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اسراف فضول خرچی اور عیاشی کے لیے نہیں بلکہ کاروبار کے لیے خفیف منافع پر روپیہ دے

تاکہ خود مسلمانوں کی حیثیت تجارت و صنعت میں قائم ہو۔ اس صورت میں  
کے جواز کے متعلق علماء مصر نے جو کچھ لکھا ہے اس کے علاوہ خود ہمارے ہندوستان  
کے عالم مولوی ناظر حسن صاحب دیوبندی مرحوم کی ایک کتاب سے نقل  
کرنا ہیجانہ ہوگا۔

”یہ کلیہ کہ نقد مال کا کرایہ درست نہیں ہے بروئے کتب فقہ  
صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ تفصیل ہے۔ اگر اس کا کرایہ علاوہ  
تجارت کے اور کسی غرض سے ہو تو بے شک نا درست ہے بلکہ  
نقد مال کی ذات سے بلا خرچ کیے ہوئے کوئی نفع حاصل نہیں  
ہو سکتا ہے اور کرایہ اس چیز کا درست ہوتا ہے جس میں بحالت  
بقا کوئی نفع حاصل ہو سکتا ہے لیکن یہ خیال کہ تجارت کے لیے  
بھی اس کا کرایہ درست نہیں ہے ٹھیک نہیں ہے کیوں کہ  
نقد اموال کی اصلی منفعت تجارت ہے۔ اگر نقد مال کا معاوضہ  
لینا شرمناک اور حرام تھا تو مضاربت صحیحہ میں حصہ مشاع کا لینا  
کیوں حلال ہوا۔ اس صورت میں رب المال نے جو کچھ  
لیا عوض المال لیا اور مضارببت نے جو کچھ لیا عوض مال  
لیا۔ اس مسئلہ سے بھی معلوم ہے کہ مضارببت میں مال مرفوع  
قرض نہیں ہوتا ہے ورنہ ایک جہہ بھی لینا حرام ہوتا۔  
آگے چل کر جناب مولوی ناظر حسن صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔  
”جیسے زمین کاشت کا اجارہ مشاع اور ہنگان مقرر ہوتا ہے“

اور در صورت گمان اگرچہ کاشتکار کو کچھ حاصل نہ ہو لیکن بالک  
زمین کو رقم گمان حلال ہو۔ ایسے ہی عقد مضاربت بھی  
دونوں طرح درست ہوئی۔ جھٹہ مشاع بھی اور بہ رقم معین  
بھی۔

عالم متفقہ فتوے کی ضرورت تھا | علماء کرام کی متدرجہ بالارایوں و فتوؤں  
کے نقل کرنے سے میری غرض یہ نہیں ہو کہ جو کچھ کہا اور لکھا گیا وہ قطعی ہو اور  
نا قابل اعتراض ہو بلکہ میرا منشا صرف اس قدر ہو کہ سود کی بہت سی صورتیں  
ایسی ہیں جن کے جو ان کی نسبت خود بڑے بڑے علماء کرام اظہار رائے  
کر چکے ہیں فتوے دے چکے ہیں اور یہ فتوے خاص خاص اوقات میں خاص  
ضروریات پیش نظر رکھ کر دیئے گئے ہیں مگر جو حالات اس وقت مسلمانوں کے  
سامنے ہیں اور جن کو میں نے اختصار کے ساتھ عرض کیا ہے وہ اس امر کے  
منقضی ہیں کہ علماء کرام اجماعی طور پر اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیکر ایک  
متفقہ فتوے جاری کریں اور اس پر عمل درآمد کرنے کی خاص طور پر کوشش  
کریں اور کاروبار تجارت میں مسلمانوں کی مینہالی کر کے انھیں ایسے طریقے  
بتائیں جنہیں اختیار کر کے مسلمان جلد سے جلد ذلت و خواری، ہلاکت و  
بربادی کے بھنور سے نکلیں ورنہ کچھ عرصہ اور غفلت برتی گئی تو انہیں ہمیشہ  
کہ کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکے گی۔ اور خدا نخواستہ اکبر کا یہ شہر ہم پر صاف  
آئے گا۔ کچھ جزو خاک ہوں گے تو کچھ آئینہ برآئیں  
یہ واقعہ صحیح ہے مگر دل شرمش ہے

(۳)

## مسئلہ سود پر چند سوالات

میں نے مسئلہ ۱۹۲۳ء میں مسئلہ سود کے متعلق چند سوالات شائع کیے تھے امید ہو کہ اُن کے ملاحظہ سے اس مسئلہ کے حل کرنے میں مدد ملے گی۔ اس لیے انہیں ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

۱۔ آیا دینا کے جملہ بڑے مذاہب میں سود ممنوع رہا ہے یا صرف اسلام میں؟  
۲۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ ہندوؤں، مصریوں، اہل روم اور دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کے قوانین کی رو سے سود خواری ممنوع تھی اسے بند کرنے کی ہر ممکن کوشش ہر زمانہ میں کی گئی ہے؟

۳۔ جب دینی اور دنیوی دونوں قوانین کی رو سے سود خواری ممنوع تھی تو سوال یہ ہے کہ آیا سود خواری کی ممانعت کسی مضرت پر مبنی تھی یا بلا لحاظ مضرت و مشقت کے محض حکم خداوندی پر مبنی؟

۴۔ جب تاکہ روپیہ کو نفع آور کاموں میں لگانے کا رواج نہ تھا تب تاک یا تور روپیہ زمین میں دفن کر کے رکھا جاتا تھا یا ضرورت مندوں اور عیش پرستوں کو سود پر قرض دیا جاتا تھا جو دیون کی برابری کا باعث ہوتا تھا اور یہی تھی سود خواری تھی آیا یہ صحیح نہیں ہے کہ جب سے پوربہ میں روپیہ نفع آور کاموں میں لگنے اور ایک دوسرے سے معین منافع پر قرض لیکر تجارت میں لگنا یا جانے لگنا تب سے اُن ممالک کی ولایتی

اور وقت و غفلت کی بنیاد قائم ہوئی اور سرمایہ و تجارت کے زور سے اُنھوں نے  
غیر مالک پر قبضہ و تسلط کرنا شروع کیا؟

۵۔ آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ سود کی تبدیلی شدہ صورت اختیار نہ کرنے کی وجہ  
سے اسلامی سلطنتوں کو اپنی ملک کی حفاظت و ترقی کے لیے بجائے اپنی رعایا  
سے قرضہ لینے کے دیگر اقوام سے سودی قرضہ لینا پڑا جس سے اسلامی ملک  
مثلاً دوسروں کے قبضہ میں چلے گئے؟

۶۔ آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ مسلمانوں کی زمینداریاں روز بروز غلری  
ہیں انہی کی جائیدادیں قرضہ کی غفلت میں دوسروں کے قبضہ میں جا رہی ہیں  
اور وہ غل ٹرانس نے زمانہ کے یہودیوں کے زمین سے بے دخل کر رہے ہیں  
۷۔ آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ سود کی تبدیلی شدہ صورت اختیار نہ کرنے کی

وجہ سے مسلمان تجارت سے خارج ہو رہے ہیں اور باوجود اس کے  
مسلمان کارنگروں کی تعداد بہت ہی تاہم وہ دیگر اقوام کے سرمایہ داروں  
کے غلام ہیں اور اس لیے صنعت و حرفت کے اعلیٰ نفع سے محروم ہیں؟

۸۔ آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ مسلمانوں کی مالی کمزوری کی وجہ سے ان میں  
نفع خلافت کے کام مثلاً مدرسے، خانے، خیرات، خانے، مہمان خانے  
کنوئیں، اسرار میں اور پبل بانی والوں کی تعداد روز بروز گھٹ رہی ہو  
اور اسی نسبت سے دیگر اقوام میں کارخیر جاری کرنے والوں کی تعداد  
بڑھ رہی ہو؟

۹۔ آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ دیگر اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں میں ہیں

تنازعات زیادہ ہیں اور باہمی ہمدردی اور مصیبت میں ایک دوسرے کی امداد کرنے کی کم نوبت آتی ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو کیا یہ اُن کے افلاس کا نتیجہ نہیں ہے؟

۱۰۔ آیا یہ صحیح نہیں ہے کہ بعض مقامات میں افلاس کی وجہ سے اُن اقوام میں جو عرصہ سے مسلمان تھیں ارتداد شروع ہو گیا ہے اور ارتداد کو روکنے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے جو جماعتیں قائم ہوئی ہیں انھیں بوجہ روپیہ کی کمی کے تبلیغ کا کام جاری رکھنا مشکل ہو رہا ہے؟

۱۱۔ اگر مسلمانوں کی مالی کمزوری کی وجہ سے ہر اعتبار سے اُن کا تنزل ہو تو کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلمانوں کی حالت درست کی جائے اور مالی حالت درست کرنے کے کیا ذرائع ہو سکتے ہیں؟

۱۲۔ مسلمانوں کی مالی کمزوری زیادہ تر اُن کی قرضداری کی وجہ سے ہو رہی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ مسلمانوں کی قوم یہ عہد کر لے کہ وہ سودی قرضہ نہ لے گی مگر جب کہ صدیوں تک مذہباً اور قانوناً سود پر قرض دینے کا اور لینے والوں کو سزا دی جاتی تھی تب بھی سودی قرضہ کی داد مستند بنا نہ ہو سکی تو آیا یہ بابت قرین قیاس ہے کہ قرض نہ لینے کا عہد مسلمان من حیث القوم پورا کر سکیں گے؟

۱۳۔ اگر افلاس دور کرنے کے لیے کفایت شعاری کی عادت ضروری ہے تو آیا محض کفایت شعاری کی تلقین سے قوم کفایت شعار بن سکتی ہے اور باوجودیکہ مسلمانوں میں عرصہ سے کفایت شعاری کی ضرورت کا احساس ہے

اور ہر طرف اس کا چرچا ہوا اور اس کے لیے کمپنیں قائم ہو چکی ہیں اور محبتیں اور وعظ سب کچھ ہمارے لیے ہیں تاہم ان کے مسرفانہ عادات میں کمی نہیں ہوتی اور وہ روز بروز تباہ ہوتے جا رہے ہیں اتنے تجربوں کے بعد کیا اس امر کی گنجائش باقی ہے کہ وعظ و بند کے ذریعہ سے قوم میں کفایت شعاری پیدا کرنے کے تجربہ میں چند سال اور ضایع یا صرفہ کر دیئے جائیں؟

۱۲-۱۱-۱۰ یا یہ بھی نہیں ہے کہ کسی قوم میں کفایت شعاری اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کے افراد کو روپیہ بڑھانا نہ سکھا یا جائے جیسا کہ یورپ میں کاریگروں اور غرباء کے لیے بینک اور بیہ کمپنیاں قائم کر کے اور انھیں روپیہ کا بچانا اور بڑھانا سکھا کر تجارتی سود کے ذریعہ سے انھیں حقیقی معنوں میں کفایت شعار بنایا جاتا ہے؟

۱۵-۱۱-۱۰ اس زمانہ کے کاروبار میں بعض لوگوں کے پاس بے شمار دولت جمع ہو جاتی ہے جس کو "سرمایہ داری" کہتے ہیں اور جس سے غریب سرمایہ داروں کے غلام بن جاتے ہیں۔ سرمایہ داری کی قوت اور اس کی مصرت کے مقابلہ کے لیے عربا میں اب انجمن ہائے امداد باہمی کی تحریک ترقی کر رہی ہے جس سے غرباء کا طبقہ ایک خود دارانہ زندگی بسر کر سکتا ہے اور وہ عوام الناس کے لیے رحمت ثابت ہو رہا ہے مگر اس کا دار و مدار تجارتی سود پر ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ سود جو عوام طور پر پرہیزی نوع انسان اور خاص کر غرباء کے لیے سراسر مفید ثابت ہوا ہے اس کو اس کے تحت میں آتا ہے جس کی نسبت خداوند تعالیٰ نے اپنے عاجز بندوں کو ان الفاظ میں لڑائی کا چیلنج دیا ہے فَادْنُوا



بھکاپ مَن اللہِ و سَسُ لَہِ ؟

۱۲۔ خداوند تعالیٰ کے ساتھ لڑائی اور دوسری قدرتی بات کے خوف سے مسلمان، بددعا اور تباہی سودا اور ہر قسم کے سود سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں تاہم وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں جو تباہی سود سے نہیں بچتے اس دنیا میں زیادہ پریشان حال اور مفلس ہیں۔ مروجہ شہابی کی پوری سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں گداگروں، مجرموں اور کسبوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے۔ ان میں باہمی تفتیش اور تنازعات زیادہ ہیں، باہمی ملامت خراب ہیں۔ کہا ان حالات میں پی پی پی نہیں نکالا جاسکتا کہ کم سے کم اس دنیا میں خداوند تعالیٰ کے بقا بلکہ دیگر اقوام کے مسلمانوں سے اسی طرح ناراض ہو جیسے کہ کسی زمانہ میں یہودیوں سے ناراض سمجھا جاتا تھا جب کہ وہ دنیا میں ذلیل و خوار اور برباد تھے اور غیر منقولہ جائیداد سے بیخبر تھے۔

۱۳۔ دنیا کے دیگر مذاہب، رہبانیت کو نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اسلام نے رہبانیت کو مٹا کر مسلمانوں کو حکم دیا: "کُلُوا مِنْ طِبَاتِ مَا سَرَقْنَا کُلُّہُ" اور خداوند تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد فرمایا: "يَتَّبِعْ عَثَمَهُ رَاضِيًا وَكَخَلَّالٍ اِلَیَّ کَانَ عَلَیْہِمْ" یعنی یہ کہ آپ صحت احکام کے بوجھ جو ان لوگوں کے سروں پر لہے ہوئے تھے اور پھندے جو ان پر پڑے ہوئے تھے ان پر سے دور کرتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: "اِنَّمَا یُعْشَقُ مِیْسِرُہُ" کہ

بُئِحَاتٍ مَّعْتَرِدِينَ، یعنی تم آسانیاں بڑھانے کے لئے دنیا میں بھیجے گئے دشواریاں بڑھانے کے لئے نہیں، پر خلافت اس کے اسباب ہم علانیہ دیکھتے ہیں کہ تجارتی سود کے غلبہ سے مسلمانوں کے لیے تجارت کی صنعت و حرفت کی، ہر قسم کی میاش کی، حتیٰ کہ زندگی کی تمام باتیں بند ہو رہی ہیں کیا اسلام کی موجودہ شکل میں یہ دعویٰ بجا طور پر کیا جاسکتا ہے کہ "اسلام رہبانیت" ماننے والا ہے یا یہ کہ وہ سہل ہے اور سخت احکام کے پوچھ سے وہ انسانوں کو ہلکا کرتا ہے اور ان کی گردنوں سے بھندے نکالتا ہے، یا یہ کہ وہ آسانیاں بڑھاتا ہے اور دشواریاں نہیں بڑھاتا؟

۱۰۔ اہل یورپ کے نزدیک رہنما ایسا ہی بُرا سمجھا جاتا تھا جیسا کہ مسلمانوں کے نزدیک۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ روپیہ غیر نفع آور کاموں میں صرف ہوتا تھا۔ جب سے یورپ میں روپیہ نفع آور کاموں میں کثرت سے لگنے لگا اور اس سے ایک جدید چیز انٹرست یا تجارتی سود کے نام سے پیدا ہو کر انسان کے لئے سراسر مفید ثابت ہوئی تب سے مذہبی اور یورپ کے ملکی قوانین نے اُسے بدلتے بدلتے جہر لگا کر جانور قرار دے لیا اور کچھ عرصہ ہوا کہ مصر اور ترکی کے مسلمان علما نے بھی اس کے جانور ہونے کا اعلان کر دیا ایسا سوال یہ ہے کہ اس ملک میں جب کہ تجارت کا ربار میں مسلمان قدم قدم پر تجارتی سود دے کر نقصان اٹھا رہے ہیں اور ان کی وجہ سے تجارت ان کے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے اور کہاں تک رست ہے کہ تجارتی سود کو رپا کے تحت میں لاکر اس کا لینا جائز قرار دیا جائے؟

۱۹۔ حدیث مشریت میں آیا ہے "لا ربا لآل فی النسبۃ" یعنی ربا بالانسیہ کے سوا کوئی ربا نہیں ہے اور ربا بالانسیہ کی نسبت امام ہاضمی تحریر فرماتے ہیں کہ "وہ معاملہ ہے جو ایام جاہلیت سے مروج تھا اور وہ یہ تھا کہ وہ لوگ اس عہد پر کچھ مال دیتے تھے کہ ہر ماہ مال کی ایک معین مقدار (بطور سود کے) وصول کرتے رہینگے اور اصل مال پورا کا پورا ہوگا پھر جب قرضہ کی میعاد آجاتی تو قرضدار سے اصل مال کا مطالبہ کرتے تو اگر وہ دینے سے معذور ہوتا تو قرض اور میعاد دونوں کو بڑھا دیتے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے ربا کا اس زمانہ میں وجود نہیں ہے اسی طرح اعلام المؤمنین میں تحریر ہے کہ

"ظاہری ربا ربا بالانسیہ ہے جو ایام جاہلیت میں مروج تھا کہ جب قرضدار اسے قرض میں تاخیر کرتا تو قرض خواہ کے لیے مال بڑھا دیتا اور جوں جوں تاخیر کرتا اسی طرح مال بڑھتا جاتا یہاں تک کہ ایک سو کی رقم ہزاروں تک پہنچ جاتی اور غالباً اس معاملہ پر وہی لوگ مجبور ہوتے تھے جو نادار اور محتاج ہوتے تھے ہیں جب قرض خواہ مناسب دیکھتا تو اپنے مطالبہ میں تاخیر کرتا جس کے عوض قرضدار اس کو اس کی یاد داتی اور اگر تاخیر نہ کرنا چاہتا تو قرض کی قید سے خلاصی پاتا رہے۔"

برخلاف اس کے بخاری سود وہ ہے جو فریقین کے نفع کے لیے دیا جاتا ہے جیسے ملک کے میراب کرنے کے لیے سلطنت اپنی رعایا سے قرض لیتی ہے اور ہنر کی آمدنی سے ایک معین حصہ روپیہ والے کو دیتی ہے

جس سے ملک سرسبز ہوتا ہو اور قرض دینے والوں کا اثاثہ بڑھتا ہو یا ایک شخص دوسرے کو ہمیں منافع پر تجارت کرنے کے لیے روپیہ دیتا ہو جس کے نفع سے فریقین مستفید ہوتے ہیں اب سوال یہ ہو کہ روپہ النسیہ کی جو نصف بیان کی گئی ہو آیا وہ کسی طرح تجارتی سود پر موقوف آتی ہو اور آیا تجارتی سود کو کسی طرح روپہ النسیہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

۲۰۔ آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ روپہ باوجودیکہ نص صحیح سے حرام قطعی ہو تاہم ”لاسر لہا بن المسلم والکھربانی فی دایرا لکھربانی“ رو سے بعض فقہائے اسلام نے روپہ کے لین دین کو غیر مسلموں کے ساتھ جائز قرار دے دیا؟

۲۱۔ آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ بعض فقہائے اسلام نے روپہ کے لین دین کو چند خیلوں کے اختیار کرنے کے ذریعہ سے جائز قرار دیا ہو مثلاً یہ کہ ایک سو روپیہ کے نوٹ ادھار دے کہ کچھ عرصہ بعد ایک سو پانچ لے لیے جائیں یا ایک سو روپیہ کو رومال میں باندھ کر ایک سال کے بعد لے لیں یا انھیں ایک سو دس روپیہ میں فروخت کیا جائے؟

۲۲۔ آیا یہ صحیح نہیں ہو کہ زیور وغیرہ کے لیے چاندی خریدنی ہو تو اس کی نسبت حکم ہو کہ وہ روپیہ کے ہم وزن لی جائے ورنہ روپہ ہو جاتا ہو روپہ سے بچنے کے لیے یہ تدبیر بتائی گئی ہو کہ روپیہ کے ساتھ کچھ پیسے شامل کر دیے جائیں تاکہ بدلین غیر جنس ہو جائیں اور یہ معاملہ روا نہ رہے۔ اگر ربوہ فی الواقع انسان کے لیے نقصان دہ ہو اور اس لیے مذہباً ممنوع ہو

تو سوال یہ کہ آیتا نہیں کے پیسے شامل کر دینے سے اس معاملہ کی واقعی حضرت اور مصیبت میں کوئی کمی آ جاتی ہے؟

۲۳۔ جب کہ مندرجہ بالا طریقہ سے چاندی خریدنے میں بظاہر تباہی حضرت مجتہد قائم رہتی ہے اور محض پیسے ملانے سے اس کی مصیبت دور ہو سکتی ہے اور برخلاف اس کے تجارتی سود کے لین دین میں کوئی خاص حضرت موجود نہیں ہوتی اور وہ ہر سہرا سہرا لوگوں کے لیے مفید ہے تو سوال یہ کہ آیتا تجارتی سود کو ہوا کے ٹکڑے میں سمجھ کر اس کی مصیبت کو دور کرنے کے لیے کوئی ایسا جملہ اختیار کیا جاسکتا ہے جیسا کہ چاندی اور گوڑ اور لچک خریدنے کے لیے کیا جاسکتا ہے؟

۲۴۔ مردہ جانور اور خون اور غیر اللہ کے لیے نامزد شدہ جانور اور لحم الخنزیر نص صریح سے قطعی حرام ہیں اسی طرح شراب بھی قطعی حرام ہے اور خانہ کعبہ کے پاس قتل کرنا حرام ہے تو آیا یہ صحیح نہیں ہے کہ اول الذکر اشیا کا کھانا اضطراری حالت میں جائز ہے اسی طرح مرض کی حالت میں جب طبیب حادثہ تجویز کرے شراب کا استعمال جائز ہے اور خانہ کعبہ کے قریب اگر گرفتار لڑنے آئیں تو انھیں قتل کرنا جائز ہے اگر اس قدر ناپاک اور مضر چیزیں اور ناجائز افعال ضرورت کے وقت جائز ہو سکتے ہیں تو آیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کی خطرناکی و مجبوری کی حالت دیکھ کر تجارتی سود کو جس کے لین دین پر اس زمانہ میں مسلمانوں کی قومی زندگی کا انحصار ہے اور جس میں روپائی کوئی مسرت نہیں بلکہ لڑنے کی ضرورت ہے جائز سمجھا جائے؟

# ایک مسلمان تحصیلدار اور جوتی (افسانہ)

مہا بن ضلع مٹھرا کے ایک برہمن کو سیر و سیاحت کا شوق تھا۔ اس مقصد کے لئے اُس نے کچھ پائے خریدے ایک پوتھی بنائی اور یہ سب چیزیں کپڑوں کی ایک بوتلی میں رکھ کر اور جوتھی بن کے گھر سے نکل کھڑا ہوا ہندوستان کے لوگ ضعیف العقیدہ ہوتے ہی اس اب جادو جانا کو اس سے اپنی قیمتوں کا حال پوچھتے ہیں۔ حال پوچھنے والے بہت گروہینے والے کم ہیں تب بھی روڈو چار چار آئے جمع ہو کر کسی کسی دن اُس کے پاس روپی ہو جاتے ہیں مگر روپیہ نہیں یا آئے اُس کا خرچ تین آئے رونا سے بڑھنے نہیں پاتا ٹھہرنے کو ہر جگہ دھرم سارے سجھائیں موجود ہیں۔ کچھ بے حیائی اختیار کر کے تو ہمینہ پھر میں نہیں تو پندرہ دن ضرور مفت کھا سکتا تھا کیونکہ اکثر دھرم سالوں اور مندروں میں سدا برکت جاری رہتا ہے مگر کمالے والے کے لئے پُن کا بھوجن کھشت ہو اس لیے وہ پاؤ بھڑاٹا لیکر خود چکا لیتا تھا اور پکائے کا وقت نہ ہو تو کچے کھا لے کی دوکان سے ایک آنہ میں روٹی اور تیرکاری لے کر پیٹ بھر لیتا تھا اور ہر ہمینہ بال بچوں کے لئے پندرہ بیس روپی گھر بھجوتا رہتا تھا۔ تجربہ سے اسے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں کے مقابلہ میں تحصیل کھانا میں اس کی زیادہ تر

پوچھ کر کیونکہ ان لوگوں کو زیادہ آمدنی کے ساتھ زیادہ ہوس اور زیادہ خطرہ رہتا ہے اور پھر مسلمان اہلکاروں میں اور بھی زیادہ قدر ہو جن کے پاس کھانے پینے کے بعد کچھ بچتا ہی نہیں اور وہ ہر وقت اس کے متمنی رہتے ہیں کہ پروہ غیب سے اُن کی مدد ہو۔ بس مسلمان کی اس کمزوری کو دیکھ کر وہ ہر تحصیل اور تھانہ میں سیدھا مسلمان اہلکاروں کی طرف رخ کرتا ہے۔ اتفاق سے وہ ایک دن پھر تاجپور تاجپورنت نامہ کی تحصیل میں جا نکلا جہاں مرزا شاہ رخ بیگ صاحب تحصیل اور تھانے بڑے خاندانی اور شہسپائی امیر تھے مگر جائداد سب زبردبار قرضہ تھی تب بھی تحصیلداری کی آمدنی کیا کم تھی ہاں بچے ساتھ تھے اور بڑے عیش و نعم کی زندگی بسر کرتے تھے جب یہہ جوشنی ہو چکا تو تحصیلدار صاحب بنگلہ میں بیٹھے ڈاک دیکھ رہے تھے اور اہلکار اپنے اپنے صیغہ کے اکٹھا کر لیتے جاتے تھے جوشنی کی ہمت وہاں جانے کی نہ ہوتی تھی اور جب عرصہ کر کے آگے بڑھتا تو آزدلی ڈانٹ کر اسے پیچھے ہٹا دیتا۔ خوش قسمتی سے تحصیلدار صاحب کی نظر اُس پر جا پڑی نظر کیا تھی کیا اثر تھی اُسی وقت اُنھوں نے اُسے بلایا اور ڈاک سے فارغ ہو کر اس سے پوچھ کچھ شروع کی۔ جوشنی اب جو پانسہ ڈالتا ہو کسی میں نکلتا ہو تحصیلدار صاحب سال بھر میں ڈیڑھ کلکٹر ہو جائیں گے۔ ایک حساب سے بڑا بیٹا جو دو سال نو میں فیل ہو چکا ہو ملین ہو کر رہے گا اور دوسرے اسکول کے وقت میں شکا رکھیل کر دوسرا لکھا آ رہا اس کی قسمت میں فوج کی کپتانی لکھی ہو۔ غرض کہ تحصیلدار صاحب سے لیکر دو برس کے

بچے تک کو بڑے بڑے عہدے تقسیم ہو رہے ہیں اور تحصیلدار صاحب ہیں کہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ فوراً دس روپیہ نکال کر خوشی کو دیتے ہیں۔ خوشی انہیں دعائیں دیتا ہے اور کچھ اور دل خوش کن پیشین گوئیاں کرتا ہے اس پر ایک اہلکار کو اشارہ ہوتا ہے کہ اسے عملہ میں کچھ کرا دیا جائے اور دو چار رئیسوں کے پاس بھیجا جائے۔ اب برابر ایک ہفتہ تک خوشی کا دور دورہ رہتا ہے اور وہ تحصیل سے پانچپور روپیہ لیکر دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوتا ہے خیالی ترقیوں اور عہدوں کے بارے میں اسے جو رقم ملی ہو اسے لیکر بیدھا کھرہ بونچتا ہے کسی مسلمان کو اتنی رقم ملی ہوئی تو اول تو احباب کی دعوتیں ہوتیں۔ علویے کیا بات کرتے۔ اپنے اور بیوی بچوں کے لیے پر تکلف کپڑے سلوائے جاتے میاں کھا پیتا ہوتے تو لڑکی کی شادی کے لیے زیور اور جہیز کی تیاری میں روپیہ لگاتے اور اگر چروں اور نقب زروں سے بچار ہوتا تو لڑکی کی رخصت کے دن میاں کی عزت آبرو برادری میں بڑھتی۔ مگر پٹت جی حالانکہ منہ نہیں ہیں تاہم بیویوں کے داؤ گھات سے کچھ نہ کچھ واقف ہیں۔ گھر بچہ بچہ کھانے کے جولاہوں میں روپیہ تقسیم کرتے ہیں۔ دس روپیہ دینا کر کے بارہ بیویوں میں ایک ایک روپیہ لیکر بارہ روپیہ وصول کریں گے اور دینے وقت دس روپیہ کی جگہ نو روپیہ بارہ آئے دیتے ہیں چار آئے تو بیکے کاٹ لیتے ہیں۔ مہینے پر روپیہ وصول نہ ہو گا تو پیسے روپیہ کا سود لگے گا۔ اب جولاہے ہیں کہ اس کی سود کو دیکھ کر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ کیوں کہ بیویوں سے



جب لاتے ہیں تو وہ دس روپیہ کے ساتھ نو دیا ہی اور ایک پیسہ کی جگہ تین پیسے کا سود لگاتا ہے۔ پھر یہ بھی شرط کرتا ہے کہ چھ مہینے قسط نہ ملے گی تو مال بھی اس کے ہاتھ پہنچا پڑے گا۔ اور مال کی قیمت لگاتے وقت نوکریاں اور بنیوں کی ان شرطوں سے پریشان ہو کر چلا ہے۔ ہندوئی کے پاس نوٹنی شی آتے ہیں۔ پہلی دفعہ ہندوئی نے چار سو روپیہ چاہیں، چوالیس سو روپیہ لے کر دینے اور سو روپیہ گھر کے خرچ کے لیے رکھ لیئے۔ اب چالیس چوالیس روپیہ فی کس کے حساب سے ہر مہینے کے شروع میں چالیس روپیہ ہندوئی کو دے جاتے ہیں۔ چودس روپیہ فی کس کے حساب چار سو چوالیس کو دے دیئے جاتے ہیں۔ اگلے مہینہ چالیس روپیہ آتے ہیں اور ہر مہینے اسی طرح تقسیم ہوتے اور ٹھہرتے جاتے ہیں۔ ہندوئی صرف وہاں کے آں اس گشت لگاتے ہیں گھر سے دور نہیں جاتے کچھ تو جو قس کا قلم کرتے ہیں جس سے گھر کے خرچ ہیں مدد ملے گا۔ بارہ قسطوں کا کام کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ مالی حالت بہتر ہوتی جاتی ہے اور آٹھ دس برس میں ہندوئی بڑی بڑی رقموں کا لین دین شروع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہاں میں پابندی کے ساتھ ٹھہرنے سے استغنا ہو جاتا ہے۔ اب جی چاہتا ہے کہ جس حالت کی بدولت یہ فایز الہالی حاصل ہوئی اس کا شکریہ ادا کیا جائے۔

ہندوئی جی کی حیثیت اب پچاس ہزار کی ہو مگر وضع قطع وہی ہے چنانچہ انہی جو قس کے ہندوئی کے ساتھ اب اس میں وہ تحصیلدار صاحب کی بجو ہیں گھر سے نکلتے ہیں کسی نے غلطی سے ہندوئی سے کہہ دیا کہ وہ ابھی جہنم

کی تحصیل میں ہیں۔ سرکار نے ان کی خاص خدمات کے صلہ میں وہاں سے بدلہ نہیں مگر جا کر معلوم ہوتا ہے کہ پارساں ان کا انتقال وہیں ہو گیا۔ اور جن کے چشمہ ابرو کے اشارے پر منڈت جی نہال ہو گئے تھے خود جب ان کا انتقال ہوا تو بال بچوں کو صوبت مگر سے جانا مشکل ہو جاتا ہے بازار میں ہر طرف قرض بٹا ہوا اس قابل نہ ہوا کہ چار پیسے کمانا بچوں سے سیکڑوں روپیہ خرچ کیے سیکھ گئے اور روپیہ بچا کر بڑھانے کی کوئی تعلیم نہ ہوئی تھی البتہ ایک بار کا گورکھ پور میں کلرک ہو گیا تھا وہ اس قابل نہ تھا کہ اتنے بڑے کنبے کا بار اٹھاتا۔ بچوں میں سے کسی کا بلیہ بھی یہی نہ ہوا تھا جس سے اسکول میں پڑھنے والوں کی تعلیم جاری رہتی نہ تحصیلدار صاحب کی زندگی کا ہمہ ہوا تھا جس سے بچی کو کچھ مل رہتا۔ غرض کہ لوگوں کے شرم و لحاظ سے اور تحصیلدار صاحب مرحوم کے حسن اخلاق کی وجہ سے مشکل تمام قرض خواہوں سے وعدہ و وعید ہو کر بھیا پھٹا اور بال بچے گھر پہنچ گئے۔ یہ حال سن کر خوشی زار و قطار رہو تا تھا اور گستاخانہ تھا کہ تحصیلدار صاحب کی قسمت میں عینی کمائی لکھی تھی بھگوان نے اس سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی دی۔ مگر وہ اس کا رکھنا اور بڑھانا نہ جانتے تو اس کا کیا علاج ہو میاں لوگ تو اپنی قسمت سے لڑتے ہیں اور اسے ہر اکر چھوڑتے ہیں۔ مجھے تو تحصیلدار صاحب کی کم پائے ایک ہی رقم مل جاتی تھی اس کی بدولت اب کسی پشتوں تک کا سہارا ہو گیا پانی پک سلمان اچھا کار کھڑے مسن رہے تھے جو اس خوشی کو ان دنوں سے جانتے تھے

جب تھمیل میں اس کے واسطے روپیہ جمع کرا دیا تھا۔ بے اختیار کہنے لگے۔  
”مگر شیطان تو نے سود لیکر بڑھایا ایسے روپیہ پڑھانے

پر لعنت“

پوششی سرکار! جس کام پر لعنت ہوتی ہے وہ کام میں نہ  
ہیں کیا۔ آخر ہماری بھی منوسمبرتی میں لکھا ہے کہ سود کھانے والے کا اناج  
پاخانہ ہی میں بنیوں والا سود نہیں کھاتا ہوں کہ غریبوں کا خون چوس لو  
میں تو صرف کارکیوں کو اتنے سود پر روپیہ دیتا تھا جس سے ان کا کاروبار  
چلتا رہے کبھی کسی کو نہیں سستا یا کسی کا مال نہیں لیا۔ اب جب سے میں نے  
غلہ کی تجارت کرنے والوں کو منڈی میں سود پر روپیہ دیا ہے تب سے چولہے  
روتے ہیں اور میری خوشامد کرتے ہیں۔ کیوں کہ انھیں بنے ستائیس  
میاں صاحب ایسے سود کی جیسا میں تجارت کرنے والوں سے لے رہا  
ہوں جو سود روپیہ سے ہیں روپیہ پیدا کر کے دس روپیہ مجھے دیتے ہیں اور  
دس خود رکھتے ہیں اس کی منہا ہی تو اللہ نے تجھیں بھی نہ کی ہوگی اور اگر  
کی بھی ہوگی تو بڑھ چوڑ کر کہتا ہوں میرا سود کا روپیہ اس روپیہ سے تو میرا نہ  
ہوگا جو حضور لوگ تھمیل میں حق کے نام سے لیتے ہیں۔ اس پر میاں صاحب  
بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے اور پنڈت جی کو کچھ جواب نہیں دیا۔ پاس والوں نے  
سنا کہ وہ یہ کہتے جا رہے تھے

کہیں اس شیطان نے رسالہ جو از سود مع فتاویٰ کا مضمون تو  
نہیں سن لیا جو ہمیں قائل معقول کرنا ہے“

## (۵) تعلیمی ہمہ

اس زمانہ میں کم و بیش ہر شخص کی خواہش یہ ہے کہ اس کی اولاد تعلیم یافتہ ہو یا خصوصاً اس وجہ سے کہ آجکل معاشرے کا دار و پیر تعلیم پر ہی ہندوستان میں تعلیم ہمیشہ سے محنت تھی۔ امیر غریب کسی کو بھی تعلیم کے لیے روپیہ فراہم کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی نہ صرف یہ کہ تعلیم کی فیس نہ لی جاتی تھی بلکہ رسکاپوں کی طرف سے طلباء کو کتا ہیں اور کھانا اور مکان ملتے تھے اب امیر ہو یا غریب ہر شخص کو ان سب چیزوں کے لیے روپیہ ہمہ پہنچانا پڑتا ہے۔ خواہ وہ اپنے ہی سے کرے، یا قرض لے یا بھیک مانگے۔ ظاہر ہے کہ غریب کے لیے اس قسم کے اخراجات ہمہ پہنچانے نہایت مشکل ہیں مگر اسی کے ساتھ خوش حال لوگوں کو بھی چوں کہ اس قسم کے اخراجات کی عادت نہیں اس لیے وہ ناگوار ضرور معلوم ہوتے ہیں۔ بالخصوص دیگر ممالک کو تعلیم کے لیے بچوں کو بھیجنے میں جو غیر معمولی اخراجات پڑتے ہیں ان کا تحمل ہونا ہر شخص کا کام نہیں۔

طلباء کی اس قسم کی مشکلات دیکھ کر بعض انجمنوں نے یہ انتظام کیا ہے کہ طلباء کو تعلیم کے لیے قرض حسنہ یا وظیفہ دیتی ہیں مگر چند انجمنیں ہزاروں ضرورتمند طلباء کی جملہ ضروریات کی کہاں تک فیصلہ دے سکتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں لڑکے تعلیم کے لیے پریشان پھرتے ہیں۔ یہیں یہ خیال ہوا کہ

جس طریقے سے انسان کی زندگی کا بیمہ ہوتا ہے اسی طرح سے بچوں کی تعلیم کا بیمہ بھی عجب نہیں کہ ہوتا ہو۔ چنانچہ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ چند کمپنیوں نے اس کا انتظام کیا ہے۔

بعض اصحاب ممکن ہوں کہ بیمہ کو جو سمجھتے ہوں مگر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اول تو بیمہ سچائے خود مسلمانوں کی ایجاد ہے جب کہ وہ اسپین میں تجارت کرتے تھے اس کے علاوہ جو وہ ہے جو غیر یقینی ہو۔ حالانکہ انسان کی نفوی زندگی جس قدر غیر یقینی ہے ویسے ہی اس کی اجتماعی زندگی یقینی ہے۔ مثلاً یہ کہ صدیوں کی اموات کا حساب لگانے سے معلوم ہوا ہے کہ چالیس سال کی عمر کے دس ہزار انتخاب میں سے ایک سو آدمیوں کے قریب ایک سال کے اندر مر گئے ہیں اس حساب سے دس ہزار آدمی ایک ایک سو روپیہ کا بیمہ کر لیں تو ہر ایک کو ایک ایک سو روپیہ دینا چاہیے تاکہ اس سال مرنے والے ایک سو آدمیوں کے ورثہ کو سو سو روپیہ مل جائیں۔ اسی اصول پر تعلیمی بیمہ رکھا گیا ہے جس کی بنا پر بیمہ کرنے والے اور بیمہ کرنے والے کو فائدہ پہنچتا ہے۔

مثلاً ایک شخص جس کی عمر تیس سال ہے چاہتا ہے کہ اس کے ایک سالہ بچے کو سولہ سال کی عمر ہونے پر کالج کی تعلیم کے لیے کافی روپیہ ملتا ہے اس کی تدبیر یہ ہے کہ وہ اپنے بچے کا دو ہزار کا بیمہ کرے اس کے لیے اسے چھیا نوے روپیہ سال یا صرف آٹھ روپیہ مہینہ کے حساب سے بچنے پڑیگی اس قدر دینے پر اس کے بچے کو پانچ سال تک چار سو روپیہ سال یعنی تیس روپیہ

ماہوار ملیں گے جو کالج کی تعلیم کے لیے بالکل کافی ہیں۔ اس طریقہ میں لڑکیاں  
میں کل ساڑھے پندرہ سو روپیہ کے قریب دے جائیں گے اور دو ہزار روپے  
بچے کو ملیں گے اور اگر ہم یہ کرانے والا ایک یا چند اقساط دینے کے بعد  
مر جائے تب بھی لڑکے کو اسی قدر روپیہ ملے گا اور اگر بچہ مر جائے تو  
ایک قسط منہا کر نے کے بعد کل روپیہ ستر ہست کو مل جائے گا یا کسی دوسرے  
بچے کے نام منتقل ہو جائے گا۔

اکثر خوش حال لوگ سمجھتے ہیں کہ انھیں اپنے بچوں کا ہم یہ کرانے کی  
ضرورت نہیں۔ مگر اکثر دیکھا گیا ہے کہ خوش حال لوگوں کے انتقال کے بعد  
ایسی پیچیدگیاں پڑ جاتی ہیں کہ ان کے بچوں کی تعلیم کس جاتی ہو کہ بھی یہ  
ہوتا ہو کہ نقد روپیہ کسی ایک وارث کے قبضے میں آ جاتا ہو کہ بھی جائیداد کو کوئی  
شخص دبا بیٹھتا ہو اور بچوں کو ان کا حصہ نہیں مل سکتا۔ مگر جن بچوں کا تعلیمی  
ہم یہ ہو جاتا ہو انھیں اس کی کوئی پروا نہیں رہتی کہ ان کا ولی انھیں خرچ  
دے تب ہی ان کی تعلیم جاری رہے ان حالات میں ضروری ہے کہ ہر  
شخص اپنی حیثیت کے مطابق اپنے بچوں کا تعلیمی ہم یہ کرے۔ آئندہ  
کسی اشاعت میں تعلیمی ہم یہ کی زیادہ تفصیل بیان کی جائے گی۔

جون ۱۹۲۵ء

(۶۱)

# بنک سے سود و وصول کرنا

## ہدم ارکان شریعت

جمعیتہ العلماء ہند کے مقتدر اخبار جمعیتہ دہلی کے ۲۲ مئی ۱۹۲۵ء کے نمبر میں بنک کے سود کے بارہ میں معزز ایڈیٹر صاحب کا حسب ذیل نوٹ شائع ہوا۔

۱۸ مارچ کو کونسل آف اسٹیٹ میں سیٹھ ہاروں جعفر صاحب نے ایک رزلویشن پیش کیا تھا جس کا مدعا یہ تھا کہ سیونگ بینکوں اور حکومت کی ضمانتوں کے سرمایہ کا جتنا سود جمع ہوتا ہے اس کو کسی اور مصرف میں صرف کرنے کے بجائے مسلمان طلباء کو تعلیمی وظائف دے کر انہیں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھیج دیا جائے حکومت نے اس مطالبہ کو اصولاً تسلیم کر لیا، مگر مصرف کے متعلق جواب دیا کہ اگر مسلمانوں کی کثرت اس خیال کی حمایت کرے گی تو اس روپیہ کو اسی کام میں صرف کر دیا جائے گا چنانچہ سیٹھ صاحب کی تجویز کو کونسل کے آئندہ گرامائی اجلاس کے لیے ملتوی کر دیا گیا تاکہ اس وقت تک اسلامی رائے عامہ کی کافی تحقیق ہو جائے۔

جب اسے ہندوستان میں بینک قائم ہوئے ہیں یہ مسئلہ علمائے اسلام

کے زیر غور ہو کہ آیا بینک کا سود ربا کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ علمائے مصر نے اس کو جائز ثابت کرنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن علماء کی اکثریت بلکہ سواد اعظم کا مسلک ابھی تک یہی ہے کہ بینک کا سود ربا ہے اور اس کا لینا حرام۔

اس فتوے کی بنا پر اکثر دیندار مسلمان بینک سے سود نہیں لیتے اور خصوصاً اسلامی اوقاف کا جتنا روپیہ بینکوں میں داخل کیا جاتا ہے سپر کوئی سود نہیں لیا جاتا لیکن اس میں ایک اور قباحت ہے جو سود لینے سے بھی زیادہ خراب ہے۔ قواعد کی رو سے ہر بینک مجبور ہے کہ وہ تمام جمع شدہ سرمایہ پر ایک خاص شرح کے مطابق سود الگ کر دے تاکہ اسے اور اگر صاحب سرمایہ اس کو لینے سے انکار کر دے اور اس کا کوئی اور مصرف نہ بنائے تو اس وضع کردہ رقم کو سالیویشن آرمی (مستی فوج) کے فنڈ میں داخل کر دے۔ اس قاعدے کے مطابق مسلمانوں کے سرمایہ کا منافع ایک کثیر مقدار میں ہر سال اس جماعت کو مل جاتا ہے اور وہ اس سے سچیت کی تبلیغ کرتی ہے۔

ایسی حالت میں شریعت اسلامی کا فتوے یہ ہے کہ اگر بینکوں میں سرمایہ جمع کرنا ناگزیر ہے تو اس کا سود وصول کر لینا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ سود لینے سے بد رجا بھی بات ہے کہ ہم اپنے روپیہ سے کفر کی اشاعت میں مدد دیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس روپیہ کو اپنی ذات پر صرف نہ کیا جائے۔ بلکہ اسے صدقہ کر دیا جائے



اس بات میں ضہا کی صاف تصریح ہو کہ ان الحیث واجب التصق  
فلا یاخذ الا من یجوز له اخذ الصدقة یعنی مال حرام کو صدقہ  
کردینا ضروری ہے

اور وہ صرف ایسے ہی شخص کو دینا چاہیے جس  
کے لیے صدقہ لینا جائز ہو۔ پس اس تصریح کے مطابق تمام وہ امور خیر  
جن میں صدقہ صرف کیا جاسکتا ہے۔ بنک کے سود کے مصرف بھیج سکتے  
ہیں۔ مثلاً فقہ و مساکین کی اعانت، یتامی کی پرورش، نادار طلباء کی امداد  
اور تبلیغ و حفاظت اسلام وغیرہ۔

بیٹھہ ہاروں جعفر صاحب کا رزولوشن بھی شریعت کے احکام  
کے مطابق ماکل درست ہے اور طلباء کی امداد و اعانت اس صدقہ کا بہتر  
مصرف ہے لیکن اس کے لیے صرف غلی گڑھ یونیورسٹی کی تخصیص کرنے سے  
بہتر صورت یہ ہے کہ اس روپیہ کو تمام صیعوں میں تقسیم کر دیا جائے اور  
ادبی تعلیم پر صرف کرنے کے بجائے مختلف قسم کی صنعتی تعلیموں پر صرف  
کیا جائے مثال کے طور پر جب یہ معاوم ہو جائے کہ ہر سال کتنی رقم اس  
مد میں جمع ہوتی ہے تو اس کے بعد ایک خاص تعداد مقرر کر دی جائے کہ  
اتنے طلباء کو فن زراعت کی تعلیم دی جائے گی، اتنے طلباء انجینئرنگ کے  
مختلف شعبوں میں بھیجے جائیں گے اور اتنے اقتصادیات یا سائنس کی تعلیم میں  
لگے۔ اگر اس تجویز سے صرف اسی روپیہ کی حفاظت ہوتی ہے جو سیرنگنگٹن  
میں جمع ہوتا ہے اور دوسرے چار ٹرینگوں پر یہ قانون نافذ عمل نہیں ہوتا

ہمارے خیال میں اس امر کی ضرورت ہو کہ اس کے تحفظ کی بھی کوئی صورت پیدا کی جائے۔ اور اگر اس کا کوئی باقاعدہ انتظام ممکن نہ ہو تو شخص احکام شریعت کے مطابق خود ہی انفرادی طور پر جمع کر وہ سرمایہ کا سود وصول کر کے اسے تبلیغ و امداد دینا محلی و غیرہ اسلامی امور خیر پر صرف کر دیا کریں۔ کیونکہ اس باب میں تشاہل سے کام لینا ہر دم ارکان شریعت میں حصہ لینے کا اہم معنی ہے اور اس سرمایہ سے تبلیغ مسیحیت اور امداد مسلمانوں کا جتنا فتنہ برپا ہوتا ہے اس کا سرا و بال مسلمانوں کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔“

(سود مند) جس اہم امر کی طرف اخبار جمعیت نے توجہ دلائی ہو اسی ہے کہ دیگر معزز معاصرین بھی مسلمانوں کو آمادہ کریں گے کہ وہ کم سے کم مقامی درس گاہوں اور اوقات کار روپیہ میرکاری پر ایسی نوٹوں میں داخل کر کے روپیہ کو محفوظ اور ذرائع آمدنی کو مستقل کر لیں۔

جولائی ۱۹۲۵ء

(۷)

## اقتصادی

### ثواب

۱۔ جس قدر روپیہ زمین میں دفن ہو  
اُسے وہاں سے نکال کر محبتہ سیکوں  
میں داخل کرنا۔ اس کے بیش قیمت

### گناہ

۱۔ روپیہ کو زمین میں دفن رکھ کر  
یکسوں میں محفوظ رکھ کر کہے  
بیکار پڑا رہنے دینا۔

## گناہ

## ثواب

خیرینا مقبرہ کارخانوں میں لگانا  
غریبوں کا رگیروں اور دکانداروں  
کو معین اور غیر معین منافع پر  
دے کر ان کے کاروبار کو ترقی  
دینا اور ریالوں نہروں اور ملک  
کی ترقی کے کاموں میں لگانا۔

(۲) مستورات کو آمادہ کرنا  
کہ وہ اپنی خوشی سے قیمتی زیور  
روپیہ میں منتقل کر کے مندرجہ بالا  
کاموں میں لگائیں۔

(۳) جو سالانہ رقم عہدہ کیڑوں  
پر صرف ہوتی ہو اس کا تخمینہ کر کے  
اور سادہ کیڑوں کی قیمت منہا کر کے  
باقیمانہ رقم مندرجہ بالا کاموں  
میں سال بسال لگانا۔

(۴) سادہ سے سادہ کھانا کھا کر  
اپنی صحت اور مالی حالت کو درست  
کرنا۔

(۲) روپیہ کو زیور میں منتقل کر کے  
انہیں کی حفاظت کی فکر میں  
پریشان رہنا اور اپنے خاندان  
کی جان اور آبرو خطرہ میں لانا۔  
(۳) روپیہ کو ایسے قیمتی کیڑوں  
پر صرف کرنا جو اہل ہند کی عام  
حالت سے بالاتر ہوں۔

(۴) روپیہ کو ایسے قیمتی کھانوں  
میں صرف کرنا جو اہل ہند کی عام  
حالت سے بالاتر ہونے کے ساتھ

گناہ	ثواب
<p>بطی اہل ہضم اور مضمر صحت ہوں۔          (۵) اپنے بچوں کو چاٹ کے لیے پیسے دے کر انھیں مسروفت اور چڑھرا بنانا۔          (۶) اپنی اہلیہ کے لیے جان ہیہ نہ کرانا اور اپنے بچوں کو تعلیمی ہیم سے محروم رکھنا جس کے بغیر پسماندگان برباد اور تباہ ہوجا ہیں اور بعض وقت گداگری پر مجبور ہوتے ہیں۔</p>	<p>(۵) اپنے بچوں کو روپیہ پانے پر انعامات دے کر انھیں کفایت شعرا بنانا۔          (۶) اپنی اہلیہ کے لیے ایسا جان ہیہ کرنا اور ہر بچہ کا تعلیمی ہیہ کرنا۔          طفیل احمد          جولائی ۱۹۶۵ء</p>

(۸)

## انہدام سرمایہ داری

نظام سوویٹ کی تشبیح و دنیا میں ہمیشہ سے کام لینے والوں اور کام کرنے والوں کے درمیان

کشکس رہی ہے۔ ابتدائی زمانہ میں جب دو قوموں میں لڑائی تھی تو وہ ایک دوسرے کے قیدیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ اس بے رحمانہ طریقہ کی یہ مصلحت ہوئی کہ قیدیوں کو زندہ رکھ کر ان سے کام لیتے تھے۔

کاشتکار رہی کرتے تھے اور ان کی پیدائی ہوئی دولت سے عیش کرتے تھے پھر تجربہ سے معلوم ہوا کہ قیدی خوش دلی سے کام نہیں کرتے جس سے کام عمارہ نہیں ہوتا اس لئے غلاموں کو آزاد کر دیا گیا اور انھیں ہجرت دے کر ان سے بڑے بڑے کارخانوں میں کام لینے کا سلسلہ قائم ہوا۔ ہجرت دے کر کام لینے والے بڑے بڑے سرمایہ دار ہوتے ہیں جو جاہل کاری گروں کی رائے عقلی سے نفع اٹھا کر انھیں مزدوری کم سے کم دیتے ہیں اور اپنے مال کو زیادہ سے زیادہ قیمت میں فروخت کر کے اس سے زندگی کے لطف اٹھاتے ہیں کاریگروں کی یہ حالت ان قیدیوں سے جو قتل کر دیئے جاتے تھے یا بعد کے زمانہ میں غلام بنائے جاتے تھے ہزار درجہ بہتر ہو گیا کیونکہ اب انھیں بالعموم کسی کئی روپیہ روزانہ ملتا ہے جن سے وہ نسبتاً اچھی زندگی بسر کرتے ہیں۔ تاہم امرائے مقابلہ میں چونکہ ان کی حالت پست ہے اس لئے بنی نوع انسان کے ہمدرد صحابہ ان پر رحم کر کے ان کی بہتری کے لئے مختلف تدابیر سوچتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اعلیٰ طبقوں میں کثیر دولت جمع ہو کر غربا کی بربادی اور ان کی غلامی کی موجب نہ ہو۔ اس کے لئے ہڑتالیں ہوتی ہیں بیشعہ ہجرت بڑھائی جاتی ہے کام کرنے کے کیئے کم کیے جاتے ہیں کاریگروں کا حصہ کارخانوں کے منافع میں مقرر کیا جاتا ہے اور ہزاروں قسم کی مختلف تدبیریں غرباء کو ابھارنے کی اختیار کی جاتی ہیں۔ بعض دردمندان قوم انجمنائے امداد باہمی کے ذریعہ ادنیٰ طبقہ کو ابھار کر انھیں آنا خوش حال

بنانا چاہتے ہیں کہ وہ بڑے سرمایہ داروں کی غلامی سے نکل جائیں اور ایک جماعت غرباء کے خیر خواہوں کی وہ ہیں جس کی یہ کوشش ہے کہ سرمایہ داری کو کیلٹا توڑ کر جلد انسانوں کو مساوی حالت پر کر دیا جائے اور جو دولت سب ل کر پیدا کریں اسے قوم کے ہر ہر فرد میں یکساں تقسیم کر دیا جائے ان خیالات کا عملی ظہور گذشتہ جناس عظیم کے دوران میں روس میں ہوا جبکہ بالٹوئیکوں نے وہاں کی شخصی سلطنت اور سرمایہ داری کو توڑ کر سوویت گورنمنٹ کے نام سے ایک جدگانہ سلطنت قاجم کی۔ اس گورنمنٹ نے تمام ذاتی جائیدادوں اور سرمایہ اور دولت کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ وہ شخص جو کھیت میں کام کرتا ہو، وہ جو نجاری اور تاجرن گری کا کام کرتا ہو اور وہ شخص جو وزارت کا کام کرتا ہو سب مثل سلطنت کے ملازم کے ہیں ہر ایک کو سلطنت کی طرف سے کھانے اور کپڑے اور دیگر ضروریات کا ٹکٹ مل جاتا ہے۔ جسے دکھا کر وہ سرکاری گودام سے اپنا کھانا اور دوسری ضروریات لے آتے ہیں۔ سب کا طرز معاشرت اور تمدن ایک ہے۔ سب کے بچوں کی پرورش اور تعلیم سلطنت کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس طریقہ کے جاری کرنے کے چند روز بعد ملک میں سخت قحط پڑے وہاں بھیلیں۔ لاکھوں آدمی ہلاک ہو گئے۔ ملک بھوکا ہو گیا۔ تمام کارو بار بند ہو گئے حتیٰ کہ بالٹوئیکوں نے مجبور ہو کر اہل یورپ کے سرمایہ داروں سے رجوع کیا اور خوشامد کر کے اپنے ملک میں لگانے کے لئے سرمایہ حاصل کیا۔ اور اس طرح وہاں کا کام چلتا ہوا۔

اب کچھ عرصہ ہوا انگلستان کے ایمان تجارت نے سات آدمیوں کا ایک کمیشن تحقیقات کی غرض سے ملک روس میں بھیجا تھا اس کمیشن کی رپورٹ کا خلاصہ اخبارات میں شائع ہو رہا ہے اس رپورٹ کی نسبت اخبار لیڈر الہ آباد کے ایک نوٹ کا ترجمہ ہر یہ ناظرین کیا جاتا ہے جس میں بالشویزم کا نام ایک پہلو دکھایا گیا ہے۔

روسی بالشویزم کا نام ایک پہلو | جمہوریت روسیہ نے عوام الناس کی فاریغ البالی اور مردہ الحالی کے لئے ایک نیا دور پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئی۔ بالشویکی تجربہ سے ایسے نتائج برآمد ہوئے ہیں جن سے دوسرے ملک والوں کو اپنے یہاں اسی قسم کا نظام حکومت قائم کرنے کی ترغیب و تحریک پیدا ہو گئی ہے کیا وہاں کی حکومت کو فحارک کے اختیارات دیدینے سے ملک کی پیداوار آزادی اور شائستگی میں اضافہ ہو گیا ہے؟

ان سوالات کا جواب یقیناً نفی میں دیا جائے گا۔ جمہوریت کی تائید اور مالداروں کے خلاف جو تحریک روس میں پھیلائی گئی تھی اس کی بابت ممبران کمیٹی تحقیقات کو معلوم ہوا کہ انہوں نے قبل از جنگ کے مقابلہ میں آج کل روس کی چند مشہور و معروف مصنوعات کی تیاری کی مقدار بہت کم ہے۔ وہاں کی ریلیں برباد ہو گئی ہیں روس کے مزدوروں کی حالت ہر ایک یورپین ملک کے مزدوروں سے

بہت ادنیٰ درجہ کی ہو اور وہاں کے کسانوں کی جسمانی صفائی اور  
اور اخلاقی حالت یورپ کے ادنیٰ ترین طبقہ سے بھی گری ہوئی  
ہو اور اس میں شک نہیں کہ ان کی حالت ہندوستانی قلی سے  
بھی بدتر ہو وہاں کی موجودہ تمدنی حالت خاندانی زندگی کے  
حق میں تباہ کن ہو اخبارات کو جمہوری جماعت کے کسی فرد پر  
حملہ کرنے کی ممانعت ہو اور وہاں پر انفرادی سیاسی آزادی بمنزلہ  
نفی کے ہو۔

تجارتی اتحاد کی پالیسی کو منسوخ کرانے کے لئے روس میں بار  
بار ہڑتالیں ہوتی رہتی ہیں۔ پیچیدہ معاہدوں سے موجودہ جمہوریہ  
کا نظام ایسی حالت پر پہنچ گیا ہے جس کو جمہوریت نہیں بلکہ سرکاری  
برادری یا سرکاری سرمایہ داری کہنا چاہیے۔ اس وفد نے روس  
کی موجودہ حالت کی مکمل تحقیقات کر کے یہ مایوس کن نتائج اخذ  
کیئے ہیں۔

روس کے موجودہ نظام حکومت میں کوئی شخص اپنے درنا  
کے لئے ایک ہزار پونڈ یعنی پندرہ ہزار روپیہ سے زیادہ نہیں  
چھوڑ سکتا ہے اس لئے وہاں پر کوئی شخص مالدار نہیں ہو سکتا اگر  
کوئی شخص کوشش کرے کہ وہ روپیہ میں انداز کرے تو اس کے افعال  
کے بعد وہ روپیہ وہاں کی گورنمنٹ کو مل جاتا ہے۔  
زمانہ ماقبل جنگ کے مقابلہ میں آج کل روس میں کوئلہ کی



پیداوار ۶۲ فی صد سوت کی ۳۱ فی صد ڈھلے ہوئے لوہے کی ۶۴ فی صد فلزات کی ۲۵ فی صد اورانی کپڑے کی ۳۹ فی صد اور دیگر قسم کی پیداوار کی حالت بھی اسی طرح کی ہے۔ حامیان گورنمنٹ مدعی ہیں کہ جملہ مصنوعات پر گورنمنٹ کا قبضہ ہو جانے سے ان کی پیداوار میں بچہ اضافہ ہو جائے گا لیکن روس کا تجربہ اس دلیل کی تائید نہیں کرتا۔ روس کے نظام حکومت کی خرابیوں کا اقبال کرنے پر وفد مذکور کو اس طرز حکومت میں چند خوبیاں بھی نظر آئی ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

اول یہ کہ سرکاری نظام تمدن پر وہاں کی گورنمنٹ مبنی ہو جس کے عملی طور پر بہت سے مزدور اور کسان معاون ہیں دوسرے وہ اتحاد نظام پر مبنی ہو جس نے کم تعداد قوموں کو پوری مذہبی اخلاقی اور سیاسی آزادی عطا کر دی ہے۔

اگرچہ روسی گورنمنٹ کی مشینری (کل) دوسری سلطنتوں سے اصولاً مختلف قسم کی ہو تاہم وہ اچھی طرح چل رہی ہے اور اگرچہ اس نے روس کی حالت کچھ بہتر نہیں کی لیکن اس نے وہ کام کر دکھایا جس کو انجام دینے میں دنیا کا قدیم طرز حکومت قطعی ناکام رہا۔

ان عمدہ نتائج نے سب لوگوں کو بجز ایک مختصر جماعت کے اپنے حق مخالفت سے دست بردار ہونے پر آمادہ کر دیا ہے جو دیگر مقامات پر سیاسی آزادی کے لئے ایک ضروری حق مانا جاتا ہے۔  
روس کے اس سارے نظام حکومت میں ایک نہایت دلچسپ

جذبت ہو جس کا مطالعہ کرنا غیر ملکیوں کے لیے ضروری امر ہو۔  
 اصل سوال یہ ہو کہ جمہوریت نے جو وعدے کیئے تھے کیا وہ پورے  
 ہو گئے اور اس امر کے ثبوت کی کونسی معتبر شہادت ہو کہ ضروریوں اور  
 کسانوں کی غالب تعداد سو ویٹ حکومت کی دل سے اٹھ رہی ہو  
 ہے۔

وہ نے یہ بھی بیان کیا ہو کہ گورنمنٹ کو نہ صرف اخبارات عام  
 جلسوں اور سیاسی مشینری پر پورا اختیار اور قابو حاصل ہو بلکہ  
 پینوٹریٹیاں اور فوج بھی بالکل اسی کے قبضہ میں ہیں۔ گورنمنٹ کو سرمایہ  
 غیر ملکی قرضہ، تجارت اور مراعات پر بھی پورا اقتدار حاصل ہو۔ اس  
 صورت میں رعایا کے حقیقی جذبات سے آگاہی حاصل کرنا بے حد دشوار  
 امر ہو۔

اخبار لیڈر کی اس رائے کے سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری ہو کہ مسلمانوں  
 میں سے بھی اصحاب اپنی قوم کے عام افلاس کے مرض کو بایوس النلاج  
 سمجھ کر یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ دولت مند طبقہ کے خلاف مثل روس  
 کے کوئی ایسا زبردست انقلاب ہو گا جو دنیا سے سرمایہ داری کو نیست  
 و نابود کر کے سب کو یکساں حالت میں کر دے گا۔ مگر جب کہ خود روس  
 میں بعض لوگوں کے نزدیک یہ تجربہ ناکام رہا اور وہاں کی سلطنت  
 سرمایہ داروں کی امداد لینے پر مجبور ہوئی یا خود سلطنت مساویہ پر تکیہ  
 وہاں کی رعایا سے مثل غلاموں کے کام لینے لگی تو اس امر کی کیا امید ہو کہ

اس زمانہ میں کوئی قوم بغیر سرمایہ کے زندہ رہ سکتی ہی خواہ وہ چند افراد کا سرمایہ ہو یا سلطنت کا۔

روسی یا الشویزم کا روشن پہلو | اگرچہ اخبار لیڈر نے روسی یا الشویزم کا زیادہ تر تاریک پہلو دکھا یا ہے تاہم یہ نا انصافی ہوگی اگر اس تحریک کا روشن پہلو نہ دکھا یا جائے۔ اس کے لیے ہمیں اہل رپورٹ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس میں تحریر ہو کہ وہاں کاریگر کو مزدوری ملتی ہے وہ ایسی ضروریات کے لیے ہوتی ہے جو نقد روپیہ سے فراہم کی جاتی ہیں۔ باقی ماندہ ضروریات مثل تھیٹر، سفر، علاج، ہمیہ جیات کرایہ مکان اور بچوں کی پرورش کے یہ سب چیزیں سلطنت کی طرف سے فراہم کی جاتی ہیں۔“

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کی طرف سے وہاں کے مزدوروں کو ضروریات زندگی کے لیے نقد ملتا ہے اس کے علاوہ بہت سے تھیٹر کے سامان فراہم کیے جاتے ہیں، انھیں ٹسٹیلون یا سفر کرنے کا خرچہ دیا جاتا ہے ان کی زندگی کا بیمہ کرایا جاتا ہے بچوں کی پرورش کی جاتی ہے اور ان سب اخراجات کی کفیل سلطنت ہوتی ہے اور سلطنت اہل یورپ سے سرمایہ قرض لے کر روپیہ سے روپیہ پیدا کرتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے وہ کونسی تجویز ہے جس کے ذریعہ وہ افراد قوم کو اس قابل کر دیں کہ وہ اپنے کھانے پینے کے سامان بچوں کی پرورش اور تعلیم بیماری کے علاج اور مرنے کے بعد بیمہ کے

فدیہ اپنے پسپانگان کی پرورش کے افکار سے مستغنی ہو جائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جس قدر تحریکیں دنیا میں جاری ہیں ان کی انتہائی غایت یہی ہے کہ جملہ طبقات قوم کم و بیش یکساں خوشحال ہوں نہ کہ مثل مسلمانوں کے غریب سے یکدم امیر تک، کاریگر سے لیکر کارخانہ دار تک، بساطی سے لیکر ملک التجا تک اور ادنیٰ زمینداری سے لیکر بڑی سے بڑی سلطنت تک سب مفروض اور دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام اور پریشان حال ہوں۔ فنی طور پر ہم سرمایہ داری کے دلدادہ ہیں اور نہ بالشونیرم کے مخالف۔ ہمارا مقصود تو صرف مسلمانوں کو افلاس و گدگری کی خندق سے نکالنا ہے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ ہر فرد روپیہ کو بچانا اور بڑھانا سیکھے، انجمنہائے ملو باہمی میں شریک ہو، ملک کے کاروبار و صنعت و تجارت میں حصہ لیکر ایک خود ارادہ زندگی بسر کرنے کے قابل بنے اور بس۔

## ہندستان میں بہت بنگوں کی ضرورت<sup>(۹)</sup>

لاہور میں (People's Bank of Northern India)

یعنی بینک باشندگان شمالی ہند کے اقتلاع کی رسم ادا کرنے کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں ہر طبقہ کے ہندو مسلمان اور سکھ شریک تھے اس جلسہ میں آنریبل لالہ ہرکشن لال صاحب نے ایک معرکہ الآراء تقریر فرمائی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

بنگلہال، بمبئی اور مدراس کے تین پریسٹیشن بنکوں کو ملا کر ۱۹۲۱ء میں  
امپیریل بینک قائم کیا گیا۔ ایمپیریل بینک کے علاوہ اس ملک میں اٹھارہ  
کمپینچ یعنی تبادلہ کے بینک کام کر رہے ہیں جن کے دفاتر ہندوستان  
سے باہر ہیں اور ان کے علاوہ انگلینڈ، یوروپ اور ہندوستانیوں کے مشترکہ  
سرمایہ کے چھ بیس بینک درجہ الف کے اور سیالیس بینک درجہ (ب) کے  
ہیں۔ الف اور بی کلاس کے بنکوں میں مستقل اور محفوظ سرمایہ کی مقدار کا  
فرق ہی جو علی الترتیب پانچ لاکھ اور ایک لاکھ ہے۔ ہندوستان میں  
اس قسم کے اور بہت سے بینک ہیں لیکن وہ ایسی معمولی حیثیت کے  
ہیں کہ سرکاری طور پر قابل تذکرہ یا قابل شمار نہیں ہو سکتے۔ ان بنکوں  
پر بینک کے اعتماد کا اندازہ ان رقموں سے ہو سکتا ہے جو ان میں جمع  
کی جاتی ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے کہ پریسٹیشن بینک کی ۱۳۰ شاخیں  
ہیں اور اس میں ۶۰ کروڑ روپیہ ہی تبادلہ کے بنکوں میں ۶۸۵ کروڑ ہندوستانی  
مشترکہ سرمایہ کے الف کلاس کے بنکوں میں ۵۳۴ کروڑ اور درجہ ب  
کے بنکوں میں ۳۷۵ کروڑ روپیہ ہر سال جمع کیا جاتا ہے۔

درجہ ب کے بنکوں کے مالک اور منتظم صرف ہندوستانی ہیں  
لیکن درجہ الف کے بنکوں کا انتظام یورپین اور ہندوستانیوں دونوں  
کے ہاتھوں میں مشترکہ طور پر ہے۔ ان بنکوں میں منجملہ دوا رب روپیہ کے  
خالص ہندوستانی سرمایہ ۲۶ کروڑ روپیہ ہے۔ یہ دوا رب کا سرمایہ  
بھی زمانہ حال کے یورپین اور نوآبادیوں کے بنکوں کے سرمایہ کے

مقابلہ میں بہت حقیر رقم ہے۔

مصدقہ اعداد سے معلوم ہوا کہ دیگر ملکوں میں ایک ایک بینک کی سولہ سولہ شاخیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا مستقل سرمایہ علاوہ دیگر آمدنیوں کے ساٹھ کروڑ پونڈ یعنی نو ارب روپیہ ہے۔

ہندوستان میں پیش ہزار میل ریلوے ہے۔ کئی ہزار میل بحری راستہ ہے اور ۳۰ کروڑ کی آبادی ہے اس لحاظ سے یہاں پر بینک برائے نام ہیں ۱۹۲۵ء نہایت خوش اقبالی کا سال ہے جب کہ ہم درخواست کرتے ہیں کہ بینکوں کی تعداد میں ایک اور بینک کا اضافہ فرمادیا جائے۔

لالہ ہرکشن لال صاحب کی مرقومہ بالا تقریر کی طرف ہم مسلمانوں کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اسلامی بینک زیادہ تعداد میں کھولنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ آج کل دنیا کی تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقی کا انحصار صرف بینکوں ہی کے قیام پر ہے اور اس وقت بھی ہندوستان میں چھٹوری بہت تجارت اور صنعت و حرفت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اس سے حقیقی نفع وہ اسی وقت اٹھا سکتے ہیں جب وہ دیگر قوم کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزادی حاصل کریں اور یہ صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جب کہ زیادہ تعداد میں مسلمان اپنے بینک قائم کریں۔

جولائی ۱۹۲۵ء

(۱۰)

## امانت میں خیانت

قصبہ فہن نگر میں حافظ محمد امین ایک ٹھوسے منہی ماہر ہینر گارہ تہجد گزار بزرگ رہتے ہیں، بادشاہی زمانہ سے ان کے خاندان کی بڑی آبرورہی، ان کی ایمانداری اور دیانت داری کی دھاک اس ماس کے قصبات اور دیہات میں بھٹی ہو، غریب غریب کے پاس چار پیسے بچ جاتے ہیں تو انھیں کپڑے کی پوٹلی میں باندھ کر حافظ جی کے پاس رکھ جاتے ہیں تاکہ بچوں کی شادی بیاہ میں کام آئیں اور یہ پوٹلیاں ہر سوں بچہ سہ رکھی رہتی ہیں مجال نہیں کہ انھیں کوئی چھو بھی سکے۔ حافظ صاحب کی ذات سے قصبہ اول کو بڑا آرام ہے۔ غریب آدمی کے گھر میں روپیہ رکھا ہو تو چور چکارہ بھینوں پر چڑھے چڑھے پھرتے ہیں۔ راکول لگاتے ہیں۔ راتوں کو سونے نہیں دیتے حافظ جی امیر آدمی ہیں ان کے ہاں پہرہ کا انتظام ہوا اور سب کو ان پر اطمینان ہے۔

ان کا بیٹا محمد امین بھی نیک اور لائق ہے، اسے تجارت کا شوق ہے فصل پر غلہ بھر لیتا ہے اور لوگوں کے ہاتھ بیچتا رہتا ہے، مگر بازار میں غلہ کی کمی ہو تو روکے نہیں رکھتا کیونکہ حافظ جی نے غلہ کی تجارت کی اسی شرط پر اجازت دی ہے کہ اسے روک کر نہ رکھا جائے بلکہ بازار کے بھاؤ پر بیچنا رہے۔

حافظ جی کو بھی اس کی دیانت پر اطمینان ہے اور جب سے وہ ضعیف ہو گئے ہیں امانت کے صندوق کی بجی بھی اسی کے سپرد کر دی ہے۔ محمد امین بڑا

مواضع اور ملنسار ہو، اُس کے احباب کا دائرہ وسیع ہو۔ قصبہ کی عربی مدرسہ کی امانت بھی اُسی کے پاس ہو اور علما کا ذاتی روپیہ بھی یہیں رکھا جاتا ہو جس کی وجہ سے علماء کرام کی آمد و رفت سہجی ہو۔

اب محمد حسین کی تجارت کا کام پھیلنا جاتا ہو روپیہ کی قلت نہ ہو۔ محمد حسین اپنے پدر بزرگوار سے کہتے ہیں کہ امانت کار روپیہ تجارت میں لگانے کی اجازت دیدیں۔ اُس میں بھی وہ محفوظ رہے گا۔ خدا نخواستہ اُس میں نقصان ہو تو لاکھوں روپیہ کی جائداد موجود ہو مگر حافظ جی ہیں کہ اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور امانت کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دیتے۔ بالآخر محمد حسین سدا لگاتے ہیں کہ وہاں کے عربی مدرسہ کار روپیہ بھی ایک سو دو گریسے ہاں تجارت میں لگا ہوا ہو ضعیف باپ بالآخر مجبور ہو کر بادل ناخواستہ اجازت دیتے ہیں۔ کیونکہ اُن میں بار بار اٹھنے اور روپیہ کی دیکھ بھال کرنے کی قوت نہیں رہی بہر حال امانت کار روپیہ تجارت میں لگتا ہو محمد حسین کے کاروبار کو خوب ترقی ہوتی ہو وہ بھی اپنے دو بیٹے میں دعوتیں بھی کرتے رہتے ہیں جن میں معززین اہل شہر شریک ہوتے ہیں۔ بالآخر غلہ کا کام زیادہ پھیل کر بے قابو ہو جاتا ہو۔ محمد حسین کی توقع زیادہ تر میل جول اور حکام نہی کی طرف ہو گئی ہو۔ آنریری مجسٹریٹ کا شوق دانگہر ہو گیہوں کی فصل اچھی ہوتی تھی پھر ہر سات وقت پر ہوتی غلہ کا نرخ گر گیا اور کاروبار میں کچھ تنزل ہوا جس کا پتہ کچھ مدرسہ میں چل گیا۔ جہتم صاحب نے علاوہ ماہوار سی خرچ کے امانت میں سے دو ہزار روپیہ منگا بھیجا۔ اُس کے



پہنچنے میں کچھ دیر ہوئی۔ اس کی شہرت تمام قصبہ میں ہو گئی۔ اب کیا تھا  
 ہر طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ اب حافظ محمد امین کے دروازے پر ایک بیڑ  
 ہو گئی ہو حافظ جی تو غلامہ ایک صحن میں پڑے رہتے ہیں۔ یہ خبر سنا کر پھر  
 پلنگ سے اٹھتے نہیں اور ہفتہ بھر بعد جب اُن کا جنازہ نکلا تب لوگوں  
 نے انھیں دیکھ پایا۔ محمد حسین البتہ لوگوں کو دم دلا سہ دیتے ہیں مگر  
 جن کے پسینے کی کما می کا روپیہ جاتا رہے انھیں کیسے تسلی ہو جو کھاتے  
 بیٹے اور کما کو ہیں خیر وہ چپ ہو رہے ہیں تو مضائقہ نہیں مگر وہ ضعیف  
 بیوہ عورتیں جنھوں نے بچلی ہیں ہیں کر بیسیہ پیہ جمع کیا تھا اور اس کے  
 روپیہ بنا کر حافظ جی کے بھر وسیہ پر اُن کے بیٹے کے سپرد کیے تھے، کیا کریں  
 اُن میں سے کوئی سیانہ کوئی کرتی ہی کوئی روتی اور محمد امین کو کوستی جاتی  
 ہی جو زیادہ بھدا لوگ ہیں وہ زیادہ اونچی باتیں کرتے ہیں اور اپنی غلطی پر  
 کہ انھوں نے اپنا روپیہ ڈاکخانہ میں کیوں جمع نہیں کیا نا دم ہونے ہیں بہت  
 بے تعلق لوگ بھی کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں جن میں سے ایک سن رسیدہ  
 شخص دوسرے سے کہتا ہے۔

ان باتوں میں تو ہمارے مقابلہ میں ہندو ہی کھڑے ہیں۔ ہمارے  
 محلہ میں ایک بے حیثیت بیوہ رہتا ہے۔ ایک روز دیکھتا کیا ہوں تھا میں ایک  
 دستاویز لینے کچھری کی طرف چلا جا رہا ہے۔ میں نے کہا آج کسے گانٹھا ہی  
 بولا آج تو میں ہی دستاویز لکھ رہا ہوں۔ میں نے تعجب سے پوچھا تھا کہ  
 کیا مصیبت پڑی ہے کہ تو آج دستاویز لکھ رہا ہے۔ آبدیدہ ہو کر کہنے لگا

کہ میرا بڑا بھائی مول راج مر گیا ہی۔ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں۔ کل دس ہزار روپیہ میرے پاس (مانت) ہوا اب اس روپیہ کو میں کچھ تو اپنی دکان میں لگاؤں گا اور باقی قرض پر دوں گا۔ یہ دس ہزار روپیہ کی دستاویز میں نے پچھلے کے نام لکھ دی ہی۔ جب یہ بالغ ہوں مجھ سے مع سود کے روپیہ لے لیں۔ بنیہ نے یہ کہہ کر دستاویز میرے ہاتھ میں دیدی۔ کھان صاحب! (خان صاحب) تم بھی اس پر گواہی کرو۔ اب میں جو دستاویز پڑھتا ہوں تو اس میں ایک روپیہ سیکڑہ کا سود لکھا ہے۔ میں نے پوچھا یہ روپیہ سیکڑہ سود تو کیسے دے گا ہم لوگ تو بارہ آنے اور دس آنے کا سود نہیں ادا کر سکتے اور جب ایک بار دستاویز لکھ دیتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ وہ سب گھر بار جائیداد لے دو بے گی۔ بنیہ بولا۔

کھان صاحب تم بڑے آدمی ہو۔ بھارے بڑے کچھ ہیں ہم گریب آدمی ہیں پیسہ سے پیسہ پیدا کرتے ہیں۔ کھان صاحب! اس دستاویز میں بھی مجھے نکسان (نقصان) نہیں بلکہ نیچا (نفع) ہی آپ نے نہیں دیکھا کہ میں نے روپیہ سیکڑہ کا سود تو لکھا ہے مگر سود در سود نہیں لکھا۔ میں آپ ہی لوگوں کو ڈیڑھ اور دو روپیہ سیکڑہ سود در سود پر دوں گا اور اگر پورے روپیہ سیکڑہ پر بھی سود در سود کے حساب سے دوں تب بھی نیچا ہی نیچا ہے۔ اور زیادہ ایمان داری کی کمائی کرنا چاہوں تو منڈی میں آڑیوں کو اور بیویوں کو صبح کو دیدوں۔ یہ شام تک ان سے اچھا کھانا (خاصہ) منا چھا (منافع) کمالوں۔ یہ

عس کر میں ششدر رہ گیا اور مسلمانوں کی بے بسی پر افسوس کرنے لگا۔  
غرض کہ محمدیوں کے دروازے کے سامنے اس قسم کی مختلف باتیں ہو رہی  
تھیں اس اثناء میں اخبار بچنے والا آگیا اور ایک شخص نے لکھنؤ کا اخبار ہم  
خریدا۔ پہلا صفحہ کھولا تو اس میں حسب ذیل عنوان پر ایک مضمون تھا جس کا  
عناوہ درج ذیل کیا جاتا ہے، اور جو اس وقت مجمع کو شرمہ کرنا یا گیا۔

مسلمانوں کے قومی کام کیوں برباد ہیں

یہ امر واقعہ ہو کہ مسلمانوں کی ورگت میں تہم خانے  
اور انہیں ہمیشہ روپیہ کی کمی سے خراب حالت  
میں رہتی ہیں اور آئے دن ان کے لیے فرائض  
سراپہ کی سہیلیں اور عرصہ نشیں شایع ہوتی رہتی ہیں و فود جاتے ہیں اور  
پھر بھی ان کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ برخلاف اس کے دیگر قوم  
کے خیر لاری کاموں کی تعداد اور مالی حالت میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ مسلمان نسبتاً مفلس ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ  
جہ کچھ انہیں ملتا ہے اسے چونکہ بنک میں رکھ کر اس کے منافع کو استعمال نہیں  
کر سکتے۔ اس لیے انجام کار وہ خرچ ہو کر رہتا ہے۔ بنک کا سود نہ لینے سے بڑے  
تاجروں کی جو بربادی ہو رہی ہے اسے یہ سمجھ کر نظر انداز کیا جاسکتا ہے کہ  
وہ بڑے تاجر نہ رہیں گے تو بساط خانہ کی دکان کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پال  
لیں گے مگر قومی انجمنوں اور ورگتوں کی بربادی کے یہ معنی ہیں کہ آئندہ سگے  
یہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت سے بالکل ہاتھ دھو بیٹے جائیں۔

اس سلسلہ میں کھول کی قوم کی مثال پیش کی جاتی ہے جن کی نسبت سسنا ہے

جس مقام پر ان کی کانفرنس ہوتی ہو وہاں عام چندہ سے ایک اہول قایم کر دیا جاتا ہو۔ فرض کیجئے کہ ہر مقام کے لئے دو لاکھ چندہ جمع ہوتا ہے جس میں سے کچھ روپیہ عمارت پر صرف ہو جاتا ہو۔ اور باقی ماندہ بطور مستقل سرمایہ کے بنک میں رکھ کر اس کی آمدنی سے سالانہ خرچ چلایا جاتا ہو اس طرح ایک بار تک مدرسہ کے لئے سرمایہ فراہم کر دینے کے بعد پھر اس پر قوت صرف کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس طریقہ پر اگر سلسلہ جاری رہے تو لا تعداد مدرسے مستقل طور پر قائم ہو سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے اگر مسلمانوں کو بھی خدا توفیق دے کہ وہ ہر مقام پر ہر سال ایک مدرسہ کے لئے دو لاکھ روپیہ جمع کر دیں۔ تو اس سے پچاس ہزار عمارتیں لگانے کے بعد اگر ڈیڑھ لاکھ کو بنک میں رکھ دیں تو پانچ فی صدی سالانہ کے حساب سے ساڑھے ست ہزار روپیہ سالانہ یا ۶۶ روپیہ ماہوار مستقل آمدنی ہوتی ہو جو ہمیشہ کے لئے ہوگی لیکن اگر اس سرمایہ کو سال بسال صرف کرتے رہیں تو صرف بیس سال میں یہ روپیہ خرچ ہو جائے گا۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اگر مسلمان سال بسال دو لاکھ روپیہ مدارس کے لئے جمع کرتے رہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے تو ان کے قومی مدرسے تعداد میں بیس سے زیادہ نہیں بڑھ سکتے کیونکہ ہر بیس سال بعد جس مدرسہ کا سرمایہ ختم ہو چکا ہو گا پھر اس کے لئے روپیہ جمع کرنا پڑے گا۔ حالانکہ دیگر اقوام کے مدرسے ہزاروں لاکھوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس نقص کی وجہ سے مسلمان چند مدارس اور انجمنوں کے دائرہ میں مثل کو لھو کے بیل کے

جیکر لگاتے رہتے ہیں اور ان کے ہتھکڑوں کے ہاتھوں میں ہمہ وقت  
 سانسہ لگائی رہتا ہے جو نہ صرف مقامی لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے  
 بلکہ تمام ملک میں شرق سے غرب تک اور جنوب سے شمال تک گشت  
 لگاتا رہتا ہے۔ اور چونکہ قوم میں عام طور پر افلاس ہو اس لیے بالعموم بد  
 یا قومی کام جاری ہوتا ہے تو اس کے تسلط سیدھے کسی ریاست کا یا بلدیہ کی  
 اور رنگون کا رخ کرتے ہیں مگر چونکہ بینک کا سود نہ لینے کی وجہ سے اب ہاں  
 بھی مسلمانوں کی تجارت گر رہی ہے۔ اس لیے خدا نہ کرے یہ دروازہ بھی  
 بند ہونے کا سامان ہو رہا ہے۔

خیر تاجروں کو برباد ہونے دیجئے مگر درسگاہوں کی غلوک الحالی  
 دور کرنے کی کوئی تدبیر کرنی ضروری ہے صرف نا جائز کا حکم لگا دینے سے  
 اس وقت کام نہیں چلتا۔ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے۔ اس کے خلاف  
 یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو روپیہ چندہ میں آئے اس سے ہم جائیداد خرید سکتے ہیں  
 مگر تھوڑے تھوڑے روپیہ سے جو چندہ میں آتا ہے اس سے موقع کی جائیداد  
 ہر وقت بکجائی نہیں خریدی جاسکتی اور خریدی بھی جائے تو بالعموم وہ پانچ  
 چھ فی صدی منافع سے کم پر نہیں ملتی جو بینک کا سود ہے۔ اور بینک سے بغیر کسی  
 مزید صرفہ کے ہر شے میں ہی پر روپیہ وصول ہو جاتا ہے۔ اور جائیداد کے منافع  
 کی وصولی کے لیے کارندے رکھنے پڑتے ہیں۔ نالشیں کرنی پڑتی ہیں  
 جس کی وجہ سے آدھا منافع بلی پتے نہیں پڑتا۔ اگر جائیدادوں سے وصول  
 ہو سکتا تو آج مسلمانوں کو قانون اوقاف کے نفاذ کے لیے کیوں کوشش کرنی

پڑتی۔ موقوفہ جائیدادوں کی جو حالت ہے وہ قوم پر ظاہر ہے۔  
 قومی انجمنوں اور درسگاہوں کو اب تک یہی وقت ہے کہ جو کچھ چندہ  
 آتا ہے وہ سب صرف ہو جاتا ہے اور پس انداز روپیہ کی حفاظت کی مصیبت  
 سر پر رہتی ہے اگر سودا گروں کے ہاں امانت رکھاتے ہیں تو نفع سودا گر اٹھاتا  
 ہے۔ اور دیوالہ نکل جاتے تو ٹوٹا انجمنوں۔ مدرسوں اور مساجد کے  
 حصہ میں آتا ہے بنک میں بلا منافع کے رکھاتے ہیں۔ تو اس کے نفع سے  
 عیسائیوں کی پرورش اور مسلمانوں کا ارتداد اور گرجوں کی تعمیر ہوتی ہے  
 ان تمام مشکلات کو مولوی مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبند ہی کے  
 فتوے نے جو مہیجی کی جامع مسجد کے سرمایہ کے سلسلہ میں اخبار الامان  
 اور خلافت میں شائع ہوا ہے حل کر دیا جس کا منشا یہ ہے کہ بنک کا سو  
 نیک کاموں میں صرف ہو سکتا ہے۔ پس اب ضرورت ہے کہ جلد سے  
 جلد اس کا نفاذ کیا جائے اس فتوے کے بعد جن جماعتوں کو اپنا سرمایہ  
 بنکوں میں جمع کر کے منافع لینے میں تامل ہو گا۔ وہ قومی نقصان کے  
 باعث ہوں گے اور جو اپنے روپیہ کو کسی سودا گر کے پاس یا اپنے  
 پاس رکھیں گے ان کی نسبت مخالفین کو یہ بدگمانی کرنے کا موقع  
 ملے گا کہ وہ اس روپیہ سے ذاتی نفع اٹھاتے ہیں۔ وَمَا عَلَيْنَا

اَلْاَبْلَاغُ

میں مضمون سے کہ عام طور پر مسلمانوں پر اثر ہوا اور اکثروں نے  
 ارادہ کر لیا کہ وہ اپنا روپیہ ڈاکخانہ یا کسی معتبر بنک میں جمع کر کے

اُن کا منافعہ لیں گے اور کمیشن سہ ٹیفکٹ خریدیں گے۔ بعض جو محتاط تھے  
 اُنھوں نے کہا کہ ہم اپنا روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کر کے اُس کا منافع عربی  
 مدرسہ یا تنظیم خاصے میں دیدیں گے۔  
 جولائی ۱۹۲۵ء

(۱۱)

## دَارُ السَّلَاطِنَتِ ہند میں مسلمانوں کی حالت

دہلی صد ہا بریں تک مسلمانوں کا دار السلطنت رہا ہے اور آج  
 وہ انگریزی گورنمنٹ کا بھی دار السلطنت ہے وہ تجارت کا مرکز ہے  
 وہاں مسلمان تاجروں کی کمی نہیں ہے۔ کثرت سے مسلمان کارکن ہیں  
 جن کا حصہ دولت پیدا کرنے میں کم نہیں۔ تاہم مسلمانوں کی جو حالت  
 وہاں ہو اُن کا اندازہ جناب مولانا شریف النجیری صاحب کی ایک  
 چٹھی سے ہو گا جو ۲۴ مئی کے ہمد میں شائع ہوئی ہے۔ اور جس کا  
 اقتباس حسب ذیل ہے:-

جناب من غدر ۱۹۵۸ء نے مسلمانان ہند کی حالت میں بالعموم او  
 مسلمانان دہلی کی بالخصوص جو تیسرہ پیرا کیا اگرچہ ختم ہوا اسے غور سے  
 دیکھیے تو خون کے آنسو کریں گے۔ اخوت اسلامی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ مسلمان  
 جو اس وقت فکر معاش سے سبکدوش ہیں اپنا پیٹ بھرنے کے بعد

اُن مسلمانوں کو دیکھتے جو دو دو درازوں کو محتاج ہیں۔ اُن بن باپ کے بچوں کو جو بھوکے مر رہے ہیں کچی کچی روٹی میں سے ایک ٹکرا دیتے ان پر وہ نشین رائڈوں کا بن کے سر سے وارث اٹھ گئے اور جن کو ہر شام فاقہ کا پیغام دیتی ہے پیٹ بھر دیتے۔ لیکن ایسا ہوتا تو آج مسلمانوں پر یہ وقت نہ آتا کہ کلمہ توحید پڑھنے والیاں آغوش اسلام سے نکل کر ارتداد کے پھندے میں پھنسیں اور تانبے کے چن سکوں پر مذہب قربان عصمت برباد کر دیتیں۔

اس کے بعد ایک نہایت قدیم اور علما کے خاندان کا واقعہ لکھا ہے کہ فاقوں سے تنگ آکر ایک ضعیف سپوہ نے اپنی بچوں کو مشنز یوں کی سپرنگی میں دیدینا کر لیا تھا جسے مولانا موصوف نے بچا لیا۔ مندرجہ بالا تحریر سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں :-

(۱) مسلمان غدر ۱۹۵۷ء میں بُری طرح برباد ہوئے بربادی کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

(۲) اگر خوش حال لوگ پر وہ نشین رائڈوں اور یتیموں کو سڑ بھر روٹی دیتے تو کلمہ توحید پڑھنے والیاں آغوش اسلام سے نکل کر ارتداد کے پھندے میں نہ پھنسیں۔

(۳) گویا فارغ البال لوگوں کی غفلت سے غریب سپوہ عورتیں اپنا مذہب قربان اور عصمت برباد کر دیتی ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ یہ اس لیے کہ باوجود کے مسلمان تجارت



کرتے ہیں صنعت و تجارت میں جان کھپا کر خوب کماتے ہیں مگر ان کے نزدیک  
 روپیہ کا معنی صرف پیسے کے کچھ نہیں ہوتا کہ اچھا کھانا کھائیں، عمدہ کپڑے  
 پہنیں اور عیش پرستی کریں۔ بڑے شہروں میں جا کر دیکھئے کہ صبح صبح  
 حلوائیوں اور شیراٹھے بیچنے والوں کی دکانوں پر لوگ گرتے ہیں؟ یہی  
 مسلمان، اشام کو کباب ذریعہ کھانے والے غول کے غول کس قوم کے  
 لوگ ہوتے ہیں؟ غریب مسلمانوں کے، برف کی قفلیاں کھانے والے اور  
 تمام دن شربت اور برف کے گلاس پینے والے کس امت کے لوگ ہوتے  
 ہیں؟ اسی امت محمدی کے جس کے رہبر نے پیٹ پر پتھر باندھ کر بھاڑ  
 سے خندق کھود دی تھی اور جو کی روٹی پر بسیر کی تھی اور صحیح طور پر اپنی  
 قوم کو سادگی کا سبق دے کر اسے دنیا کی سب سے زبردست حکمران  
 قوم بنا دیا تھا۔ اب اسی امت کے برف پینے والوں اور قفلیاں ذریعہ  
 اور کباب کھانے والوں کی مائیں نہیں آئے، دن، فلاں سے تنگ  
 اگر تبدیل مذہب پر مجبور ہوتی ہیں۔

مگر میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ ان مفلس عورتوں کو اگر کچھ  
 مل جاتا ہو تو وہ بھی پراٹھے کباب اور حلوائے کھاتی ہیں خود اپنے شوہروں  
 کی زندگی میں باوجود صد ہا روپیہ کی آمدنی کے وہ ادنیٰ ضرورتوں کے لیے  
 قرض لینے کی عادی تھیں۔ آج شوق سے ایک زیور بنوایا ہو۔ آموں کی  
 فصل لگئی، سو روپیہ کی چیز کو تین روپیہ ڈاؤن سیکڑہ سود پر سچاس  
 روپیہ میں رہن رکھ کر اس سے خوب کچھ بے ارگے اور وہ بڑے چھڑکی

مَدّتِ اِلمہِ نو بہت نہ آئی۔ دوسری قوموں کی ہمسایہ عورتوں کو سوچا جس روپیہ مل جاتے ہیں تو انھیں مسلمان بیدہوں کو سود پر دے کر وہ اپنی زندگی عزت و آبرو سے گنہگار دیتی ہیں۔ عزت و آبرو عمدہ کیڑوں اور زہریلوں اور اچھے کھانوں کی نہیں بلکہ اس بات کی کہ مَدّتِ اِلمہ کسی سے قرض نہیں مانگا اور دستِ سوال دراز نہیں کیا اور مرتے وقت کوئی دھرم سالہ یا کنواں بنوا دیا۔ آدمیوں کے لیے پیالہ و لالہ وادی۔ ہولیشیوں کے پانی لے لیا۔ عرض بنوا دیا۔ ایسی قوم کے لوگوں پر اگر سنو بارش ۸۵۴ء کا حادثہ نہ گزرتا تب بھی وہ گداگر نہیں بن سکتے کیونکہ وہ اپنے جذبات پر قادر ہیں۔ وہ دنیا میں رہنے کے طریقے جانتے ہیں۔ وہ روپیہ کے رکھنے اور بٹھانے کے فن سے واقف ہیں۔

جناب مولانا راشد النجیری صاحب نے اندر راہ محبت اسلامی جو تربیت گاہ بنات قائم کی ہو جس میں وہ مفکوکِ احوال بچیوں کو پناہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ تمام قوم کی شکستگزاری اور امداد کے مستحق ہیں مگر یہاں ہم اس قدر غفل کرنے کی جرات کرتے ہیں کہ انھیں دیگر تعلیمات کے ساتھ اپنی پناہ گزینوں کو کفایت دے رہے ہیں اور روپیہ سے روپیہ پیدا کرنے کی تربیت دینی چاہیے تاکہ قومی ترقی کی عمارت مضبوط بنیا دوں پرتھیم ہو۔

جولائی ۱۹۲۵ء

## مسلمانان جو دھپور سے خطاب

انگریزی علاقہ ہوا یا ہندوستانی، مسلمان کم و بیش ہر جگہ پست حالت میں ہیں۔ ہمیں جو دھپور کے بعض درویندرا صاحب سے وہاں کے کچھ حالات معلوم ہوئے ہیں جو بالخصوص ریاست بکور کے مسلمانوں کے لئے اور بالعموم مسلمانوں کی واقفیت کے لئے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ جو تدا بیرن کی یہودی کے لئے ہمارے نزدیک ہیں وہ بھی عرض کی جائیں گی۔ ذیل کے نقشہ سے مسلمانوں کی نسبتی مردم شماری اور ان کی تعلیمی حالت کا اندازہ ہو گا۔ کل ریاست مارواڑ میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۲۶۷۷ فی صدی ہے جو ناقابل توجہ دیکھنے صرف شہر جو دھپور کے اعداد ورج کیے جاتے ہیں۔

نام قوم	مردم شماری		خواندن		انگریزی دان	
	تعداد	فی صدی	تعداد	فی صدی	تعداد	فی صدی
جملہ اقوام	۵۳,۳۸۰	۶۷۹	۱۱۵ و ۱۲	۸۵۷	۲۳۱۰	۳۶۰
مسلمان	۱۸,۱۲۵	۲۲۳	۵۲۶ و ۱۵	۸۶۲	۱۳۶	۶۷

اس نقشہ سے ظاہر ہو کہ خاص شہر جو دھڑ میں مسلمانوں کی تعداد ۱۸۲۵ء یعنی دیگر اقوام کے مقابلہ میں ۲۳ فی صدی یا چارہم سے قدرے کم ہو۔ اب سب سے اوّل یہ دیکھنا ہے کہ وہاں مسلمان خواندوں کی نسبتی تعداد کس قدر ہو۔ مندرجہ بالا نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر اقوام کے اور مسلمانوں کے خواندہ افراد کی تعداد ۲۷۸ فی صدی یا مساوی ہو البتہ مسلمان انگریزی دانوں کی ۷۷ اور دیگر اقوام کی تین فی صدی یا مسلمانوں سے چار گونی سے زیادہ ہو۔

اس وقت نہ صرف انگریزی عنداری میں بلکہ ریاستوں میں بھی اعلیٰ عہدوں کے لئے انگریزی کی اعلیٰ قابلیت ایک لازمی چیز ہو اس لئے مسلمانوں کے انگریزی داں نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ریاست کے عہدوں سے محروم ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسری قوموں کے ہاں سکول ہیں اور ریاست کی طرف سے جو اسکول ہو اس میں بھی مسلمان بچے اپنی نسبتی تعداد کے اعتبار سے کم ہیں۔ انگریزی تعلیم کے بعد دینی زبان کی واقفیت ہو۔ اس کے لئے مسلمانوں کے مدارس و کتابیں بگڑ گئیں اور ان کے مدارس و کتاب کی عام حالت یہ ہے کہ ان میں ان کی عمر کا بڑا حصہ خراب ہو جاتا ہے لیکن وہاں وہ نہ اپنے دین سے کافی طور پر واقف ہو پاتے ہیں اور نہ دنیا سے۔ دیگر اقوام کے بچوں کی حالت یہ ہے کہ وہ ہندی زبان کے ابتدائی کتاب میں سال بھر رہ کر ہندی لکھنا پڑھنا اور حساب کتاب سیکھ کر اس قابل ہو جاتے ہیں کہ گرائنڈ تعلیم جاری نہ رکھیں تب بھی مکان پر

پیچھے کر اپنا حساب کتاب رکھ سکتے ہیں۔ مگر مسلمان اپنے مادی دنیا کی ساہا سال کی تعلیم کے بعد بھی کسی قابل نہیں ہوتے۔ پس جب کہ مسلمان اپنے آپ کو نہ سرکاری عہدوں کے قابل بناتے ہیں اور نہ کاروبار کے تو پھر ان کی کھپت کہاں ہو۔ البتہ اب ان کے لیے دوشنبے باقی رہ جاتے ہیں۔ زراعت اور صنعت۔ ظاہر ہو کہ زراعت اس وقت اتنی درجہ کی مزدوری کی مراد فائدہ ہی حال صنعت و حرفت کا ہو کہ اگر سرمایہ نہ ہو تو وہ کثیف مزدوری اور سرمایہ داروں کی غلامی ہو جس میں ہر مقام کے مسلمان مبتلا ہیں۔ چنانچہ جو دھوڑ کی نسبت بھی معلوم ہوا کہ وہاں کے ریل کے کارخانہ میں مسلمان کارگیروں نے مزدوروں کی کثرت ہو کر اسی طرح پارچہ بافی، رنگریزی، رنگساز، آہنگری، سنگ تراشی اور معاری وغیرہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو جن میں وہ تمام دن سخت محنتیں کرتے ہیں۔ جو کچھ کماتے ہیں اس کا ایک حصہ قرضہ اور سود میں مہاجن کو دیریتے ہیں۔ باقی کھا چاٹ کر ہمیشہ دوسروں کے دست نگر اور پریشان رہتے ہیں۔

بعض اصحاب کا خیال ہو کہ مسلمان اس لیے مفلس رہتے ہیں کہ وہ محنت نہیں کرتے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہو کہ جتنے مشقت اور عورتی کے کام ہیں وہ سب مسلمان کرتے ہیں۔ چنانچہ دستکاری کے جتنے پیشے ہیں اور ہتھوڑا بجانے، اور پتھر توڑنے اور آبی قسم کے جتنے سخت کام ہیں ان میں مسلمانوں کا غالب حصہ ہو مگر باوجود ان روع فرساکاموں کے

اختیار کرنے کے اگر وہ دُش دن کو بیکار یا بیمار ہو جاتے ہیں تو قرض لینے یا بچہ یک مانگنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ پس جو لوگ ان مصائب سے تنگ آکر دل بہلائے کے لیے تیر لڑائے یا تنگ بازی کرتے ناش و نجف کھیلتے یا قمار بازی اور نشہ بازی کرتے ہیں یا ہتھکوں میں خالی بیٹھے رہتے ہیں وہ دراصل اُن تھکے اور ماندی لوگوں کی مانند ہوتے ہیں جو مہمت ہار چکے وہ صریحاً دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ اُن سے بدرجہا کم محنت کرتے آرام سے دکاؤں اور کارخانوں میں بیٹھے اپنے رویہ کے زور سے دوسروں سے مولیٰ بیوں کا سا کام لیتے ہیں۔ کام لینے والوں اور کام کرنے والوں دونوں کے ہاتھوں میں روپیہ آتا ہی۔ مگر کام کرنے والے اُس کام صرف بجز اس کے نہیں جانتے کہ اُسے کھا چاہیے یا اُس سے اچھے کپڑے یا عورتوں کا زیور بنوادیں، چاہے بھر زیور دوسرے ہی دن مہاجن کے ہاں کیوں نہ رہیں رکھ آئیں۔ بہر حال دنیا میں رہنے کے طریقوں سے وہ واقف نہیں اس لیے سدا بہر باد اور تباہ حال رہتے ہیں۔

ان کے دلوں میں خدا کا خوف اور دینداری اور فیاضی بھی ہو مگر اپنے جذبات پر قدرت نہ رکھنے کی وجہ سے جو کچھ آتا ہی وہ فضول کاموں میں خرچ کر دیتے ہیں اس لیے خیرات کرنے اور قومی کاموں میں صرف کرنے کی ہوس اُن کے دلوں میں ہی رہتی ہو اور کبھی پوری نہیں ہو پاتی۔ دوسری قوم کے لوگوں کو جنہیں وہ خدا ترسی، مہربانی

حمیت اور فیاض دلی میں اپنے سے کمتر جانتے ہیں، صریحاً دیکھتے ہیں کہ وہ جگہ جگہ سا بنان بناتے اور راہ گیروں کے لیے پیاؤ لگاتے ہیں، پیشانیوں کے لیے پانی پینے کا انتظام کرتے ہیں، گالیوں بھینسوں چرند پرند کو ناج دانا گھاس ڈلواتے ہیں تالابوں کے گرد سرسبز درخت لگواتے ہیں اور یہ خود باوجود قوت ایمانی رکھنے کے اپنی مسجدوں، مدرسوں، اور سکولوں تک کو ٹھیک حالت میں نہیں رکھ سکتے جن پر ان کی انفرادی اور قومی زندگی کا مدار ہے، کوئی شخص یہ نہیں مان سکتا کہ مسلمان تنگ دل ہیں، خمیس ہیں اس لیے وہ خیرات اور قومی بھلائی کے کاموں میں کم دیتے ہیں کیونکہ ہم اُسے دن دیکھتے ہیں کہ جب کوئی مذہبی کام پیش آ جاتا ہے تو جو کچھ اُن کے پاس ہوتا ہے وہ دے ڈالتے ہیں، عورتیں اپنے زیورات اور دے دیتی ہیں اور اس کی نظیریں موجود ہیں کہ بعض مسلمان اپنے گھر سے نکل کر کھڑے ہو گئے اور چنارہ مانگنے والوں سے کہا یا کہ جو کچھ گھر میں مان ہے وہ سب لے جا کر مکان میں جھاڑو دیدیں۔ اس مسلمانوں کے سامنے سوال یہ ہے کہ خمیس اور سخیل اور تنگ دل اور دنیا دار اور دنیا پرست لوگوں کے قومی اور مذہبی کام کیوں روز افزوں رونق پرتے ہیں اور دنیا دار اور فیاض طبع دین دار اور خدا پرست مسلمانوں کے قومی اور مذہبی کام کیوں برباد ہیں؟ کیا اس وجہ سے کہ اُن کے پاس سو پیسہ ہے اور وہ دیتے نہیں یا اس سے کہ اُن کے پاس سو پیسہ ہی نہیں۔ اس کے جواب میں یہ صاف طور پر عرض کر دیں گا کہ اب بحیثیت قوم کے مسلمان تہی دست ہیں

اُن کے قومی جسم کا خون مَدَنوں سے بہہ رہا ہو نیا خون پیدا نہیں ہوتا اس لیے وہ بے دم پڑا ہوا ہو۔ مشرق سے غرب آتاک اور جنوب سے شمال تک ہندوستان کے مشرق اور جنوب سے نہیں بلکہ کرۂ ارض کے قطب شمالی سے لیکر قطب جنوبی تک اور امارت سے لیکر عوم تک اور سلطنتوں سے لیکر افراد تک کے اسلامی جسم کے اعضاء کی خون کی وجہ سے سوکھنے چلے جاتے ہیں۔ اس مایوس کن حالت سے پریشان ہو کر کوئی اُن اعضاء کی مالش کرتا ہو، کوئی انھیں سینکتا ہو کوئی انھیں بھیسے گرم کرے اُن میں حرارت پیدا کرنا چاہتا ہو اور جب کچھ فائدہ نہیں آتا تو کہا جاتا ہو کہ جب کہ قومی جسم عمر طبعی کو پہنچ چکا تو ان تداہر سے بوڑھے ہاتھ پاؤں میں کیسے جان پڑ سکتی ہو حالانکہ واقعہ یہ ہو کہ ابھی یہ اُس کی نوعمری کا زمانہ ہو کہ چونکہ اس وقت دنیا میں جتنے مسئلہ طور پر آسمانی اور قدیم مذاہب ہیں اُن سب میں اسلام نیا ہو پھر اس کی کیا وجہ ہو کہ اُس کیے ماننے والے جہاں کہیں بھی منتحل ہیں اور جو تادیب بھی اپنی بہبودی کی امتیاز کرتے ہیں وہ اس نہیں آتی؟ اُس کی وجہ صرف یہ ہو کہ قومی جسم سے ہر وقت خون جاری ہو اس لیے بہترین ایس اور اعلیٰ ترین مقویات جو استعمال کی جاتی ہیں بیکار ثابت ہوتی ہیں اور اسی طرح بیکار ثابت ہوتی رہیں گی جب تک کہ قومی جسم سے بہتا ہوا خون بند نہ ہو۔ وہ خون کیا ہو؟ وہ خون وہ ہو جو سود کی شکل میں مسلمانوں کے جسموں سے بہتا رہتا ہو۔ اور جب تک کہ وہ جاری



رہے گا اور جو تادمتر ترقی کی کوششوں کے ان کی حالت و ذہن پر  
کمزور ہوتی چلی جائے گی۔

بعض اہلِ رداں قوم کا خیال ہو کہ اگر سود کے قانون میں سب  
تربہ ہیں ہو جائیں تو مسلمان بربادی سے بچ سکتے ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ  
سے کوششیں ہو رہی ہیں کہ دامِ دو بیٹ کا قانون جو بعض صوبہ جات  
میں ہندوؤں سے مخصوص ہوا اسے مل کی جگہ قوم کے لیے عام کر دیا  
جائے۔ دامِ دو بیٹ سے یہ مراد ہے کہ داتن کو اس رقم سے زیادہ ملے  
نہ دلا یا جائے۔ مسلمان سمجھتے ہیں کہ اس طریقہ سے رائج ہونے سے مسلمانوں  
کو جو ایک ایک کے دس دس دینے پڑتے ہیں اس سے نجات مل جائے گی  
اور ان کی حالت بہتر ہو جائے گی مگر غور طلب امر یہ ہے کہ جن مقامات  
میں ان کے خلاف دو گنی رقم سے زیادہ دگری نہیں دی جاتی وہاں  
ان کی حالت کیوں خراب ہو۔ مثلاً بعض ریاستوں میں جن میں سے ایک  
جو دھپور ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہاں کی عدالتیں اصل رقم سے نو گنی  
یا دو گنی سے زیادہ کی دگری نہیں دیتیں تاہم وہاں کے مسلمان غیر  
اقوام کے سرمایہ داروں کے دستِ نگرافٹس اور پریشان حال ہیں  
مسلمانوں کا ایک یہ بھی خیال ہو کہ وہ بالعموم مسرف ہیں ان  
مقروض رہتے ہیں۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ اسراف کی علت  
بھی یہی ہے کہ وہ روپیہ کا مصروف اس سے زیادہ نہیں جانتے کہ جب  
ان کے ہاتھ میں روپیہ آئے اسے خرچ کر ڈالیں۔ اس لیے جب

اُن کے پاس نہیں ہوتا تو وہ قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔  
 پس مسلمانوں کے مرض کا حقیقی علاج یہی ہو کہ انہیں روپیہ کا سہارا  
 اور بڑھانا سکھایا جائے مگر جب تک کہ روپیہ کا بڑھانا نہ سکھایا جائے  
 انہیں بچانے کی ہرگز رغبت نہ ہوگی۔ اب بڑھانے کے متعلق سوچنا  
 پڑے گا کہ اُس کی کیا صورت ہے؟ اُس کی صورت یہ ہو کہ پیسوں سے  
 لیٹر روپیوں تک جو سمجھ بچے اُسے بلا انتظار اس کے کہ کوئی بڑی رقم  
 جمع ہو کسی ڈاکخانہ یا بینک میں جمع کیا جائے۔ نفع آوے گا مول میں لگا جائے  
 مسلمان دکانداروں، کاروباروں کو معین اور غیر معین منافع پر دیکھ  
 انہیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزادی دلائی جائے  
 سفرو اور مشترک کاروبار اور روپیہ کے لین دین کی کوٹھیاں کھولی  
 جائیں جو مناسب شرح منافع پر کاروبار کرنے والے مسلمانوں کو روپیہ دین  
 بعض اصحاب نادانیت کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ آپس میں مسلمانوں  
 میں محض منافصہ پر روپیہ کا لین دین جاری ہو گا تو اُن کے دل سخت ہو جائیں گے  
 وہ بے رحم ہو جائیں گے۔ اُن کے دلوں میں ایسے بھائیوں کا دروہ باقی نہ  
 رہے گا۔ مگر مسلمان انہیں کھول کر دیکھیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ دنیا کی  
 ہوا بالکل بدل چکی اور بہت سی اخلاقی خوبیاں اُن قوموں میں منتقل ہو گئیں  
 جو روپیہ کا کاروبار کرتی اور تجارتی سود کا لین دین کرتی ہیں۔ اور مسلمان جو اُس  
 بچے ہیں ان میں سے باہمی محبت و اخوت، ہمدردی اور دروہ مندی سب ہو گئی  
 اُن کے قومی کاموں کی جو حالت ہو وہ اوپر مختصر طور پر عرض کی گئی اور انفرادی

حالت ہر شخص اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں میں دیکھ لے سیمیں اور  
ہیرواؤں اور ان کے مال و جائیداد کی حالت تقریباً ویسی ہی محروم  
ہو جیسی کہ اسلام سے قبل تھی کہ جو ان کا ولی و سرپرست ہوتا تھا وہ  
یتیموں اور یتیموں کے مال خرد برد کیا کرتا تھا۔ اب افلاس اور صرف  
قومی تہمتی نے زن و شو میں، باپ اور بیٹے میں، بھائی اور بہن  
میں بے اعتباری پیدا کر دی ہے۔ ایسی قوم ہے جس کے افراد میں ہر فرد  
نفسی نفسی کا عالم ہو یہ توقع کرنا کہ وہ مل کر اپنی قوم اور ملک کو بچا سکیں گے  
ایک خیال خام ہو آپس میں مختصر طور پر اپنے بہادران قومی کی خدمت میں  
نفس ہوں کہ وہ مندرجہ بالا کاروبار جاری کرنے کے علاوہ اپنے خانگی پروگرام  
میں سب سے اول حسب ذیل تدابیر کو جگہ دیں۔

(۱) ہر شخص اپنی آمدنی کا ایک معین حصہ پس انداز کر کے اسے کسی ایسے  
مستبرک میں رکھے یا کام میں لگا دے جہاں وہ بڑھتا رہے۔ اگر کسی  
شخص کو اس کا منافع اپنے صرف میں لانے میں تامل ہو تو وہاں سے لیکر  
کسی کار خیر میں لگا دے جس کی نسبت علماء کرام میں اختلاف نہیں ہے۔  
(۲) اپنے ہر بچے کے لیے گھر میں گولک بناوے۔ بچہ جو پیسے نہیں  
جمع کرے اس پر انعام دیا جائے۔

(۳) اپنی زندگی کا ہمہ اور اپنے بچوں کا تعلیمی ہمہ سہ کرے۔  
ان کاموں کی انجام دہی کے لیے ایک انجمن از نام فلاح المسلمین  
قائم کی جائے اور اس کا کام باقاعدہ شروع کیا جائے۔

مسلمانوں کی دوسری ضروری چیز تعلیم ہے جس کی اہمیت سے سب واقف ہیں۔ بالعموم مسلمانوں کو جب تعلیم کی طرف توجہ ہوتی ہے تو وہ اپنے طور پر بچوں کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں۔ اپنے گھر، مدرسے اور اسکول کھولتے ہیں۔ سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ درسگاہیں خراب حالت میں رہتی ہیں اور انجام کار ان میں پڑھنے والے بچے برباد ہوتے ہیں اس کی بہترین تدبیر یہ ہو کہ جس قدر سرکاری اور دیگر قواعد مدرسے ہیں ان سے بلا تکلف مسلمانوں کو قطعاً اکٹھا پایا جائے اور اپنے بچوں کو ان میں یا وہ سے زیادہ تعداد میں داخل کر کے انھیں ان پڑھایا جائے اور جو بچے نادار ہیں ان کی فیس اور کتابوں کا انتظام اپنی انجمن سے کر کے انھیں دیا جائے۔ اس صورت سے تھوڑے صرف اور کم وقت میں زیادہ تعداد میں سچے پڑھ جائیں گے۔

اس زمانہ میں تعلیم کا ہر مقام پر اور ہر قوم میں چرچا ہے اس لیے ہندی اور ناگری صرائی اور اپنے دیس کی زبانوں کو لوگ تھوڑے وقت میں بیکھر حساب کتاب لکھنے اور کتابیں پڑھنے لگتے ہیں۔ اور سال دو سال میں بازار میں بیٹھ کر تجارت کے کام میں ماہر ہو جاتے ہیں مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ کوئی علم اور کوئی زبان کیوں نہ ہو اس کے پڑھنے سے عقل میں ترقی ہوتی ہے۔ اس لیے جس زبان اور جن حروف ساکن کے دیس میں رواج ہو وہ اپنے بچوں کو ضرور بالضرور پڑھوائیں تاکہ مقامی کاروبار اور ملازمتوں میں حصہ پانے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ اس لیے مسلمانان جو چاہو

کی خدمت میں پہنچی ہوں کہ اگر ریاست کے دفاتروں اور بازاروں میں  
ہندی حروف اور حساب و کتاب کا رواج ہو تو وہ ضرور بالضرور اپنے  
بچوں کو ہندی زبان میں تعلیم دلائیں بعض اصحاب کو اندیشہ ہوتا ہے کہ  
ہندی یا انگریزی زبان پڑھنے سے مذہب میں کچھ خلل آجاتا ہے۔ یہ  
مض توہمات اور تخیلات ہیں جس زمانہ میں مسلمانوں کے تمام مذہبی علوم  
صرف عربی زبان میں تھے تب سلمان فارسی پڑھنا جانتے تھے۔ جب فارسی  
میں مذہبی علوم آگئے تو سمجھا جاتا تھا کہ مذہبی تعلیم کے لیے فارسی لازمی چیز ہے  
اب خدا کے فضل سے اردو میں دینیات کی کتابیں بہ کثرت ہیں اور  
لاکھوں آدمی نہ عربی جانتے ہیں اور نہ فارسی۔ تاہم اردو کتابوں کی وجہ سے  
مذہبی ارکان سے بخوبی واقف ہیں۔ اسی طرح کروڑوں سلمان چین میں  
آباد ہیں جو عربی، فارسی اور اردو میں سے کوئی زبان نہیں جانتے تاہم  
ہم سے کم پختہ مسلمان نہیں ہیں بلکہ سنا گیا ہے کہ وہ بوجہ اقتصادی حالت بہ  
بہتر ہونے کے اسلام کی خوب اشاعت کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک زمانہ  
وہ تھا کہ انگریزی پڑھنے والا، لائبریری سمجھا جاتا تھا مگر اب بہت سے  
انگریز مسلمان ہیں اور انگریزی زبان میں مذہب اسلام کے متعلق کثرت  
کتابیں اور رسالے اور اخبارات شائع کرتے ہیں۔ پس اسلام کی قوت  
اس میں نہیں ہونے کہ اسے کسی خاص زبان پر محدود کر دیا جائے بلکہ ضرور  
ہو کہ ملک کی مختلف زبانوں کو اسلامی اور مذہبی معلومات سے مالا مال  
کر دیا جائے۔ جو اصحاب مذہب اسلام کو زندہ رکھ کر اسے قوی بنانا

چاہتے ہیں انہیں چاہیے کہ جس زبان اور جن حروف کا ان کے ہاں دلچ ہو وہ اپنے بچوں کو پڑھائیں اور اس زبان اور حروف میں اپنی مذہبی اور دینی کتابوں کی بھاری کر دیں۔

آخر میں مسلمانان جو وہ پور کی خدمت میں پہنچے ہوں کہ وہ مندرجہ بالا معروضات کو پیش نظر رکھ کر خود اپنے لیے ایک راہ عمل تجویز کریں کسی بیرونی شخص کو مقامی حالات کا صحیح اندازہ ہونا مشکل ہے قوم کے سربراہوں اور صاحب جمع ہو کر اپنی قوم کی مالی اور تعلیمی حالت کا جائزہ لیں اور باہمی مشورہ سے جو کچھ طے ہو اس پر مضبوطی سے قائم رہ کر کم از کم پانچ سال تک اس کا تجربہ کریں۔ اگر مسلمانان جو وہ پور خدا کے فضل و کرم سے اپنی مقامی حالت درست کرتے ہیں کامیاب ہو گئے تو وہ دوسری ریاستوں کے مسلمانوں کے لیے ایک عمدہ نمونہ قائم کریں گے۔

جولائی ۱۹۲۵ء

(۱۳)

کیا طفیل احمد قاضی سحر نگار؟

سکرٹا ہوں، جمع پھر جگہ لخت لخت

مڈت ہوئی ہر دعوت شکرانہ ہو

صدر اسلم کا پنور کے ایڈیٹر صاحب نے نہایت دل سوزی

سے میری اقتصادی تحریک کے خلاف ایک زبردست افتتاحیہ لکھا ہے جس  
ان کی غلط فہمی اور جوش اسلامی کا اندازہ ہوتا ہے اس مضمون میں ایڈیٹر صاحب  
نے ہدایت مہربانی سے اس خاکسار کے متعلق یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ وہ  
دوسرے بھائی ہیں اس ضمن میں کانٹیکر گزار ہوں سماں ایسا ہی ہوتا لیکن  
من آعم کہ من داعم۔

بلکہ میں پوچھتا ہوں کہ یہ عرض کرنے کی جرأت کہوں گا  
کہ سب سے شبہ میری یہ تمنا ہے کہ میں بھر نکار ہوتا میری یہ آرزو ہے کہ جادو بیان  
ہوتا اور کچھ نہیں تو شاعر ہی ہوتا کیوں؟ اس لیے کہ میری آنکھیں جو  
الم ناک نظر سے اور روح فساد واقعات دکھتی ہیں وہ دوسروں کو بھی  
دکھاتا اور سناتا اور اس وقت قوم میں گریب و مصیبت ہیں مبتلا ہے  
انہی کی سچی تصویر کھینچ کر قوم کو دکھاتا خود بھی روتا اور ان کو بھی گراتا اور  
نالہ و شبنوں کی ایسی صدائیں بلند ہوتیں جو قوم کو خواب غفلت سے بیدار  
کر دیتیں۔ اے کاش! خدا تعالیٰ نے یا تو قوم کی مصیبت کا احساس  
نہ دیا ہوتا اور اگر احساس دیا تھا تو بقدر احساس زبان و قلم میں بھی  
طاقت دی ہوتی تاکہ میں قوم کو بتاؤں کہ وہ اس وقت کیسے خطرہ کی  
حالت میں ہے اور اس کا مستقبل کیسا تاریک و اندوہ ناک ہے انہوں نے کہ  
انکھ جو کچھ دیکھتی ہو لب پہ اس نہیں  
محو حیرت ہوں کہ دنیا سے گیا گیا ہو جا

غرض واقعہ یہ ہو کہ میں تو سحر نگار نہیں ہوں، لیکن میری غریب قوم، میری مصیبت زد قوم ہندو سحر زد ہو۔ کاش وہ اس جادو کے قلعہ سے نکلتی اور دیکھتی کہ اغیار کی چیرہ دستیوں نے اب اس کو کس حالت پر پہنچا دیا ہے اور اس پر ستم یہ ہو کہ اب بھی ان کو تھکیاں دے دے کر سلا یا جاتا ہے۔ افریقہ و ترکی کے مسلمانوں کی ترقی و عروج کی نسبت ہندوستان میں افسانہ ہندو ناخمن ہیں اور پچاڑے مسلمان اپنے دل کو اس طبع تسلی دے لیتے ہیں کہ خیر ستم نہ سہی، ہمارے دو سر پہ بھائی ہی تری کی رہے ہیں اور مصر و حجاز میں مسلمان ہند کے خوش ملی اور حسب وطن قومی کے شیعہ زبان زد خاص و عام ہیں اور وہاں کے بہت سے خوش عقیدہ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانان ہند عالم اسلامی کی رہبری کریں گے اور ان کو مصیبت سے نجات دلائیں گے۔ بلکہ حقیقت یہ ہو کہ

عالم ہمہ افسانہ مادر دو مانچ  
یہ سب کچھ درحقیقت اغیار کا پروپیگنڈا اور سمیاءوی جلے ہیں جو ہم کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ کاش مسلمان سمجھیں اور خود کو اس سوچ میں آویں اور پھر اس جادو سے نکلنے کی کوشش کریں۔ لیکن اس کے لیے ضرورت ہے عزم و وصلہ کی ہمت و استقلال کی۔ اگر مسلمان ایک دفعہ یہ عزم کر لیں اور اپنے دل میں یہ ٹھان لیں کہ ہم اگر اس دنیا میں رہیں گے تو عزت و آبرو کے ساتھ رہیں گے تو یقیناً جیسے کہ ایک



ہوگا! ہمارے اندر جو کچھ خرابی ہو وہ ہماری ہی بدولت ہے۔  
اب اگر ہم خود ہی اصلاح پر متوجہ ہوں، تو ہم کو کون روک  
سکتا ہے۔ خدا انہیں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے  
ہیں۔

عام ہیں ان کے تو الطاف تہیدی سب پر  
تجھ سے کیا مدد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

میں نہیں کہہ سکتا کہ قوم میں اپنی مالی اصلاح کا احساس کس حد تک پیدا  
ہو گیا ہو اور اس میں کتنے ایسے ہیں جو ہماری صدا سے متاثر ہوئے ہیں لیکن اگر  
قوم میں فی الحقیقت کوئی احساس پیدا ہو گیا ہو تو یہ ہماری سحر نگاری کا نتیجہ نہیں  
بلکہ واقعات کا اقتضا ہو واقعات و مصائب اس قدر دردناک ہیں کہ  
اب دامن صبر لوگوں کے ہاتھ سے چھوٹا گیا ہو اور وہ لے چین ہیں  
کہ اس مصیبت سے بچنے کی کوئی راہ تلاش کریں جن لوگوں کو قوم کی  
اس درماندگی اور اضطراب کا احساس ہو وہ یکساں بنی سے اپنی اپنی سچی کے  
موافق طرح کی تدبیریں بناتے ہیں اور قوم حالت از خود شکنی سرکاری  
میں ان تدابیر پر عمل کر رہے کو جھک پڑتی ہو لیکن نتیجہ کیا ہوتا ہو؟ ناہی اور  
نا کامیابی، نا کامی و نادرہی اس لیے قوم دل شکستہ ہو جاتی ہو اور جب تک  
کی کوئی روشنی اور کامیابی کی کوئی ٹھکانہ ان کو نظر نہیں آتی تو قوم  
ڈانگہ کھاتے ہیں، استقلال رخصت ہو جاتا ہو اور وہ ہست ہار کر رہی جاتی ہو

اور سچے یعنی ہو کہ تقدیر برگشتہ ہی اور زمانہ مخالف۔ اس لیے کوشش  
بے سود، اور جدوجہد لاعامل۔

حسرت پس مسافر بیکس کی رویے  
جو ٹھک گیا ہونٹیکے منزل کے سامنے

میں نے جب ہوش سنبھالا اور آنکھیں کھولیں تو قوم کی بہ  
عسرت انگیز حالت سامنے تھی کم و بیش ایک چوتھائی صدی سوچاؤ  
غور کیا کہ آخر اس مصیبت کا علاج کیا ہو؟ جو جو علاج بتائے جاتے تھے  
سب کو دیکھا، جانچا، آزمایا مگر نتیجہ ہرچ، آخر کار ایک مدت کی تلاش  
و جستجو کے بعد وہ گورگم گشتہ جس کی تلاش تھی ہاتھ آ گیا تو میں نے چاہا کہ اس  
کو قوم کے سامنے پیش کروں چنانچہ پانچ چھ سال سے تقدیر اپنی طاقت و  
استطاعت کے اس خدمت میں مصروف ہوں۔ ہماری سب سے بڑی تمنا  
اور آرزو یہ ہو کہ افراد قوم فایع البال ہوں، اُن کے پیچھے نگفتہ، اُن کے  
ارادے زبردست ہوں، اُن کے حوصلے بلند ہوں اور زندگی کا سخت  
خون بجلی کی طرح ان کی رگوں میں دوڑ رہا ہو، اور وہ مال و دولت اور  
شان و شوکت میں دنیا کی دوسری ترقی یافتہ اور سر بہ آوردہ قوموں کے  
دوش بدوش نظر آئیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہماری یہ صدرِ اخاب غفلت  
میں سونے والوں کو تلخ و ناگوار ہوگی اور اس کا بار بار اعادہ اور بھی زیادہ  
مہینکن، لیکن آخر چارہ کار کیا ہو؟ ایک خوفناک طوفان کے آثار ہر طرف

نمایاں ہیں۔ کالی کالی کوہ پیکہ گھٹائیں اٹھ اٹھ کر رہی ہیں۔ ایسی صورت  
خطرہ کی حالت میں خاموشی بظاہر شکل ہے۔ اگر بعض مہمان اور بزرگان قوم  
سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ چیخ بچار عدائے بے ہنگام ہی تو وہ جانیں اور  
ان کا کام۔ ہم تو سہ

فقیرانہ آئے صدا کر چلے  
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

اب سوال یہ ہو کہ وہ خطرہ کیا ہو؟ اور وہ کونسی چیز ہو جس نے  
اسلام کے زبردست دھاقہ زور جسم کو نحیف و تنار کر دیا ہو، اور وہ کونسی  
خفناک طاقت ہو جس نے شیروں کو لومڑی بنا دیا ہو؟ وہ سودی خوفنا  
بلا ہو، وہ سود کا ایبیت ناک نشتر ہو جس کی دک رگوں سے ملتی ہو اور  
خون اس کا خیر مقدم کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہو۔ لیکن بہت سے نصیب  
ایسے ہیں جن کو اپنے دھاقہ زور جسم کی وجہ سے اس نشتر کی خبر بھی نہیں ہوتی  
لیکن تاپ کو جب اذیتنا بڑھتی ہو تو مڑ مڑ کر نگاہ غلط انداز سے دیکھتے اور  
بے پروائی سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اپنی جسمانی قوت کے زعم میں یہ سمجھتے  
ہیں کہ اور تازہ خون پیدا ہو جائے گا لیکن ان کی یہ امید کبھی پوری  
نہیں ہوتی بلکہ کمزوری و ناتوانی روز بروز بڑھتی جاتی ہو جو آخر کار ان  
ازکار رفتہ کر دیتی ہو، اللہ اللہ!! وہ مسلمان جو کبھی تیغ و تنگ  
اور تیر و خنجر کے سامنے سینہ سپر ہو کر گتے تھے آج سود خوروں کے غلام ہیں

اور اپنی دولت و عزت، مذہب اور خاندان کی حرمت کو اس طرح برباد کر رہے ہیں اور اپنے بزرگوں کی جائیدادوں کو نمودار اپنے ہاتھوں تباہ کر رہے ہیں، آہ! کس کو خبر ہو کہ ہماری قوم کے کتنے افراد ایسے ہیں جو سود کے کشتہ ستم ہیں اور جن کو اسی غم اور مصیبت نے کس گورتک پہنچا دیا۔ وہ اس تکلیف و ذلت کو برداشت نہ کر سکتے اور گھل گھل کر فنا ہو گئے اور ان کی اولاد جس انھوں نے ناز و نفست میں پالا تھا آج دنیا کی کشکشی میں تنہا رہ گئی۔

ای سندان قبرستانوں کی خاموش قبروں، کاشکش خدا تمہیں بسا گویا عطا کرتا اور تم ہمیں بتائیں کہ تمہارے اندر کیسے کیسے جاہر گراں مایہ مخنی ہیں اور قوم کے کیسے کیسے تو مند و جوان تمہارے اندر خواب ہیں جو شہروں سے بھی ہاتھ ملانے میں نہیں ڈرتے تھے لیکن سود کے حملہ کی تاب نہ لاسکے اور اپنی عزت و دولت اور تنگ و ناموس کو برباد کر کے آبادی سے باہر ویرانہ میں رہے تاکہ شتر تک آرام سے سوئیں۔

بہر حال مرنے والے قوم گئے لیکن وہ اپنے ویران کھنڈروں، اشکستہ در و دیوار، اور مصیبت زدہ کنبے کو چھوڑ گئے ہیں تاکہ زندہ اُن سے عبرت و بصیرت حاصل کریں، اور غور کریں کہ پہلے وہ کیا تھے اور اب کیا ہیں؟ اور انھوں نے اپنی اولاد کو اس دنیا کی کشکشی کے لئے کس حد تک تیار کیا ہوا؟ ای دوستو! ذرا خدا کے لیے سوچو کہ زمانہ کا رخ کس طرف ہوا؟ اور تم کس طرف جا رہے ہو؟ کیا یہ مقام عبرت نہیں ہو کہ جس قوم نے کبھی قبیمہ و کسرتی کے سامنے سر نہ جھکایا، آج وہ سرمایہ داروں اور سود خوروں کی انگلیوں پر

ناچتی ہو سراپہ دار چونک کی طرح اُس کا خون چوس رہے ہیں اور وہ اُن  
 نہیں کرتی، برائے خدا ذرا سوچو تو کہ یہ کیا حالت ہو اور کدھر جا رہے ہو  
 اگر تم میں کچھ لوگ اتفاق سے دولتمند ہیں تو یہ نہ سمجھیں کہ یہ دولت اسی  
 طرح ان کے خاندان میں رہے گی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آج جو تم میں غریب  
 مفلس ہیں وہ سدا کے غریب نہیں کبھی اُن کے باپ دادا کے پاس بھی دو  
 تھی، جائداد بھی، وہ بھی عزت و آبرو رکھتے تھے لیکن آج محتاج ہیں، جب  
 تمہاری سلطنتیں مٹ گئیں تو یہ ذرا سی دولت کیا چیز ہو، شہنشاہ تغلق کی  
 اولاد آج گھاس بھجی اور تیسویں شاہزادے بھیک مانگتے ہیں، جب حالت  
 یہ ہو تو دستورِ تم کو کدھر رکھ سکتے ہو کہ تمہاری یہ دولت ہمیشہ باقی رہے گی بالکل  
 ممکن ہے کہ حوادثِ زمانہ اس کو تمہاری زندگی ہی میں برباد کر دے۔ کیا تم نے  
 کسی کی دولت و جائداد کو کبھی تباہ ہوتے نہیں دیکھا، اگر دیکھا ہو تو پھر اس کی  
 کیا ضمانت ہو کہ جو کچھ دوسروں کو پیش آیا وہ تم کو نہیں پیش آئے گا۔

پس ایسا دستور مقتضائے عاقبت اندیشی یہ ہو کہ تم اس دنیا میں رہنے  
 کے طریقے سیکھو اور اپنی اولاد کو دنیا کی کشمکش کے لیے تیار کرو اور اُن میں  
 ایسی قابلیت پیدا کرو کہ وہ دولت کمانا اور اس کا بچانا سیکھیں، پولیسی  
 کے ساتھ حوادثِ زمانہ کا مقابلہ کر سکیں، تم اپنی اولاد کو جھاکش، مضبوط،  
 محنت پسند اور کفایت شعار بناؤ اور خود بھی ایسے ہی بنو، تم سو دو  
 کے علاج بالمثل کے لیے تیار ہو جاؤ پھر دیکھو کہ دولت اپنا رخ کس طرف  
 پھیرتی ہو مگر جو کچھ کرنا ہو جلد کرو کیونکہ خطرہ کی گھنٹی بج رہی ہو مہلت کا وقت

گزر چکا ہو اب انتظار کا زمانہ نہیں۔ ہندو وعظ کا وقت گزر چکا ہے  
 لکچر کا دور ختم ہو گیا نالہ و فریاد ہے سو دنا بست ہوئی اب کام کا اور مرث  
 ”کام کا وقت ہی۔ بقول شاعر“

تا چند ہو گئے سٹ مشر	اٹھو کہ سحر ہوئی نمودار
سو چو تو ذرا کہ حال کیا ہو	کس خواب میں پہنچاں کیا ہو
غفلت میں جو شب بے ہوئی ہو	اب تو اٹھو سحر ہوئی ہو
کچھ تھم کو خبر ہو یا نہیں ہو	کچھ دل پہ اثر ہو یا نہیں ہو
اغیار کی طفر کو بھی سن کر	لگتے نہیں کیا جگر پہ نشتر
دیکھو تو ذرا یہ حالت نار	کیوں قہر بلا میں ہو گرفتار
ہو گر دورہ و صف پس کیوں	اس زہر میں غار پھنس کیوں
کیوں بیرستم کا ہون نہ	بگڑا ہو تجھیں سے کیوں زمانہ
کس نے تجھیں وج سے اتارا	اقبال نے کیوں کیا کنارا
کیوں بار ہو تم دل میں پر	کیوں برق بلا گری تجھیں پر
کس پہنچ میں ہ لگے بھوس	کیا ہو کہ اُٹھ گئے ہو بس کر
افس میں تم جو ہو گرفتار	بیٹھے ہو چو نقش پاسے بیکار
شکوے ہو ہیں بے زری کے کو	لا لے ہیں جو نوکری کے تم کو
حزنت کو جو کر چکے ہو غارت	بر باد جو ہو چکی تجارہ رت
ہر ظم و ہنس سے بے خبر ہو	صنعت میں جو تم شکستہ ہو
افعال جو سخت ہندل ہیں	تدبیر کے دست ڈپا جوتل ہیں

خود کردہ چیراں علاج ان کا	رونا ہی نہیں اب آج جن کا
ہونا جو نہ ٹھانوا ہو چکے ہو	غفلت میں جو خواب سو چکے ہو
افسوس رہے نہ تم کہیں کے	وہ کیا کہے نہ کام کہے نہ دیں کے
انلاس کی ہر طرف دہائی	مکبت کی گھٹا ہی سر پہ چھائی
گھر گھر میں چھا ہوا ہی کھرام	ابیش نصیب ہونے آرام
مکبت نے مٹا دیے گھر لے	برباد پڑے ہیں کارخانے
اک خاک تہی اثر ہی ہو رہو	روغن کا اثر نہ عیش کی ہو
خوشنمید اب آگیا ایام	امید کے دن کی ہو چکی شام

اگست ۱۹۲۵ء

ابا وفتہ اخیر خبر لو  
جو کچھ کرنا اب بھی کر لو

## (۱۴۴) درمی با فوں کی خراب حالت

صیفہ صنعت و تجارت نے جس کا صدر مقام کانپور ہی ہر ضلع کے صنعتی  
کاموں کی تحقیق و تفتیش پرستہ اہتمام سے کرائی ہے اور ہر ضلع کی جداگانہ پوزیشن  
مرتب کی ہیں جو قابل ملاحظہ ہیں۔ ذیل میں ضلع آگرہ کے درمی با فوں کی کیفیت  
درج کی جاتی ہے۔ رپورٹ مذکور میں تقریر ہے۔  
درمی با فوں کو بمشکل ان کی روزانہ مزدوری ملتی ہے کیونکہ سارا نفع و کماندہ

کی جیب میں جانا ہو۔ درمی بافوں کو درمی کے تاجر دو یا تین روپیہ سیکڑہ ماہوار سود پہنچائی روپیہ دے دیتے ہیں۔ درمی باف اس روپیہ سے سوت خریدتے ہیں پھر دن بھر دریاں بہتے ہیں اور شام کو کناری بازار میں درمی کے تاجر کے ہاتھ ان کو فروخت کر دیتے ہیں۔ بعض وقت سوت بھی اڈھار لیا جاتا ہے لیکن اس صورت میں درمی بافوں کو دو چاند نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اول تو ان کو بھاری سود دینا پڑتا ہے دوسرے ان کو سوت بازار سے نہرے سے گراں ملتا ہے۔ درمی کی خرید و فروخت کا اصول یہ قاعدہ تھا کہ درمی اپنی تیار کی ہوئی درمی دکان دار کو دکھانا تھا۔ اگر قیمت طو ہو جاتی تو اس کو فوراً مٹل جاتے تھے۔ دکاندار صرف ایک سو پیسہ فی روپیہ کٹونی کا ٹٹ لینا تھا اگر اس دکاندار سے دام طو ہوئے تو وہ اپنی درمی دوسرے دکانداروں کو دکھانا اور بالآخر جس کسی سے دام طو ہو جاتے اسی کے ہاتھ اپنی درمی فروخت کر دیتا تھا۔

لیکن اب اس طریقہ میں بہت کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے اب درمی باف کلیتہً اپنے قرض خواہ اور دکاندار کے رحم پر رہتا ہے۔ وہ مجبور ہے کہ جس روز درمی تیار کرے اسی دن اس کو فروخت کر دے خواہ اس کو مناسب قیمت ملے یا نہ ملے ورنہ دوسرے دن اسے کھوکا مرنا پڑے گا۔ درمی باف کو اکثر اپنے قرض خواہ یا اپنے دکاندار کے ہاتھ ہی درمی فروخت کرنی پڑتی ہے جو اپنی مرضی کے مطابق اس کی قیمت لگانا ہو اگر قیمت کم ہوتی ہے اور درمی باف اس کو قبول نہیں کرتا تو اس کو اپنی درمی کسی دکاندار کے ہاتھ فروخت



کرنی چڑھتی ہو لیکن قرض خواہ، درمی ہفت سے کہتا ہو کہ میاں اول میرا روپیہ ادا کر دو اس کے بعد میں تم کو اپنی دکان سے درمی لے جانے کی اجازت دے گا۔ اس لیے درمی کی مناسب قیمت لگانا صرف دکاندار کی نیکسیتی پر منحصر ہو جس کو درمی ہفت بھی بخوشی منظور کرے۔ بعض دھرم کے کاموں کے لیے کٹوتی تین پیسے فی روپیہ لگا دی گئی ہو جو درمی بانوں سے وصول کی جاتی ہو دکانداروں کی ان مناسب کارروائیوں سے عاجز آکر درمی بانوں نے پناہیت کر کے ہڑتال کر دی اور فیصلہ کر لیا کہ ہم تین پیسے فی روپیہ کٹوتی ہرگز نہیں گے جو دکانداروں کی بعض مذاہمی سوسائٹیوں کے لیے ہم سے وصول کیا جاتا ہو اور جن سے ہمارا کوئی مقصد اور کچھ تعلق نہیں ہو۔ ہڑتال پورے ایک مہینے تک رہی اس کے بعد باہمی تصفیہ ہو گیا جس میں شرح کٹوتی دو پیسے فی روپیہ قرار دے دی گئی۔

درمی بانوں کے لیے دوسری مصیبت یہ ہو کہ دکاندار درمی نہ اپنے میں بے ایمانی کرتے ہیں۔ جب وہ درمی ناپتے ہیں تو مربع فٹ کی کسرت کہ حساب میں نہیں گھٹاتے۔ اس لیے غریب درمی بانوں کا اخلاص و زبردستی ترقی کرتا جاتا ہو اور اندیشہ ہو کہ عنقریب اس صنعت پر پورا زوال آجائے اس لیے یہاں پر درمی بانوں کو چھوٹی چھوٹی رتیں قرض دینا، ان کو سوت دینا اور ان سے دریاں خریدنے کے واسطے ایک کو آپرہٹو سٹور قائم کرنے کی اشد ضرورت ہو، صرف اسی تدبیر سے غریب درمی ہفت ظالم اور بچم سرمایہ داروں کے دستِ ظلم سے نجات پاسکتے ہیں؛

## (۱۵) مسلم بینک

مسلم بینک لاہور ۱۹۱۶ء میں قائم ہوا تھا۔ اخبار مسلم آؤٹ لاک نے اس کی کمی سرمایہ پرافسوس ظاہر کرتے ہوئے اس کی حسب ذیل تفصیل دی ہے۔

۱۹۱۶ء میں ۱۰۰۰۰۰ روپیہ	۱۹۱۲ء میں ۱۰۵۶۰۰ روپیہ
۱۹۱۸ء میں ۱۳۰۰۰۰ روپیہ	۱۹۱۳ء میں ۱۲۸۵۰۰ روپیہ
۱۹۱۹ء میں ۱۸۵۰۰۰ روپیہ	۱۹۱۴ء میں ۹۱۰۰۰ روپیہ
۱۹۲۲ء میں ۴۳۸۰۰۰ روپیہ	۱۹۱۵ء میں ۶۶۰۰۰ روپیہ
	۱۹۱۶ء میں ۸۱۰۰۰ روپیہ

گو یا بارہ سال میں مسلم بینک کا سرمایہ کل چھ لاکھ اڑتیس ہزار تک پہنچا ہے برخلاف اس کے سنٹرل بینک کا جو مسلم بینک کے ساتھ قائم ہوا تھا اس وقت سرمایہ بائیس کروڑ یعنی مسلم بینک سے ۳۴۵ گونہ ہے۔ مسلمانوں کا ہندوستان بھر میں صرف یہی ایک بینک ہے جس کی حیثیت اوسط درجہ کے ایک مہاجن کے کاروبار کے برابر ہے برخلاف اس کے پنجاب میں ہندوؤں کے متعدد بینک ہیں جن کا سرمایہ کروڑوں روپیہ ہے۔ اس زمانہ میں بینک مراد ہے تجارت کا۔ جس قوم کا حصہ بینکوں میں نہیں وہ تجارت سے خارج ہے اس لیے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ روپیہ اپنے ہاں دیکھنا اقام کے

بینکوں میں لگانا چاہیے۔ بے شک اپنی ایسی نقصانات کا اندیشہ ہو مگر آپ  
سراسر ڈٹا ہی ٹوٹا ہو بینکوں میں روپیہ لگا کر نقصان اٹھانے کے بعد افراد قوم  
کو کچھ تو تجربہ ہو گا جس سے وہ آئندہ کے لیے ایسے طریقے دیکھیں گے جس سے  
روپیہ کا کاروبار ان کے قبضے میں آئے۔  
اگست ۱۹۲۵ء

## (۱۶) اسکولوں میں کفایت شعاری کی تعلیم

اسکولوں اور کالجوں میں جتنے لڑکے پڑھتے ہیں ان میں زیادہ تر ایسے  
ہوتے ہیں جن کی تعلیم ناقص رہ جاتی ہو اور بہت کم اعلیٰ جماعتوں تک پہنچ کر  
کاہل رہ جاتے ہیں اور کامیاب ہونے والوں میں زیادہ تر ذہنوں میں کارکیاں  
یا اس سے بڑھ کر اوسط درجہ کی ملازمتیں پاتے ہیں اور بہت کم اعلیٰ درجہ کے  
عہدوں پر پہنچ سکتے ہیں پھر اعلیٰ عہدوں پر پہنچنے والوں میں سے بھی کم ایسے  
ہوتے ہیں جن کا خدشہ ان کی آمدنی کے اندر رہتا ہو اس لیے بالعموم منرو دو پریشان  
رہتے ہیں نتیجہ یہ کہ علوم عامہ کی تعلیم سے یہ ضروری نہیں کہ انسان سکون قلب  
اور ایمان خاطر کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔ البتہ کفایت شعاری  
کی تعلیم ایسی چیز ہو جس کے حصول کے بعد انسان خواہ کیسی ہی ادنیٰ حالت میں  
کیوں نہ ہو حقیقی معنوں میں ایمان کی زندگی بسر کر سکتا ہو جس علمائے سولوی و کارا وڈ چاہا

مردم سے کسی نے پوچھا کہ حقیقی خوشی انسان کو کس طرح حاصل ہو سکتی ہو فرمایا  
اس طرح سے کہ انسان دس روپیہ کم کر اس میں سے آٹھ خرچ کرے اور دو بچا  
اس کے مقابلہ میں ایک شخص دس ہزار روپیہ کمائے اور گیارہ ہزار خرچ کرے  
تو اس کے ترددات اور پریشانیوں کی کوئی حد و انتہا نہیں رہتی۔ واقعہ  
یہ ہے کہ بالخصوص مسلمانوں کی قوم اسی مرض میں مبتلا ہے کہ کمائے سے زیادہ  
خرچ کرتی ہو جس سے اس کے افراد روز بروز تنزل اور پستی کی طرف جا رہے  
ہیں اس لیے ضرورت ہے کہ ابتدا سے بچوں کو اسکولوں میں کفایت شناسی  
کی تعلیم دی جائے جس سے وہ امتحانات میں اور امتحانات کے بعد  
اعلیٰ عہدے پائے اور اعلیٰ مراتب پر پہنچنے میں کامیاب ہوں یا نہ ہوں  
تاہم جس حالت میں وہ ہوں فارغ البال اور خوش و خرم رہیں آج کل  
غریب سے غریب بننے لگی ہے بچوں کو پیسے دیتا ہو اور وہ ان کے سامنے  
مٹھائی اور چاٹ کی چہرے کھا کر پورے اور امیرات سمجھتے ہیں۔ ان حضرات  
سے انھیں بچانے کے لیے اسکولوں کے مینجراور ہیڈ ماسٹر صاحبان اپنے اپنے  
اسکولوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو کفایت شناسی پر ششماہی یا سالانہ امتحانات  
دیا کریں۔ اس کے لیے حسب ذیل قواعد یا ان کے قریب قریب مناسب  
ہوں جاری کیے جائیں۔

۱۔ اسکول کے کسی ماسٹر یا کلرک کے پاس ایک رجسٹر ہے جس میں  
ہر طالب علم کے نام سے حساب کھول دیا جائے۔

۲۔ جو لڑکا اپنے جیب خرچ میں سے سچا کر ایک پیسہ سے لیکر

روپیوں تک جو کچھ بھی دے اور جتنی بار دے وہ جمع کر لیا جائے اور ہر رقم کی رسید بچے کو دی جائے۔

۳۔ جب طلباء زیادہ جمع کرنے لگیں اور ہیڈ ماسٹر کو اس کا انتظام کرنے میں دقت ہو تو یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہو کہ ہر روز دو کلاسوں کی باری مقرر کر دی جائے کہ صرف اس کے لڑکے اس دن روپیہ داخل کر سکیں، مگر جہاں تک ہو سکے اس قسم کی بندشیں نہ کی جائیں۔

۴۔ ڈاکخانہ کے سیونگ بینک میں ہیڈ ماسٹر اپنے عہدے کے اعتبار سے حسب قاعدہ سہم (۵) قواعد سیونگ بینک حساب کھول لیں اور طلباء جو کچھ جمع کر لیں وہ وقتاً فوقتاً ڈاکخانہ میں جمع کرتے رہیں اس میں یہ آسانی ہو کہ طلباء کا جدا جدا حساب صرف ہیڈ ماسٹر کے رجسٹر میں رہے گا اور ڈاکخانہ میں یکجائی رقم جس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہو جمع ہو سکے گی

۵۔ ہیڈ ماسٹر یہ دیکھتے رہیں کہ بس لڑکے کا روپیہ اتنا ہو گیا ہو کہ بین کیش سرٹیفکیٹ خریداجائے، تو فوراً اس لڑکے کے نام سے خرید کر اسے دیدیں یا اپنے اسکول میں بھناٹا رکھیں اگر کسی لڑکے کو کوئی رقم یکمشت مل جائے تو اس سے بھی کیش سرٹیفکیٹ فوراً خرید دیا جائے۔ واضح ہو کہ سارے سال روپیہ میں جو سرٹیفکیٹ خریداجاتا ہو اس سے پانچ سال میں دل روپی ہو جاتے ہیں اور پندرہ روپی سے میں روپی اور سینتیس روپیہ آٹھ آنے سے چاس اور پچھتر روپیہ سے ایک سو روپیہ ہو جاتے ہیں۔

۶۔ طلباء کو کفایت بخاری پر انعام دیتے وقت یہ دیکھنے کی ضرورت

کہ کس لڑکے نے پابندی کے ساتھ معین اوقات پر پیسے یا آنے یا روپیہ جمع کیے مثلاً ایک لڑکا سال بھر تک ایک پیسہ فی ہفتہ جمع کرتا رہا تو بقولہ اس لڑکے کے جس نے صرف چار مرتبہ میں ایک سو روپیہ جمع کر دیئے پیسہ جمع کرنے والے کو انعام ملے گا۔ البتہ اگر ایک امیر اور ایک غریب لڑکا باعتبار پابندی وقت کے اور رقم جمع شدہ کے مساوی ہوں تو غریب لڑکے کو اس لیے ترجیح دی جائے کہ اس کے لیے پس انداز کرنا مشکل تھا۔

کیش سٹیفنٹ کے لیے اگر استناد بھی روپیہ جمع کرنے میں شریک ہو جائیں تو اچھا ہو کہ جب استناد کفایت شعاری کے ذائقہ سے محروم ہوں گے تو وہ طلباء کو بھی اس کی ترغیب دیں گے۔

دوسرا طریقہ بچوں میں کفایت شعاری پیدا کرنے کا یہ ہو کہ اسکول میں جو قلم دوات اور کاپیاں اور کتابیں اور دوسرا سامان فراہم ہو وہ سب بچوں کے مشترک سرمایہ سے ہو اور اس کا نفع طلباء میں تقسیم کیا جائے تاکہ طلباء کو کاروبار سے دلچسپی پیدا ہو۔

امید ہے کہ منتظرانِ ہمارے اس طریقہ کار و رواج جلد سے جلد اپنے طلباء پر جاری کریں گے۔

جن والدین کے بچے ایسے درجوں میں پڑھتے ہوں جن میں یہ طریقہ جاری نہیں ہے وہ خود اپنے بچوں کے لیے گھروں میں گولکیں بنا دیں اور ڈاکخانہ میں ان کے نام سے حساب کھلوادیں اور انھیں کے ہاتھ سے داخل کر رہیں کہ کیش سٹیفنٹ خرید واریں اور اس کو تربیت کا ایک لازمی جز و قرار دیں۔

## (۱۷) مسلمانوں کی بے نتیجہ محنت (افسانہ)

احصاف پور ایک پُہانا اور اُجڑا ہوا قصبہ تھا۔ حسن اتفاق سے اُدھر سے ریل نکلی اور چند روز بعد وہاں سے دوسری شلخ نکلنے کی وجہ سے وہ جگہ چمک گیا اس فوج میں رونی کی پیداوار بہت تھی۔ بس پھر کیا تھا یکے بعد دیگرے رونی کے بیج بننے شروع ہو گئے تھے کہ چند روز بعد سورت بنانے کی ایک ٹرل بھی وہاں کھل گئی اب وہ رونی اور سورت اور غلہ کی ایک منڈی ہماروں میں تمام مال بھرا پڑا ہے۔ یہی سورت سے روزانہ ٹاروں کا ایک سلسلہ جاری ہو ایک طرف تو تجارت کی چمچل چل ہو لیکن دوسری طرف اسی سستی کے ایک محلے میں شاندار مگر بوسیدہ عمارتیں کھڑی ہیں جن کی مرمت نو درکنار اچھی طرح جاروب کشتی بھی نہیں ہو سکتی۔ ان کھنڈروں میں قاضیوں کا ایک پرانا خاندان صد سال سے آباد ہے اور اس کے افراد اپنی بوسیدہ بیٹھکوں میں صبح سے آدھی رات لگے تک بیٹھ کر اور سٹھپی پی کر اپنا وقت بیکار گزار دیتے ہیں جب خالی باتیں کرتے کرتے جی اُکٹا جاتا ہے تو ایک شخص بوستان خیال یا طلسم ہوش رہا پڑھتا ہے باقی بیٹھ کر سنا کرتے ہیں انھیں قاضیوں میں سے ایک صاحب فرحت علی نامی اُٹا وہ کی کچھ سی میں مارتوں

ڈوکر رہے ہیں اور اب پنشن لیکر اپنے وطن آصف پور چلے آئے ہیں۔ اٹا وہ مسلمان بچوں کی تعلیم اور بڑی عمر کے بھی خواہان قوم تیار کرنے کی ایک سربست گاہ رہا ہے۔ بعض پر اسے شریف مگر برباد شدہ خاندانوں کے افراد اپنی قوم کی تباہی اور اپنے گھرانوں کی بربادی سے متاثر ہو کر قومی درد مندی کے محسوسے میں آئے ہیں اور شب و روز مسلمانوں کو قہر مذلت سے نکلانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ لباس و معاشرت میں یہ لوگ واقعی طور پر مفلس قوم کے نمائندے ہیں۔ ادنیٰ قسم کے لباس اور بلا کٹھکے کی دائرہ صافی سے اُن کے وہیں ظاہری اور قومی محبوبیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے البتہ ان کی خاندانی تشریف کی ایک علامت یہ باقی رہ گئی ہے کہ بے تکلفی کے جلسوں میں جب ان میں سے کوئی فرد تقرر کر کے کھڑا ہوتا ہے تو اپنے صدر کو مائی لارڈ کے لقب سے خطاب کرتا ہے جس سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس جماعت کے فرد ایک برباد شدہ فوہابی خاندان کے ممبر ہیں۔

آصف پور کے فرحت علی جب تک اٹا وہ میں رہے اس قومی جماعت کے جلسوں میں کبھی کبھی شریک ہوتے تھے اس لیے اپنے وطن میں جب پہنچے تو آباد مندپوں اور برباد کھنڈروں کے متضاد مناظر سے متاثر ہو کر بغیر نہ رہ سکے۔ ایک روز قاضی صاحب الحق صاحب قاضی شہر کی ہتھک میں بڑا مجمع تھا کہ قاضی فرحت علی اُدھر جانے لگے اور اتنے بہت سے لوگوں کو خالی دیکھ کر جو سمجھ ان کے دل پر گرا اُسے ضبط نہ کر سکے اور موقع پا کر انھوں نے تحریک کی کہ جلسہ کو باضابطہ کر دیا جائے۔ قاضی صاحب شہر کو



صدر قرار دے کر خاندان قضاۃ کی برادری کے اسباب و علالات کے متعلق تقریریں ہوں چنانچہ صدر کی منظوری کے بعد سب طرف سے اتفاق ہوا کہ سب اول فوجت علی صاحب تقریر کریں چنانچہ آپ نے کھڑے ہو کر ایک گھنٹہ کے قریب تقریر کی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

مالی لارڈ اور شرفاء آصف پور سب سے اول ہیں آپ صاحبوں کا دلی شکر بہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ ناچیز کو ان تکلیف دہ خیالات کے اظہار کا موقع دیا جو میں مدتوں سے اپنے زعم غور وہ دل میں لیے بیٹھا ہوں آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں کہ اس قاریم قضیہ پر کیسے کیسے دور گردے ہیں مسلمانوں کی سلطنت کے زمانہ کو جانے دیجیئے خود انگریزی عملداری ہی چارے خاندان کے منصفوں اور صدر الصدوروں کا ایک سلسلہ رہا ہو مگر اب جو حالت ہماری ہو گئی ہو وہ ہماری اداں صورتوں اور پیر مردہ پھر ہوں اور بوسیدہ مکانات کے ٹکستہ دیوار سے عیاں ہو۔ بظاہر تو ہم لوگ صبح سے شام تک خوش گپیوں اور آسنی مذاق ہیں وقت گزار دیتے ہیں مگر اندر ہر وقت اکابت فہم کا گھن لگا ہوا ہو جو ہمیں پیشے نہیں دیتا۔ کیا یہ سب کچھ اس لیے نہیں ہو کہ ہم اپنے حقیقی وطن سے غافل ہیں۔ اس قضیہ میں بہت دفعہ انجمنیں نہیں اسکیل فایم ہوئے مگر برساتی ٹیکڑوں کی طرح اپنی چند مدد زندگی پوری کر کے ختم ہو گئے، کاروبار جاری کرنے، تجارت اور صنعت کے انتظامات کرنے کے لیے بار بار تجربے ہوئے مگر سب ناکام رہے۔ یہ سب کیوں؟ یہ اس لیے کہ ہم کابل ہیں۔ ہمت و جرات میں صہانی

وقت میں خدا کے فضل سے ہم اب بھی دوسری قوموں سے گرے آئے  
 نہیں ہیں مگر انہوں نے استقلال کے ساتھ کسی کام کو انجام تک نہیں پہنچا سکتے  
 اسی قصہ کی مندی میں چلے جاسیے پندرہ پندرہ برس تک کے لڑکے بیگروں  
 ہزاروں کا کاروبار کر رہے ہیں اور صبح سے شام تک روپیہ کمانے میں  
 مصروف رہتے ہیں اور ہم ہیں کہ ہماری بڑی کمائی اب یہ رہ گئی ہو کہ دو چار  
 ہاتھوں میں گشت لگانے کے بعد سو سو یا سو روپیہ دو روپیہ سیکڑہ سود  
 پر لے آئے جس سے چند روز گزار دیئے اور بنصداق اس ہم بظلم اپنے  
 لکھے ہوئے تمسکات اور ان کی ڈگریوں میں بقدر ایک کے امانت  
 کر لیا مگر حضرات! اب اپنے بچوں پر رحم کیجیے جنہیں دنیا سے جدی کی تن  
 کش مکش کا مقابلہ کرنا ہو۔ انہیں زندگی کے لیے تیار کیجیے۔ خدا کے لیے اپنے  
 خاندان اور اپنے بچوں کی بقا کے لیے کاپی چھوڑ دیئے اور کربتہ ہو کر کھڑے  
 ہو جائیے اور جس طرح دنیا کے دوسرے لوگ، خواہ وہ اور ناخواہ، عالم  
 اور جاہل مختلف کاروبار میں داخل ہو کر کسب معاش کرتے ہیں آپ  
 بھی وہی طریقے اختیار کر کے کامیابی حاصل کیجیے۔

فرحت علی صاحب کی پرائمر تقریر نے حاضرین میں ایک حرکت  
 پیدا کر دی۔ نصف درجن اصحاب کے بعد دیگرے کھڑے ہوئے اور  
 پرجوش تقریریں کیں ایک نے بچوں کے لیے اسکول قائم کرنے کا مشورہ  
 دیا تو دوسرے نے کپڑے کی کوٹھی کھولنے کی تجویز کی۔ تیسرے نے کہا  
 کہ چار پانچ آدمی مل کر فرنیچر کی دوکان کریں تو چوتھے نے پیش کیا

کہ مٹھائی کی وکانیں کھولی جائیں اور قریب ہٹا کہ ان تجا و نر کے لیے کوئی اسکیم مرتب ہو کہ ایک کو لے کر سے ایک کو زہ پشت اور کم چھریٹ نقص جو دوسرے سے درجہ کے شیخ زادوں میں سے تھے اور حفیظ بن علی القادر مجمع میں بدلنے کا عمل نہ ہوتا تھا بالآخر ہمت کر کے اچھ کھڑے ہوئے اور قاضی صاحب صدر سے عا جزاء القاطن عرض کیا کہ میں تقریر کرنے کی قابلیت تو رکھتا نہیں البتہ میں آپ صاحبوں کو کام کر لے پر آمادہ دیکھ کر ابھی مکان سے ایک مضمون اٹھا لایا ہوں جو حال میں ایک اخبار میں شائع ہوا ہے۔ فرحت علی صاحب نے چونکہ اپنی پراثر تقریریں اس قصبہ والوں سے کاہلی اور غفلت کو منسوب کیا اس لیے میرا ذہن اس مضمون کی طرف منتقل ہو گیا ماعنوان "کیا مسلمان فی الواقع کاہل ہیں" چنانچہ صاحب صدر کی اجازت سے وہ مضمون پڑھا گیا جو حسب ذیل ہے:-

## کیا مسلمان فی الواقع کاہل ہیں

مسلمانوں کی نسبت بعض اصحاب کا خیال ہو کہ وہ اس لیے مفلس ہیں کہ وہ کسب معاش میں کوشش نہیں کرتے اور محنت و مشقت سے بے چہرے ہیں اس لیے ہمیں مختلف شعبہ جات زندگی پر نظر ڈالنی ہوگی اسلامی سلطنت کے زمانہ سے مسلمانوں کے بالعموم چار پیشے تھے (۱) زمینداری (۲) فوکر (۳) تجارت (۴) صنعت و حرفت اور کاشتکاری۔

(۱) زمیندار یوں کی نسبت شیعہ و مضامین میں دکھایا گیا ہے کہ وہ عرصہ دراز سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے قرقہ میں نکل رہی ہیں اور ان کے نکلنے کا سلسلہ جاری ہے۔

(۲) نوکریاں اس وقت سے ملتی کم ہو رہی ہیں جب سے کہ تعلیم عام ہو گئی جس سے سب قومیں تعلیم پا کر نوکریاں کرنے لگیں اور نوکری کے لیے علمی سند کی شرط ہو گئی۔ اور بوجہ افلاس کے مسلمانوں کا کثرت کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا مشکل ہو گیا۔

(۳) تجارت مسلمانوں کے ایک محدود طبقہ میں تھی اور وہ اس وقت سے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل رہی ہے جب سے کہ سود کا کاروبار تجارت کا جزو ہو گیا۔

(۴) صنعت و حرفت میں مسلمانوں کی اب بھی کمی نہیں مگر جب سے سرمایہ داروں نے اس میں ہاتھ ڈالا ہے تجارت کا گودا ان کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے اور پچھلے کاریگروں کے ہاتھوں میں رہ جاتا ہے۔ اسی طرح کاشتکاروں پر بھی سرمایہ داروں کا قبضہ ہے۔

مگر مسلمان باوجودیکہ ہر شعبہ زندگی سے خارج ہو رہے ہیں تاہم معاش کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے میں کسی سے پیچھے نہیں بلکہ آگے ہیں۔ اگر انھیں ڈپٹی حکام کی نہیں ملتی تو وہ کلرکوں کے لیے جملہ دفاتر میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں اور اپنی نوکریاں نہیں ملیں تو ٹھیکہ داریوں میں تمام تمام دن کھڑے رہ کر مزدوروں سے کام لیتے ہیں۔ کارندہ گیری اور

منشی گری میں لگاؤں اور کچھ یوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور مدتِ عمر  
کمائے کمائے گھسنے اور کھلے جاتے ہیں اور جب مرتے ہیں تو پسماندگان کے لیے  
ایک دن کے سہارے کا سامان نہیں چھوڑتے مسلمانوں میں خاندان کے بزرگ  
کی مثال بالعموم یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی آمدنی کی مقدار کے اعتبار سے ایک چنہ پینے  
ہوئے ہو جس میں وہ وابستگان کو ڈھکے رہتا ہے اگر آمدنی زیادہ ہو تو یہ چنہ خوب  
لمبا چوڑا ہو جس میں دو دو رنگ کے رشتہ دار سما جاتے ہیں، آمدنی مختصر ہو تو یہ  
چنہ مختصر ہو جس وقت یہ بزرگ خاندان دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور اس  
کے ساتھ اس کا چنہ اٹھتا ہے اسی وقت تمام خاندان نگاہِ نظر آئے لگتا ہے اور اس  
کے افر دستِ پوشی کے لیے ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں جو بچے تعلیم پاتے تھے  
اور اعلیٰ درجہ کے بورڈنگ ہوسوں میں رہتے تھے انھیں وظیفہ اور قرضِ مسد کی  
تلاش ہوتی ہے جو فارغِ تعلیم ہو کر ڈپٹی کلر کی کے ملاشی تھے وہ کلر کی کر لے پر  
آبادہ ہو جاتے ہیں اور یہ وہ عورتیں مجبور ہوتی ہیں کہ چند روز بعد ہی یہی جائداد  
کو کفول کر کے اپنی زندگی کے دن پورے کریں کیا یہ صرف اس لیے ہو کہ مسلمان  
محنت کرنے میں کوئی کسر اٹھا رکھتا ہے بلکہ جو کچھ وہ جان مار کر کماتا ہے اس  
سے بچانا اور اسے بڑھانا نہیں جانتا اور نہ اپنی زندگی میں اپنے وابستگان کو  
اس کی تعلیم دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے مرنے پر پس ماندگان ننگے کھڑے رہ  
جاتے ہیں اور دیگر اقوام کے لوگ اسی آمدنی میں زمیندار سا ہو کر اور  
تلقا دار بن جاتے ہیں۔ دوسری قوم کا آدمی ایک غریبہ میں کچھ چیزیں لکھ کر  
اس سے اپنے بچوں کی پرورش کر کے کچھ پس انداز کرتا جاتا ہے اور ایک دن

بڑا مہاجن بن جاتا ہو مگر مسلمان اس سے دُش گو نہ آندی ہیں مدت العمر مقروض  
 او قلائش رہتا ہو اور مفلس مرتا ہو۔ بہر حال زندگی میں مسلمانوں کی کامیابی یا  
 ناکامیابی امر دیگر ہو وہ کوشش اور محنت ہیں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھنا البتہ  
 مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو بظاہر کچھ نہیں کر لے مگر واقعہ  
 یہ ہو کہ یہ لوگ وہ ہیں جو ہر قسم کی کشمکش کے بعد ناکام ہو کر اور تھک تھکا کر  
 بیٹھ رہے ہیں ایک صاحب ہیں کہ انھوں نے اپنی زمینداری میں خود کاشت  
 کا بھی تجربہ کیا ہو۔ تجارت بھی کی ہو خاص کبھی سے سامان لاکر دکان بھی  
 کھولی ہو مگر روپیہ کی بازی اور ہمتی قیمت اور تجارت کے جدید طریقوں سے  
 ناواقفیت کی وجہ سے سب کچھ کھو چکے ہیں اور اب اُن کی بے اعتنائی  
 کی یہاں تک فوجت پہنچ گئی ہو کہ انھیں دستاویز لکھنے پر بیس روپیہ قرض  
 نہیں ملتے۔ حالانکہ جو مہاجن کبھی اُن کی رعایا میں سے تھا اب اس قدر  
 دولت مند ہو گیا ہو کہ ضرورت کے وقت مٹدی میں سے اپنے نوکر کو بھیج کر  
 بلا رسید پہنچ کے دس دس ہزار روپیہ منگا لیتا ہو۔ بہر حال اس قسم کے  
 برباد شاہ مسلمان ہر طرف سے مجبور ہو کر حصول زر کے لیے کیمیا اور اکیسیر کے  
 نسخوں کی تلاش اور اُن کے تجربوں میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں یا  
 دست غیب اور کشائش رزق کے لیے وظیفے پڑھنے میں مصروف رہتے  
 ہیں یا ریاستوں سے وظیفے مقرر کرنے یا وہاں سے بلا سودی قرضہ ملنے کی کوششوں  
 میں رہتے ہیں۔ غرض کہ جو لوگ آپ کو مسلمانوں میں بیجا۔ یا کامل نظر آئیں تو  
 اُن کی نسبت ہرگز یہ نہ سمجھیے کہ ان کا دماغ کسب معاش یا حصول زر کی محنت سے

ایک منٹ کیلئے بھی خالی ہی جس کے آثار اُن کے متفکر اور متروک چہروں سے عیاں ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب اُن کے ہاتھ کسی بیوہ یا یتیم کا روپیہ پڑ جاتا ہے تو باوجود قریب تر عزیز ہونے کے ذاتی ضرورتوں کی وجہ سے وہ بلا ارادہ خرچ ہو جاتا ہے اور پھر اسے وہ ادائیں کر سکتے ہیں تو اُن کے دل کو اس سے سخت تکلیف ہوتی ہے اور وہ اس امانت کی ادائیگی کے لئے سخت بے چین رہتے ہیں مگر رفتہ رفتہ انھیں اس کی عادت ہو جاتی ہے اور پھر جس صورت سے پہلے سے بن پڑتا ہے اپنا پیٹ پالتے اور تن بدن ڈھکتے ہیں۔ چنانچہ حال کی مٹھائی کی صوبہ مندر کی رپورٹ میں لکھا کہ اگر وہ جاو و گروں۔ آوارہ گردوں کیسیوں اور قیدیوں میں ہندوؤں کی تعداد دو لاکھ پانچ ہزار ہے۔ سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے اعتبار سے اس میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کا چھٹا حصہ یعنی ۱۴ ہزار ہونی چاہیے تھی مگر وہ دراصل ایک لاکھ ۹۰ ہزار ہے جو تعداد ہندوؤں کے تقریباً مساوی ہے اس حساب سے مسلمان ناجائز پیشوں میں اپنی تعداد کے اعتبار سے ساڑھے پانچ گنے ہیں جو ہمارے نزدیک قابلِ رحم ہے کہ قابلِ ملامت کیونکہ مسلمان نہیں جانتے کہ اس دُنیا میں زندگی کے دن کس طرح پورے کریں۔

مضمون سن کر حاضرین میں کچھ دیر تک ایک سکتہ کا عالم طاری رہا۔ اس کے بعد ایک ٹھیکہ دار صاحب نے اپنی سرگزشت بیان کی اور کہا کہ میری محنت کرنے میں مزدور دل کو اور روپیہ پیدا کرنے میں بڑے سے بڑے مہاجر کویات دی مگر کافی کا بڑا حصہ روپیہ والوں کی نظر ہوتا رہا جس سے میں قرض

لیتا تھا۔ اپنا ذاتی روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے ہم میں سے بڑے بڑے لوگوں کا وجود مثل ایک کانچ کے جسم کے ہوتا ہے کہ ذرا سی ٹھکس ٹھکس، ذرا سی حادثہ سے چور چور ہو جاتا ہے۔ بہر حال محنت کرتے کرتے میں ختم ہو گیا۔ مجھ کو ایک بھینس کی مار آئی سے میرا کاروبار بگڑ گیا اور اب میں بقول مضمون نگار کے تھک تھک کر بیٹھ گیا ہوں۔ ٹھیکہ دار صاحب کے بعد یکے بعد دیگرے کئی احباب کھڑے ہوئے کسی نے اپنی خود کاشت میں نا کامی کے حالات سنائے کسی نے تجارت اور نوکنداری کے، بالآخر قاضی مختار احمد مرحوم جو اسلامپور سکول کے سکریٹری رہ چکے تھے رسالہ سود مند لکھتے ہیں اپنے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اس کا آخری صفحہ کھول کر پڑھا اور کہا کہ اب زیادہ گریہ و بکا کی ضرورت نہیں۔ اب کام کرنے کا وقت ہے تو میں ٹھکریک کرتا ہوں کہ یہاں بھی فلاح المسلمین کے نام سے ایک انجمن قائم کی جائے اور اس کے ذریعہ سیر سچوں سے لیکر بوڑھوں تک سب کو کفایت شعاری کی تعلیم دی جائے پھر قاضی مختار احمد صاحب نے سود مند میں سے قواعداً فلاح المسلمین پڑھ کر سنائے۔ مقامی حالات کے مطابق کسی قدر ترمیم و اضافہ کے بعد یہ سب نے انہیں منظور کیا۔ اور قرار پایا کہ رونداد کی ایک نقل دفتر سود مند کو بھیجی جائے قرار داد میں سے چند اہم امور یہ ہیں۔

(۱) سب سے اول ایک انجمن امداد باہمی قائم کی جائے اور اس میں سے جس کو روپیہ کی ضرورت ہو اسی انجمن سے بازار سے کم شے پر قرض لے تاکہ جو کچھ سود دیا جائے اس کا منافع لوٹ کر قرض دار کو جو حصہ



ہوگا حسبِ رسم ملے یہ انجنن زبور رکھ کر قرضہ دینے کو ترجیح دے گی۔  
(۲) اہل خاندان کی ضروریات کے لیے مشترک سرمایہ سے ایک مکان  
کھولی جائے جس کی باقاعدہ رجسٹری کرائی جائے۔

(۳) ان کاریگروں اور دوکانداروں کو خواہ اس انجنن کی طرف سے  
یا انفرادی طور پر حسبِ رواج قصبہ قسطوں پر روپیہ دیا جائے۔ مثلاً دس روپیہ  
دس کرسال بھرتیں ان سے بارہ روپیہ وصول کیے جائیں اور اس طریقہ سے  
انھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کرایا جائے۔  
ان قراردادوں کے بعد صاحبِ صدر کا لشکر یہ ادا کیا گیا اور جلسہ بھارت

اگست ۱۹۲۵ء

۱۳۶

(۱۸)

## ترک دنیا

اس زمانہ میں بھی بعض نیک دل اصحاب نہایت نیک نیتی سے  
مسلمانوں کو ترک دنیا کی نصیحت کرتے ہیں اور مال و دولت کی مذمت کرتے  
ہیں اس ارشاد کے متعلق یہ عرض ہو کہ اب ترک دنیا کے بارہ میں وعظ کی  
ضرورت باقی نہیں رہی۔ اگرچہ مسلمانوں نے تو دنیا کو نہیں چھوڑا لیکن جو دنیا  
نے مسلمانوں کو چھوڑ دیا، اور مقصد حاصل ہو گیا۔ یعنی مسلمان اس قدر نادار  
و فطرس ہو گئے کہ اب ان میں لاکھوں ایسے ہیں جن کو دو وقت کھانا بھی نہیں

لاکھوں ایسے ہیں جو علم و ہنر سے محروم ہیں اس لیے بیکار بیٹھے ہوئے اپنے دوسرے بھائیوں کی کمائی کھاتے ہیں یا فاقہ کشی کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو آخر کار مجبور ہو کر کسب معاش کے ناجائز وسائل اختیار کر کے اسلام کو بدنام کرتے اور جیل جاتے ہیں۔

جاننا دیں اور زمیندار ہاں در دوسرے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو خواہ مخواہ دنیوی جھگڑوں اور روپیہ کے معاملات میں مبتلا ہونا پڑتا تھا غنیمت ہو کہ یہ جاننا دیں اب ان کے قبضہ سے نکل کر دنیا دار قوموں کے پاس ٹہری تیزی سے جا رہی ہیں اور مسلمان آزاد و فارغ البال ہوتے جاتے ہیں، دکاندار کی و تجارت کے جھگڑوں سے وہ پہلے ہی آزاد تھے یہ بینوں کا کام ہو جھلا ایسی بھی دنیا کی ہوس کیا کہ آدمی دن بھر بازار میں بیٹھا کاکوں کی چاپٹوسی کیا کرے، باجاری کا دوبارہ کے دوسرے مشقت طلب شعبوں میں اپنے آپ کو خراب فحشہ کرے۔ البتہ ابھی دنیا کی صرف اتنی طلب مسلمانوں میں باقی ہو کہ وہ سرکاری ملازمتوں کے حامل کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور ان میں سے کم و بیش دس فیصدی ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں لیکن حریفوں کو یہ بھی گوارا نہیں، چنانچہ گزشتہ دو تین سال کی مدت میں ترک موالات کے سلسلہ میں کوشش بھی کی گئی کہ مسلمان سرکاری ملازمتیں چھوڑ دیں تاکہ بے فائدہ کسب معاش کا جو ایک ذرا سا سہارا باقی رہ گیا ہو وہ بھی نہ رہے چنانچہ اللہ کے ہمارے ایسے بھی تھے جنہوں نے ایسا بھی کیا اور اس نا عاقبت اندیشی کا نتیجہ بھگتنا۔

(۱۹)

## مسلمان اور مصارف خیر

آج کل ہمارے علمائے کرام اور دوسرے قومی کام کرنے والوں کو یہ شکایت ہے کہ مسلمان مذہبی و قومی کاموں پر توجہ نہیں کرتے، توجہ نہ کہنے کا یہ مطالبہ کہ چنیدہ نہیں دیتے اس وجہ سے ان کی تمام مذہبی و قومی تحریکیں نیم مردہ حالت میں ہیں کیونکہ اس زمانہ میں کوئی تحریک یا بغیر و پیہ کے سرسبز نہیں ہو سکتی اور وہ پتلا نہیں اس لیے کام چلے تو کیوں کر۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں میں، ایثار و فیاضی اور قومی و مذہبی احساس نہیں ہے۔ اس بنا پر بعض بزرگ مذہبی رنگ میں صحابہ کرام اور سلف صاحبین کی فیاضی و ایثار کے قصے سناتے اور دنیوی لہجہ و رویہ سب کی قومی تحریکوں کی ولولہ انگیز دستاویز بناتے ہیں اور اسبچونکہ ہر داران وطن میں بھی فیاضی کی مثالیں کچھ دست سے روز افزوں ہیں۔ لہذا یہ واقعات بھی مؤثر طریقہ سے سنائے جاتے ہیں یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے جذبہ فیاضی میں جنبش پیدا ہو اور وہ مذہبی و قومی کاموں کے لیے کچھ دیں تاکہ ان نیم مردہ تحریکیں سرسبز ہوں اور قدیم و جدید مسائل کا حل پورن اور آباد ہو۔ گویا قوم میں از سر نو ایک سیاست تازہ پیدا ہو۔

لیکن ہم بادیب گزارش کریں گے کہ مسلمانوں کے حلق یہ رنگینی صحیح نہیں مسلمان یہ سفاظہ خوشی، فیاضی اور جوش مذہبی کے کسی قوم سے

کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں لیکن ان کے پاس روپیہ ہی کہاں جو وہی اجادہ ندرم دہن  
اڑکھا آرم مسلمانوں کا افلاس اب ایک مسئلہ امر کی جس سے کسی کو بھی اختلاف  
نہیں ہو سکتا۔ ایسی حالت میں یہ توقع کرنا کہ وہ دولت مند قوموں کی طرح  
روپیہ کا دریا بہا دیں گے کس قدر مضحکہ انگیز ہو۔

ایک طرف ترکیب دنیا کا وعظ اور مال و دولت کی مذمت، دوسری  
طرف فیاضی کی ترغیب اور چنہ نہ دینے کی شکایت یہ موجب تم ظنی ہو۔

بے شبہ کہیں چھ پر مسجدوں کی تعمیر کسی جگہ شکستہ مسجدوں کی مرمت

کی ضرورت ہے لیکن یہ کام روپیہ پر موقوف ہیں پہلے شک قومی و مذہبی

مدارس جو جدید و قدیم نظام کے لیے قائم ہیں احانت کے محتاج ہیں لیکن

مسلمانوں کے پاس اس قدر سرمایہ کہاں جو ان مدارس کو اعلیٰ پیمانہ پر چلا سکیں۔

تقدار متاد کا اندازہ یقیناً ضروری ہے لیکن یہاں بھی روپیہ کا کھیل ہی اپنی گلابان

(اُردو) کو ترقی دینے اور تمام ملک میں پھیلائے کی سخت ضرورت ہے لیکن یہ

بھی بغیر روپیہ کے ممکن نہیں ملکی سیاست میں حصہ لینا بھی ناگزیر ہے لیکن

اس کے لیے تو اور بھی زیادہ روپیہ درکار ہے۔ کم استطاعت مسلمانوں کے

بچوں کو تعلیم دے کر ان کو دنیا کے کاروبار کے لائق بنانا کس قدر ضروری

ہے لیکن ان کی تعلیم کے لیے وظائف کہاں سے آئیں غرض ہر کام کے لیے

روپیہ کی ضرورت ہے۔ روپیہ مسلمانوں کے پاس ہی نہیں ہے سبب یہ کہ اگرچہ

مسلمان تمام امور خیر میں اپنی ہمت سے زیادہ صرف کرتے ہیں لیکن پھر بھی

دوسری قوموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے کیونکہ دولت کے لحاظ سے ان کو دوسری

قوموں سے کوئی نسبت نہیں۔ لہذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمام قومی  
منہجی کام سرسبز ہوں تو ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ مسلمانوں کو افلاس سے نکالنے  
کی کوشش کریں اور ان کو ایسی تدبیریں بتائیں کہ وہ حصول دولت کے  
جدید وسائل سے متمتع ہو سکیں جب مسلمان دولت مند ہو جائیں گے تو  
اُن کا کوئی منہجی اور قومی کام ابتر حالت میں نہ رہے گا۔ بلکہ تمام قوم میں  
ایک حیات تازہ پیدا ہو جائے گی۔  
اگست ۱۹۲۵ء

## آل انڈیا پنجابی سوداگران کی کانفرنس ایک سبق

چودھری اشتیاق احمد صاحب سکریٹری انجمن اسلامیہ دکنورنر ٹیمپل خانہ  
بریلی نہایت جوش کے ساتھ مختلف شکلوں میں قومی خدمات انجام دیتے  
رہتے ہیں وہ بریلی میں پنجابی سوداگران کے چودھری ہیں زمانہ سابق  
میں پنجابی سوداگران کی ہر مقام پر پنچائتیں قائم تھیں مگر جب سے وہ  
ٹوٹنے لگی ہیں چودھری صاحب اس امر میں کوتاہاں ہیں کہ ہر مقام میں  
پنجابیوں کی اصلاحی کمیٹیاں قائم ہو جائیں اور ایک صدر کی کسی  
بڑے مقام میں قائم ہو اس غرض کے لئے چودھری اشتیاق احمد صاحب نے

بریلی، پٹنہ، بھیت، ارام پور، ٹنگینہ، میرٹھ اور مراد آباد کے کارکنان کی ایک جماعت نے کرم ۲ جولائی ۱۹۲۵ء کو دہلی میں ایک عام جلسہ بھارتیہ حاجی محمد اسحاق صاحب بڑے اہتمام سے منعقد کیا گیا جس میں قراردادیں پنجابیوں کی اصلاح کے واسطے ایک آل انڈیا پنجابی کمیٹی قائم کی جائے جس کے مقاصد حسب ذیل ہوں

- (۱) برادری میں اتفاق و اتحاد قائم رکھنا۔
- (۲) قوم کو تعلیم، صنعت و حرفت اور کاروباری زندگی کی طرف متوجہ کرنا۔
- (۳) قومی اور تجارتی حقوق کی حفاظت کرنا۔
- (۴) احکام اسلام کی پابندی کے متعلق قوم کو متوجہ کرنا۔
- (۵) برادران قوم کو اپنی ہی برادری میں نکاح کرنے کی ترغیب دینا۔
- (۶) آپس کے نزاعات اپنی ہی پنجابیت میں طو کرنا۔
- (۷) اصلاح معاشرت اور مراسم میں فضول خرچیوں کو روکنے کی کوشش کرنا۔

اس کمیٹی کا صدر مقام دہلی قرار پایا اور یہ طرہ ہوا کہ ایک وفد بغرض حصول و اشاعت مقاصد مختلف مقامات میں دورہ کرے اور کمیٹیاں قائم کرے ممبری کمیٹی کا چندہ ایک روپیہ سالانہ ہو اور اوائل مارچ ۱۹۲۵ء کو ان کا ایک بڑا جلسہ ہوان کاموں کی انجام دہی کے لیے ایک سب کمیٹی مقرر ہوئی جس کے صدر حافظ محمد صدیق صاحب ملتان والے سکریٹری شیخ رشید احمد

اور خزانچی شیخ عطاء الرحمن صاحب قمار پائے۔  
 اس مفید کانفرنس کے قایم ہونے پر ہم بالخصوص اپنے مخدوم چوہدری  
 اشتیاق احمد صاحب بریلوئی کو اور بالعموم پنجابی سوداگران کو مبارکباد  
 دیتے ہیں اور ان کی کامیابی کے لیے دعا کرتے ہیں مگر اس قدر عرض کرنا  
 ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کی کاروباری جماعت صدیوں سے کامیابی  
 کے ساتھ تجارت کر رہی تھی اب وہ کون سے اسباب ہیں جن سے وہ  
 کاروباری اور تجارتی میدان سے لپکا ہو رہی ہو۔ زبرداری پیشہ  
 مسلمان کی جائدادیں جب قرضہ میں نکل جاتی ہیں، ملازمت پیشہ مسلمانوں  
 کو جب نوکریاں نہیں ملتیں تب وہ تجارت اور صنعت کی طرف رجوع کرتے  
 ہیں اور تاجروں کی دستگیری کے طلب کار ہوتے ہیں مگر تاجروں  
 پر فیسوں کے اونچے بیٹن گم ارشاد کی مثل صادق آ رہی ہو۔ حالات زمانہ  
 اس قدر بدل گئے ہیں کہ مسلمان تاجر نہیں جانتے کہ اپنی حالت کس طرح  
 قایم رکھیں اور سرمایہ داری کے سیلاب کا کس طرح مقابلہ کریں۔  
 اسی سیلاب سے پریشان ہو کر ہمارے تاجر ہر اور ان کے کانفرنس  
 قایم کی ہو مگر جو مقاصد ان صاحب نے دہلی کے جلسہ میں قرار دیئے ہیں وہ  
 تو مسلمان قریباً اپنے ہر جلسہ میں قرار دیا کرتے ہیں تاہم روز بروز گرتے ہی  
 چلے جاتے ہیں مسلمان دیگر اقوام کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جمع ہو کر  
 باہمی اتفاق قایم کرنا چاہتے ہیں مگر اور زیادہ نفاق بڑھتا ہو صنعت و  
 حرفت کی طرف قوم کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ مسلمان اس

صیغہ میں اپنی نسبتی تعداد سے پہلے ہی بدرجہا زیادہ ہیں لیکن سب پریشان حال الفری  
دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام ہیں چھوٹے بڑے دوکانداروں کی کمائی  
میں کمی نہیں مگر اس زمانہ میں تجارت کا طریقہ بدل جانے سے انھیں قدم قدم  
پر تجارتی سود دینا پڑتا ہے اور سب نہیں سکتے اور اپنے کاروبار چلانے کے لیے  
دوسروں کا سرمایہ استعمال کرنے کی وجہ سے ہر دم ان کے دست بند  
رہتے ہیں پس جب تک مسلمان اپنے مرض کا صحیح علاج نہ کریں بڑے بڑے  
جلسے منعقد کرنا، تجارت بند پاس کرنا، دورے کرنا، سب کمیشیاں قائم  
کرنا سب بیکار ہیں۔

مسلمانوں کو اگر زندہ رہنا ہی تو  
انھیں اپنا موجودہ سبق بھلانا  
اور اس کی جگہ نیا سبق یاد کرنا پڑے گا

اور وہ یہ ہو کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر روپیہ کا کاروبار شروع  
کیا جائے اور مسلمانوں میں تجارتی سود کا عام طور پر رواج دیا جائے یہاں  
کی کوٹھیاں، صرافہ اور ہنڈی کی دکانیں قائم کی جائیں۔ بینک کھولے جائیں  
جن کی وساطت سے غیر مالک سے مال منگا یا جائے۔ انھیں ذرائع سے  
گئی ہوئی تجارت اپنے ہاتھوں میں آئے گی، اور تب ہی ہمارے ہیں  
اتقان و انتہا قائم ہو سکے گا، قوم میں تعلیم اور صنعت و حرفت کی ترویج  
کے وسائل حاصل ہوں گے، احکام اسلام کی پابندی کی طرف طبیعت متوجہ  
ہوگی اور افراد قوم میں حقیقی کفایت شعاری، ایثار اور دوسری اخلاقی خوبیاں



پیدا ہوں گی، ہمیں اُمید ہو کہ مغز کارکنان کا نفس ان طریقوں سے اپنی کار آمد جماعت کو مفید بنا کر دوسرے مسلمانوں کی رہنمائی کریں گے۔

ستمبر ۲۵ ۱۹۲۵ء

## (۳۱) مسلمان آپس میں کیوں لڑتے ہیں خاص کچھ

وہ کچھ آئیڈیٹریس و سوسائٹیز نے مسلم کلب لکھنؤ کے زیر اہتمام ۲۵ ستمبر ۱۹۲۵ء کو مسلمانوں کے ایک جلسہ عام میں دیا تھا

مسلمانوں کا طغرائے امتیاز | مسلمانوں کا طغرائے امتیاز امتیاز امتیاز  
مخوات: یہ وہ عرب ہوں یا ترک، چینی ہوں یا مصری، ہندی ہوں یا  
تاتاری، غرض کہ ایک دوسرے سے خواہ کیسے ہی اجنبی کیوں نہ ہوں وہ  
اس سے مستثنیٰ ہیں کہ کہیں یکجا ہوں تو اس امر کی ضرورت ہو کہ کوئی رئیس  
آدمی ایک دوسرے کی تقریب کہہ کر آئیں ملائے۔ وہ اسلام علیکم کہہ کر  
ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔ کھانے کا وقت ہو تو دونوں ساتھ  
بیٹھ کر بے تکلف شل حقیقی بھائیوں کے ایک برتن میں کھانا کھاتے ہیں نماز  
کا وقت ہو تو باوجود مختلف الطوائف ہونے کے ایک جا نماز پر نماز پڑھ لیتے ہیں

دنیا کے لوگ مسلمانوں کے اس بھائی چارہ پر شک کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے مذہب کی برابر کسی میں میل جول اور اتحاد و اتفاق کی قابلیت نہیں ہو۔

**زندگی کے لیے جنگ** | اگر افسوس کہ یہ اتحاد و اتفاق محض میل جول تک محدود ہو اور یہی مسلمان جب معاملات اور میدان عمل میں آتے ہیں تو ان کی برابر کوئی قوم آپس میں لڑنے والی نہیں ہوتی۔

یوں تو لڑائی حیات کی ایک علامت ہو ورنہ العتاب حیوانی یعنی لڑائی زندگی ہی چوپایوں میں بکری اور پرندوں میں فاختہ سے زیادہ بھوکا اور نہیں مگر یہ بڑے بڑے دیکھا ہو گا کہ دو بکریاں بکھری ہو ہو کر اور بچے بٹ بٹ کر کس طرح ایک دوسرے کے کمرے مارتی ہیں حتیٰ کہ بعضوں کے بڑے بڑے لڑتے لڑتے جاتے ہیں اور دو معصوم ناخائیں لڑتے لڑتے ایسی مہوش ہو جاتی ہیں کہ اس حالت میں ان کے پاس پہنچا کر دیکھ لی لو تو انہیں ہتہ نہیں چلتا مگر وہی کمزور ہا نور جب ان کی ذرع پر کسی کا حمل ہوتا ہے تو منفرداً اور مشترکاً اپنے سے دئل گئے تک کا مقابلہ کرنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ گاہیں خطرہ کے وقت مل کر شیر کا مقابلہ اپنے کمزور سینکوں سے کر لیتی ہیں۔

**اتفاق کی کوشش بڑھائی ہو** | اگر حیرت یہ ہو کہ وہ مسلمان جو سوشل امور میں سب قوموں سے زیادہ متمدن فطرتاً ہی اپنی ذرع اور اپنی موجودہ اور آئندہ نسلوں کی حفاظت کے لیے متحد نہیں ہو سکتے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو غیر قوموں کی دست برد سے بچانے  
 انجمنیں دیتی اور دینیوں قلمرو دلائے گئے لیکن انہیں بناتے ہیں لیکن  
 قائم کرتے ہیں۔ مگر راجہ اس کو شش کے بالعموم افراد میں اور انکی  
 انجمنوں میں مسابقت سے گزر کر مخالفت ہو جاتی ہے۔ جب مخالفت سے  
 سرچا قومی نقصان محسوس ہوتا ہے اور اس امر کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ  
 دوسری قوموں کے مقابلہ میں ایک متحدہ قوت قائم کی جائے اور اس  
 کے لئے جب کوئی مرکزی تنظیم جماعت یا آل انڈیا مسلم پارٹی کا نفس  
 منطقی جاتی ہو تو وہ اور باہمی تنظیم کی موجب ثابت ہوتی ہے اور  
 باہمی تنازعات سے اور زیادہ قومی نقصان ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے  
 جو قومیں ایک دوسرے کے ساتھ نہ کھاتی سکتی ہیں حتیٰ کہ ایک دوسرے  
 کے سایہ سے بھاگتی ہیں ان کی حالت کو اخبار صدائے مسلم کانپور کے  
 ایڈیٹر نے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

۱

ہندوؤں کی تنظیم ایک کانگریس آن کی پارلیمنٹ ہندو سبھا، برہمن سماج  
 آریہ سماج، سناٹن ادھرم سبھا، مارواڑی کانفرنس، گائے کا نفس، مان بکرن  
 کانفرنس، ویش کانفرنس، ایک بیستھ کانفرنس اور اب تو اچھوت کانفرنس  
 سوشل کانفرنس، مزدور کانفرنس، تجارتی ایسوسی ایشن، سائیں کانفرنس  
 چار کانفرنس اور بہتر کانفرنس غرض کہ ہر فرقہ کی کانفرنس اور ہر جاتی کا مسلم  
 موجود ہے۔ اور اگر کلیوں اور ایسوسی ایشنوں کا شمار کرنے بیٹھ جائیں تو ایک اچھی  
 خاصی ڈاکٹر کرے تیار ہو جائے ہر شہر اور ہر قصبہ میں متعدد نظام موجود ہیں۔

اُن کے یہاں دان برغل صرف ہوتے ہیں۔ گنور کھشاکے نام سے لکھوں  
 روپیہ فراہم ہوتا ہے۔ بینک سسٹم اُن کے ہاں عام ہے۔ کسی کام کے لیے  
 روپیہ فراہم کیا گیا اور بینک میں جمع کر دیا گیا۔ اس کے سود کی آمدنی  
 سے کام چلایا گیا اس طرح اس کام کے لیے مستقل آمدنی کی صورت نکل  
 آئی۔ اب بار بار قوم کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں۔ برادران ہندو  
 میں ایک اور خوبی ہے وہ یہ کہ ہر شخص اپنے رجحان طبع کے موافق ایک  
 میدان عمل مقرر کر لیتا ہے اور عمر بھر اس کی تکمیل کو مقصد رکھتا ہے۔ دینی  
 کارکنوں میں کوئی تعلیم کو مطمح نظر نہ لیتا ہے تو کوئی مذہب کو۔ کوئی سیاست  
 میں شامل ہو جاتا ہے تو کوئی سوشل اصلاح کو پیش نظر رکھتا ہے۔ کبھی کبھی  
 عام طور پر بھی چندے ہو جاتے ہیں، بلکہ بعض صوبوں اور بعض ہندو  
 فرقوں میں تو ہر فرد اپنے ذمہ ایک قومی ٹیکس عائد کر لیتا ہے جو بلا  
 مانعہ ادا کر دیا جاتا ہے بلکہ اب تو ہندوؤں کے عوام نے بھی اجتماعی طریقے  
 ایجاد کر لیے ہیں۔ مثلاً لاٹری سسٹم، یہی زندہ قوم کے طریقے ہوتے  
 ہیں لیکن یہاں (یعنی مسلمانوں میں) صورت دیگر گوں ہے۔ ہمارے خیال  
 میں مسلمانوں میں کام کرنے والوں کی کمی نہیں۔ البتہ کام کرنے والوں  
 کی بد معاہگی اور ہوس ناکیبوں نے اُن کے حوصلے ہست کر رکھے ہیں  
 پھر مالی مشکلات کا رونا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ جس وجہ سے ہماری  
 جماعتوں میں اتحاد عمل ناممکن ہو رہا ہے وہ مالی کشمکش ہے۔ آمدنی کی  
 جو عداوت مثلاً زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، اوقاف اور چندے وغیرہ

کی ہیں۔ وہ محض اس وجہ سے منظم ہونے میں نہیں آتیں کہ ہر شہر کی  
جمعیت اور ہر کامیابی سب کچھ اپنے ہی لیے چاہتا ہو۔ یہی وجہ نہ  
ہو ماسوائیکہ کا خیال ہو کہ مختلف امور کے لیے جو زبردست پیسے  
ہوئے ہیں۔ ان رقم کا بڑا حصہ ہمیشہ ”گندم نما جو فروشوں“ نے ہضم  
کر لیا۔ لیکن اس بے سری فوج میں کیا تنظیم ہو جس کا ہر فرد مشکوک ہو  
اور بھائی کا بھائی پر اعتماد نہیں۔ پبلک یا اجتماعی کام دنیا میں ہی  
اعتماد اور رواداری پر چلتے ہیں۔ جہاں یہ دونوں باتیں مفقود ہوں  
یہاں کیا ہو سکتا ہو۔ آہ یہ اس کی اُمت کا حال ہو جو رسالت لینے سے  
پہلے قوم کا امین کہلاتا تھا۔“

ہندو مسلمانوں کی نسلی حالت | صدائے مسلم کی اس بے نظیر تشخیص  
مرض سے ہندوستان کی مختلف قوموں کے اشتقاق سب ذیل  
نتائج نکلتے ہیں۔

مسلمانوں میں  
۱۔ کام کرنے والوں میں بڑا  
اور ہوسناکی ہو۔

۲۔ جو زبردست خیر سے  
ہوئے ہیں ان کا بڑا حصہ گندم نما  
جو فروشوں نے ہضم کیا ہو۔

۳۔ بھائی کا بھائی پر اعتماد نہیں

ہندوؤں میں

۱۔ پبلک سسٹم کی وجہ سے وہ  
مضنونہ ہو۔ مستقل سرمایہ کے سود

سے کام چلتا ہو۔ بار بار قوم کو  
تکلیف دینے کی ضرورت نہیں

۲۔ ہر فرد اپنے اور قومی تلبیس  
عام کر لیتا ہو اور خود ادا کرتا ہو

## ہندوؤں میں

۲۔ افراد اپنے اپنے لیے میدان عمل مقرر کر لیتے ہیں اور ایک دوسرے سے تعرض نہیں کرتے۔

۳۔ مختلف انجیال اور مختلف القائد لوگوں میں کاموں کی ایک تنظیم ہے۔

## مسلمانوں میں

ایسی بے سببی فوج میں کیا تنظیم ہو جس کا ہر فرد مشکوک ہو۔ باہمی اعتماد اور رواداری انہیں۔

۳۔ مالی کشمکش کی وجہ سے اتحاد عمل ناممکن ہو رہا ہے ہر شہر کی جمعیت اور ہر مذہب کا متولی سب کچھ اپنے لیے چاہتا ہے یہی وجہ فساد ہے۔

**شائع** | صدائے مسلم نے جو وجہ فساد قرار دی ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ افراد سے لیکر انجمنوں تک سب وسیعہ کی کمی سے پریشان ہیں جو انجمن جاہل ہوتی ہو اسے سب سے زیادہ وسیعہ کی ضرورت ہوتی ہے مقامی افراد ذاتی افلاس کی وجہ سے اس کی مالی امداد نہیں کر سکتے۔ اس لیے لامحالہ اس انجمن کو اپنی حدود سے باہر جا کر دوسری انجمنوں کے علاقوں میں چندہ مانگنا پڑتا ہے، تب بھی پورا نہیں ہوتا۔ اس اعتراض سے بچنے کے لیے اکثر انجمنیں اپنے پوم و لاد سے ہی آل انڈیا ہونے کا دعویٰ کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے پرائی انجمنوں سے تصادم و تضاد سے فساد ہوتا ہے ہندوؤں میں ہر فرد اپنے اوپر قومی ٹیکس عائد کر لیتا ہے اور خود ادا کرتا ہے اپنے لیے میدان عمل قرار دے کر اپنی عمر اس کام کی تکمیل میں صرف کر دیتا ہے مگر مسلمانوں میں جس بدقسمت کے دل میں قومی

خدمت کی لگن پیدا ہوتی ہو اسے پہلے ہی دن سے گداگری کا پیالہ ہاتھ میں لینا پڑتا ہے جسے وہ اسلامی ریاستوں، بمبئی، رانندیر، کلکتہ، رٹلون میں لیے لیے چھٹا تا دو ماں دوسرے قومی گدا گروں کی ہشت مشیت اور گلخچ ہوتی ہو وہاں سے جو کچھ ٹھہپٹ کر لاتا ہو اسے بینک میں کھکر اس سے مستقل آمدنی پیدا کرنے کی جگہ چند روز میں قومی کاموں میں مصروف کر ڈالتا ہو اور کچھ عرصہ بعد گداگری کے لیے نکلنے پر مجبور ہوتا ہے وہ گداگری سے ہمیشہ میں ناکام ہو تب تو اس کی زندگی تلخ ہی ہو لیکن اگر وہ کامیاب بھی ہو اور کام چلانے کے لیے اسے کافی روپیہ مل رہا ہو تو یا تو بندوق صدائے مسلم وہ گنرم مناجو فروش بن کر چندے بھنم کرتا ہو اور اگر وہ دیانت دار ہو تو اس کے بھوکے بھائی بند قومی خدمت کے بہانے سے اس انجمن میں خلیل ہو کر یا ملازم ہو کر اس روپیہ سے مستفیج ہونا چاہا ہیں اور جب اس میں رکاوٹ ہوتی ہو تو فساد کرتے ہیں اخبارات میں مضامین لکھتے ہیں، بڑے بڑے پوسٹر لگاتے ہیں، سارکنوں کو پرنام کر کے ملک پر ان کے خلاف ناراضی پھیلاتے ہیں، غرض کہ مسلمان تکیا سائیت ہوں یا بدینیت، دیانت دار ہوں یا بد دیانت، قومی خیر خواہ ہوں یا بد خواہ، قوم کے عام افلاس کی وجہ سے سخت کشمکش اور ناہمی تنازعات میں مبتلا ہیں۔

افراد میں اختلاف کئی وجہ | جو کچھ عرض کیا گیا قومی انجمنوں اور قومی کاموں کا حال ہی اسی ہے مسلم افراد کو قیاس کر لیجیے کہ جو لوگ افغانی

ضروریات کی فکر میں شب و روز لگے رہتے ہیں اُن کے دماغ میں دوسروں کی بھلائی کا خیال کیسے سا سکتا ہے ہر شخص واقف ہے کہ جب ملک میں قحط پھیلتا ہے اور بھوک کی شدت ہوتی ہے تو کتنے آدمی بلا لحاظ مذہب و ملت کے اپنے بچوں کو بھون کر کھا جاتے ہیں۔ گویا افلاس اور ضرورت مند کی جسم کی ثقافت قلبی انسان میں پیدا کرتی ہے دنیا کی کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتی جب دو قومیں ملک گیری یا کسی دوسری ممالی خواہش سے ایک دوسرے سے لڑتی ہیں تو اُن کے آداب میں پھل ہے کہ مریضوں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے چھوڑ دیں مگر بھوک نہ بلا ہے کہ تمام تہذیب آداب اور مذہبی احکام تمام کو بلا سے طاق رکھ دیتی ہے اور انسان میں بدترین قسم کی عداوت اور بغض کو جائز نہیں کر دیتی۔

**خود غرضی فساد کی بنیاد ہے** اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام فسادات کی بنیاد خود غرضی پر ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خود غرضی زیادہ تر ضرورت مند کا نتیجہ ہے اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ وہ شکم سیر افراد کے سامنے دنیا کی نعمتیں پھری رہیں تو انھیں اُن کی طرف رغبت نہ ہوگی اور بھوکوں کے درمیان سوکھا ٹکڑا بھی پڑا ہوگا تو اُس کے لیے وہ ایک دوسرے کی جان لینے تک پر آمادہ ہو جائیں گے پس اسی پر ہمارے قوم کے افراد کو قیاس کر لیجیے کہ جب افراد میں ضرورت مندی زیادہ سے زیادہ ہو تو فساد تو انہیں کی روتے زیادہ سے زیادہ خود غرضی اور زیادہ سے زیادہ باہمی



فساد ہونا لازمی ہو جیسا کہ ہر مقام پر موجود ہو۔  
 مجھے چہرہ ہوتی ہو جب میں اپنی قوم کی نسبت یہ شکایت سنتا ہوں  
 کہ ہمارے افراد میں ایثار کرنے والے اُن اقوام سے کہیں کم ہیں جنہیں ہم  
 خیس اور ذلیل اور حقیر سمجھتے ہیں۔ مگر انصاف سے دیکھئے تو ایسی قومیں  
 میں ایثار کیسے پیدا ہو سکتا ہے جس کا اثاثہ محدود دیا نما ہو اور ضروریات  
 غیر محدود ہوں۔ غیر محدود اس لئے کہ دنیا بھر کے تحفہ سلطانی کی  
 ضروریات میں داخل ہیں۔ جو لوگ ناداری کی وجہ سے بھوکوں مرتے  
 ہیں وہ تو غیر کسی شہر میں نہیں مگر سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کو کہیں سے  
 کچھ ملے گا جانا ہو اُن کا بھی نصیب لین کیا ہو؟ ان کا نصیب لین ہو  
 لہذا پڑے لہذا نہ کھائے کھانا اور عمدہ سے عمدہ کپڑے پہننا اور اُن کے اعلیٰ  
 زندگی بسر کرنا اور یہ سب کچھ فرض نیکہ اور فرض بھی سودیہ جو انجام کار  
 تمام موجودات کو اُنم کر جائے۔

پچھلے چالیس پچاس سال مسلمانوں کے اس کوشش میں گزرے ہیں  
 کہ جاریہ علوم پر کھڑے سے اعلیٰ عہد سے جا لیں مگر جب اعلیٰ عہد پر  
 دس دس ہزار روپیہ ماہوار کا کرنا صرف یہ کہ قوم کی مادی ضروریات میں  
 کر سکتے بلکہ اخراجات سے خود پریشان رہتے ہیں تو صحیح طور پر یہ کہا جاسکتا  
 ہو کہ یہ قوم کی روپیہ پریشان رہتے ہیں۔

عیش پرست قومیں کفایت شعار ہیں | اول تو مسلمان طبقہ اشراف  
 واضح ہوئے ہے۔ اور انسان سے ان کے پیش نظر تہذیب ہو پاکستان کا

جو دنیا کی سب سے زیادہ دولت مند قوم ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اہل  
یورپ اور اہل انگلستان بڑے عیش پرست ہیں۔ اگر تمدنی سطح کے اعتبار  
سے دیکھو تو بے شک وہ بڑے عیش پرست ہیں لیکن اگر ان کی مادی دولت  
کے اعتبار سے دیکھو تو وہ نہایت کفایت شعار ہیں۔ ہم اپنے برادرانِ وطن  
کو بھی بڑا عیش سمجھتے ہیں مگر گریہوں کے موعوم میں آپ پہاڑوں پر جا کر بیٹھے  
تو کون لوگ وہاں کے مکانات اور بنگلوں کو ہونٹوں اور کلبوں کو گلیسے  
ہوتے ہیں اور کون لوگ وہاں زیادہ سے زیادہ روپیہ صرف کرتے  
ہیں؟ اس کا جواب ملے گا۔ ہمارے برادرانِ وطن! جو اپنی آمدنی کا  
ایک ادنیٰ جز و قریح اور آرام میں صرف کر دیتے ہیں اور وہ اس سرف  
اور عیش پرستی معلوم ہوتی ہے اور ہم اپنی غلطی سے سمجھتے ہیں کہ اعلیٰ تمدن  
دور جدید کا لازمی جزو ہے۔

مگر حضرات! وہ اعلیٰ تمدن جو خوش نصیب اقوام نے اختیار کر رکھا  
ہو وہ ان کی دولت کے مقابلہ میں خواہ کیسا ہی حقیر کیوں نہ ہو تاہم اس  
کی مصرت سے وہ لوگ بھی نہیں بچ سکتے۔

اعلیٰ تمدن کا اثر تجارت پر اور وہ مصرت یہ ہے کہ جب ادنیٰ طبقہ  
کے لوگ امر کو دیکھ کر زیادہ گراں زندگی بسر کرنے لگتے ہیں تو اس سے  
شرحِ مزدوری بڑھ جاتی ہے اور کارخانوں میں گراں مال تیار ہوتا ہے جو  
دنیا کے بازاروں میں ان ممالک کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو سستا مال  
تیار کرتے ہیں۔ آپ صاحبوں کو یقیناً معلوم ہو گا کہ اہل جاپان شوٹ

اتنا ارزا مال بتاتے ہیں کہ وہ دوسرے ممالک میں جا کر وہاں کے کارخانوں کو شکست دیتا ہے۔ چنانچہ اس وقت خود انگلستان اور ہندوستان کی کپڑوں کی ملوں پر جو مصیبت آ رہی ہے وہ سب جاپان کے سستے مال کی بدولت ہے۔

اہل جاپان کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر یہ علوم و فنون اور سائنس اختیار کرنے میں وہ سب سے آگے ہیں مگر تمدن کے اعتبار سے وہ ابھی بہت پیچھے ہیں۔ سنا ہے کہ وہ لوگ اب تک میز کرسی اور جدید کم کا فرنیچر استعمال نہیں کرتے بلکہ زمین پر نشست رکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وہ سادہ سے سادہ زندگی بسر کر کے زیادہ سے زیادہ ارزا مال تیار کر سکتے ہیں۔ ہمارے ملک میں جو اخلاص میں لا جواب ہے اور جس کی نسبت عام طور پر لکھا جاتا ہے کہ یہاں ۶۶ فی صدی آبادی کو بیشتر ایک وقت کھانا ملتا ہے، مزدوروں کو کارخانوں میں کام مل جاتا ہے تو وہ ہوٹلوں میں اچھے کھانے کھاتے۔ چار اور برف پیٹے۔ سگریٹ اور ٹلریٹ بی بی کرتے ہیں، تھیشروں، تماشوں میں اپنا روپیہ ضائع کرتے ہیں اور چار دن مزدوری نہ ملے تو شرم پر بھوکوں مرنے لگتے ہیں۔

جرمنوں کی سادگی کا نتیجہ اہل جاپان کو جانے دیجیے جن کی ترقی بھی چالیس پچاس برس سے شروع ہوئی ہے اور جو تمدن میں بہت پیچھے ہیں آپ جرمنوں کو دیکھیے جو یورپ کی سربراہ اور وہ قوموں میں سے ہیں کچھلی جنگ میں جب انھیں شکست ہوئی اور انھوں نے کثیر نقصانات اٹھائے

ٹوکل قوم نے اپنی مالی حالت کی درستگی کے لیے اس بکجہتی کے ساتھ کوشش شروع کی جو مسلمانوں کا کوئی ایک خاندان بھی نہیں کرتا۔ اہل جرمن کی نسبت سنا ہے کہ انھوں نے ایک قلم جملہ تکلفات ترک کر دیئے۔ کھانے کے اوقات گھٹا دیئے۔ ڈنروں اور لٹچوں کو جن میں بڑے ٹھاٹھ ہوتے تھے بالکل اڑا دیا۔ جو لوگ ہزاروں روپیہ کھانے پینے میں صرف کرتے تھے انھوں نے ملک سے نفع کے لیے سوکھے ٹکڑوں پر بس اوقات کرنی شروع کر دی۔ صبح آٹھ بجے جیب میں بسکٹ ڈل روٹی ڈال کر کام سرچلے گئے دن میں جب بھوک لگی جیب میں سے ڈو ٹکڑے روٹی کے نکال کر کھائے۔ ٹکڑے کو ٹھنڈا کر لیا اور چند روز میں اس کا نتیجہ دکھا دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اس قدر کم قیمت پر چیزیں خریدیں کہ اسے اہل انگلینڈ اپنے دارالامرا کے لیے خریدنے پر مجبور ہوئے۔ اور اب تجویز دینش ہے کہ دارالعوام کے لیے بھی جرمنی کا سستانہ خرید لیا جائے جس کی مخالفت انگلستان کے تاجر بڑے زور سے کر رہے ہیں۔

**ہمارا نصب العین** | پس ای حضرات! جب انگلستان جیسا دولت مند ملک اعلیٰ تمدن کے ہاتھوں پریشیاں ہو تو اہل ہند اور ان میں بھی غریب مارٹن مسلمانوں کا کہاں ٹھکانا ہوگا۔

حضرات! بعض صحاب کو میری شوخی کی نسبت غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ دولت کما کر نیشنل اہل یورپ کے عیش و سرور میں حصہ لیں۔ حالانکہ میرا

میرا انصبا لعین یہ ہو کہ مسلمان کم سے کم خفیہ کر کے زیادہ سے زیادہ روپیہ پیا لکریں اور اپنی ذات پر نہیں بلکہ اپنی قوم پر زیادہ سے زیادہ روپیہ صرف کریں۔ ہمارا انصبا لعین حالی کے یہ چند اشعار میں جانتے ہو اے عزیز و عزیزانِ جنرل  
گو کہ ہر فرد کے حق میں خصلتِ کیمیا حق میں لیکن قوم کے یار و پیشتار ہم تن پہ تھا فاروقِ عظم کے بھٹا کر ناگہ

قلم کی خاطر بھی نیک کی ایک کیمیا کیم  
**برادرانِ وطن کی سادگی** | آپ صاحبوں میں غالباً اکثروں کو اس امر سے اتفاق ہوگا کہ اس وقت ہمارے برادرانِ وطن میں اکثروں کا ان اشعار پر عمل ہے میں ان کے ادنیٰ سے ادنیٰ حیثیت کے لوگوں کو کھانا ہوں کہ چنے چا چا کر نیگے بن رہ کر سخت سے سخت زندگی بسر کر کے جو کچھ پس انداز کرتے ہیں اس سے پیادہ قائم کرتے۔ کنوئیں بناتے دھرم مالے تعمیر کرتے اور دریں گاہوں سے لیے بڑے بڑے اور قائم کرتے ہیں۔ میں نے غریب ترین پکنہاریوں یعنی رسوئی کرنے والی عورتوں کو دیکھا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کا پیسہ پیسہ جمع کیا ہوا اثاثہ سجاے حلوسے اور مٹھائیاں کھانے اور اپنے لیے بچہ مٹا بنوانے کے عوام الناس کے لیے کنواں بنوانے میں صرف کر دیا۔ ہر شہر میں ادھر ادھر گھومنے سے اس قسم کی فیاضیوں کی نظیریں بکثرت ملیں گی جن کا مقابلہ ہماری قوم کے وہ تنہیم یافتہ حضرات بھی

عام طور سے نہیں کر سکتے جو ہزاروں روپیہ ماہوار کھاتے ہیں۔  
مسلمان تعلیم یافتہ لوگوں میں سے وہ شخص اپنے آپ کو کامیاب  
سمجھتا ہے جس نے مدت العمر کی کمائی میں جدید طرز کا پختہ مکان بنوا لیا  
ہو اور جس نے سول لائسنس میں کوئی کوٹھی تعمیر کرائی ہو۔ اس کی خوشحالی  
کی تو کوئی حد و انتہا ہی نہیں کیوں کہ جس قسم کے گریہ کے بنگلوں میں  
وہ بوجہ اپنے عہد سے کے دوران ملازمت میں رہتا رہا۔ اسی قسم کے  
مکان میں بحالیشن کے رہنا نصیب ہوا اور اس گویا یہی زندگی کا مال  
تھا۔

برخلاف اس کے ہمارے برادران وطن میں کار خیر جاری کرنے  
والوں کی تعداد نظیر میں موجود ہیں۔ حال میں انفارمات میں آپ نے مشر  
نگکارم صاحب انجینئر کے حالات پڑھے ہوں گے جنہوں نے طلباء کی تعلیم  
کے لیے اور انہیں مختلف حکمہ جات کے لیے تیار کرنے کی غرض سے ایک  
بڑا وقفہ قائم کیا ہے اور سب سے بڑا کام جو انہوں نے اپنی کمائی کے  
روپیہ سے کیا ہے وہ یہ ہے کہ تیس ہزار ایکڑ بھارت زمین کو گورنمنٹ سے  
ٹھیکہ پر لے کر اس میں تیس لاکھ روپیہ لگایا اور وہاں پانی پہنچا کر اسے  
اس قابل بنا دیا کہ اس سے تیس ہزار آدمیوں کی خوراک پیدا ہو وہاں  
سے کمبریوں خدمت گاروں اور تاجروں کو مل کر ایک لاکھ آدمیوں کی  
پرورش کا انتظام ہو گیا ہے اور اس بیکار طبقہ آرمی کی قیمت کا تخمینہ  
چار پانچ کروڑ کے درمیان کیا جاتا ہے یہ مقام پنجاب میں ہے۔

اس کام کو اگر ذاتی بھی قرار دیا جائے تب بھی اپنے نفع کی وسعت کے لحاظ سے اس کا شمار ہر طرح پر بہترین قسم کے پبلک کاموں میں ہو سکتا ہے کیونکہ ہر ملک میں چند افراد ہی اپنا کمایا ہوا روپیہ زمین کو اس طرح کا زبرد بنانے میں لگائیں تو کل ملک تھوڑے عرصہ میں آباد خوش حال اور کلچر بن جائے اور کروڑوں آدمی خود دارانہ زندگی بسر کرنے لگیں۔ مگر اس قسم کے مفید کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنے جذبات پر قدرت رکھتے ہیں اور اپنی ذات پر کم سے کم صرف کرتے ہیں۔

اصلاح رسوم میں مسلمان اب سوال یہ ہے کہ مسلمان اپنی ذات کیوں ناکام ہیں

بعض صحاب کا خیال ہے کہ مسلمانوں کو اس امر کی طرف توجہ نہیں ہے مگر میرا ذاتی خیال اس کے خلاف ہے۔ میں چین سے مستنسا آیا ہوں کہ مسلمان شادیوں اور مراسم میں بہت خرچ کر کے تباہ ہوتے ہیں۔ ایک زمانہ میں علماء و دین کا پیشنہ چکا کہ وہ اپنے وعظوں اور تقریروں میں کم خرچ کرنے اور خلاف شرع رسوم بند کرنے کی نصیحتیں کیا کرتے تھے ان علماء کرام کے اثر سے عرصہ تک شادیاں اس طرح ہوتی تھیں کہ عجم کی نماز کے بعد نکاح پڑھا دیا جاتا اور دلہن کو اسی وقت معمولی کپڑوں میں رخصت کر دیا جاتا تھا۔ کچھ عرصہ تک مگر رفتہ رفتہ پھر وہی مسرفانہ رفتار قائم ہو گئی اور واعظ اور صاحب خود گروہ پیش سے مغلوب ہو کر زیادہ صرف کرنے لگے ان میں سے جو ناخبر ہال

اور خوش حال ہیں وہ اپنے بچوں کی شادیوں میں مثل جہلا کے ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ اگرچہ رفتہ رفتہ مسلمان اس قدر مفلس ہوتے جاتے ہیں کہ انھیں شادیوں میں زیادہ صرف کرنے کی استطاعت ہی نہیں رہی۔

**کفایت شعار مسلمانوں کا انجام** | بہر حال اس کی وجہ کیا ہو کہ باوجود ان احساسات کے کم مسرف ہیں اور ہم سے اسراف نہیں چھوڑتا؟

بہ چھوٹے کی وجہ صرف یہ ہو کہ جو کچھ ہم بچاتے ہیں اس کا صحیح مسرف نہیں نہیں معلوم بلکہ بچا یا ہوا روپیہ ہمارے لینے والے جان ہوجاتا ہے اس لیے مجبور ہو کر ہم کسے صرف کر ڈالتے ہیں۔ تھوڑے روپیہ کی ہر وقت جائداد نہیں مل سکتی۔ وہ بھی موقع سے ملتی ہو۔ زیور کی شکل میں رکھیں تو شخص کی اس پر نظر پڑتی ہو۔ بالخصوص جب کہ عام سوسائٹی نادار ہو تو چند افراد کے زیوروں پر ہی ہی نظر پڑتی ہیں۔ چہرہ کہ زیور کی وجہ سے عزت آبرو خطرہ میں رہتی ہو اور اس کی وجہ سے حادثات پیش آتے رہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہو کہ روپیہ کو زمین میں دفن کر دیا جائے اس سے اول تو روپیہ بیکار پڑا رہتا ہو جس سے روپیہ والے کا حوصلہ نہیں بڑھتا۔ اور اس کا خیال بھی نہ ہو تو بالعموم دفتینہ کا انجام یہ ہوتا ہو کہ عزیز واقارب حتیٰ کہ خود اولاد تھوڑا تھوڑا روپیہ نکال کر ختم کر دیتی ہو۔ کاش اس طرح نکالا ہوا روپیہ کسی کارآمد مصرف میں لگے تب بھی کچھ تو مفید ہو۔ مگر وہ بالعموم عیاشی میں ختم ہو جاتا ہو۔ میں نے بعض دفتینہ والوں کو دیکھا ہو کہ وہ اس کی حفاظت کے لیے راتوں جاگتے ہیں اور



جاگنے کے لیے ایفون کھلنے لگتے ہیں۔ غرض کہ جو لوگ مسلمانوں میں روپیہ بچا کر رکھتے ہیں ان کی مٹی بھی سسروں سے کچھ کم خراب نہیں ہوتی۔ اور یہ سب کچھ صحیح نصب العین نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

زیادتی دولت سے امریکہ کی پریشانی | صحیح نصب العین یہ ہے کہ آپس انداز کیا ہوا پیسہ بھی ایک منٹ کے لیے بیکار نہ رہے بلکہ کسی نفع آور کام میں لگے۔

ہمارے ملک میں دیگر ممالک کا کرڈوں، اربابوں، روپیہ تجارت اور کارخانوں میں لگا کر بچھلے دنوں جب امریکہ میں دولت کی افراط ہوئی تو وہاں کے عقلا کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اگر کچھ وہاں یہ روپیہ ملک میں ٹھہر گیا تو افراد قوم سُرف اور عیش پرست ہو جائیں گے جس سے انجام کار ملک کی تباہی ہوگی۔ اس لیے اہل امریکہ نے جلد سے جلد بہت سا روپیہ دیگر ممالک کو قرض دے دیا۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ یورپ و امریکہ سے روپیہ آکر تو یہاں اٹھ آئے سیکڑہ پرفرض دیا جاتا ہے اور خود ہمارے ملک کا روپیہ یہاں تو اور تین روپیہ سیکڑہ ماہوار پہنچتا ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنی کمائی صرف کر ڈالنے کے بعد ہر دم ذاتی ضرورت کی وجہ سے ہر شرح سود پر قرض لینے کو تیار رہتے ہیں۔ اس لیے ملک کا زیادہ تر روپیہ مسلمانوں کی بددعا غیر نفع آور کاموں میں لگا رہتا ہے۔ گو یا مسلمان ہی زیادہ تر اس ملک میں رہا اسکے ذمہ دار ہیں جو نہ صرف یہ کہ اپنا کمایا ہوا روپیہ نفع آور

کاموں میں نہیں لگاتے۔ بلکہ دوسروں کا روپیہ بھی سو دیا رہو پڑے کر صرف  
 کر ڈالتے ہیں اور اس طرح ملک کی حقیقی ترقی میں مانع ہیں۔ غرض کہ مسلمان اگر  
 یہ چاہتے ہیں کہ وہ اسراف سے بچیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنا کمایا ہوا روپیہ  
 بلکہ اسدست نفع آور کاموں، بینکوں اور روپیہ کے کاروبار میں لگائیں  
 بغیر روپیہ کے کاروبار میں شرکت کے تجارت اور صنعت محض فرضی اور  
 خیالی الفاظ ہیں، کیونکہ کوئی تجارت اور صنعت بغیر سرمایہ کے قائم  
 نہیں رہ سکتی اور تجارت و صنعت تو بری چیزیں ہیں۔ مسلمانوں پر یہ  
 کام زبانی ہونے کی وجہ سے افراد میں، عزیزوں میں، احباب میں، بھائیوں  
 میں اس درجہ رقابت، رشک و حسد، بغض اور عداوت ہو جس کی نظیر  
 دنیا کی کسی قوم میں مشکل سے مل سکے گی

ہماری بریادگی کی اصلی وجہ یہ بھی صحیح نہیں ہو کہ دوسری قومیں مای

دشمن ہیں اس لیے ہم تباہ ہو رہے ہیں تو میں ہمیشہ سے ایک دوسرے کی دشمن بنی رہی ہیں اور دوست  
 بھی جب مسلمان ابتدا میں کمزور تھے تب انہیں تمام دنیا دشمن نظر  
 آتی تھی اور تب واقعی دوسری قومیں مسلمانوں کی دشمن ثابت ہوتی  
 تھیں۔ کیوں کہ بوجہ اپنی قوت کے اور مسلمانوں کے ضعف کے وہ  
 مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتی تھیں جب مسلمانوں کی قوت بڑھی تو  
 انہیں دشمن قوموں میں سے بعض قومیں مسلمانوں کی دوست ہو گئیں  
 اس کے بعد نظام عالم صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے مسلمان پھر کمزور

ہو گئے اور اب انھیں دنیا بھر پھر دشمن نظر آنے لگی۔ اب اس کا علاج  
 یہ نہیں ہو کہ ہم دنیا کی قوموں کو دشمن سمجھ کر انھیں کو سا کریں اور گالیاں  
 دیا کریں یا کسی قوم کی چا پوسی کر کے اُس کے دوست بنانے کے خیال  
 میں توضیح اوقات کریں یہ سب کمزوری کی علامتیں ہیں صحیح طریقہ یہی ہے  
 کہ جن ذرائع سے دیگر قوم قوت حاصل کر رہی ہیں ہم انہیں سمجھ کر انھیں مانع  
 سے قوت حاصل کریں۔ اب تو ہماری مثال بالکل ان لوگوں کے مانند ہے جو  
 جو کسی گھر سے کھڑے ہیں جا پڑیں۔ اسے اوپر سے کوئی شخص ایکٹ میٹنگ  
 پھینک دیتا ہو تو وہ نیچے والوں کے گولی کی طرح لگتا ہو یا کشش ارضی  
 کی وجہ سے کوئی پتھر اوپر سے لڑھک کر آتا ہو تو وہ سمجھتے ہیں کہ اسے اوپر  
 چلنے والوں نے دانستہ پھینکا ہو۔ اس کے جواب میں کھڑے والے جو پتھر زور  
 لگا کر اوپر والوں پر پھینکتے ہیں وہ اتنا لوٹ کر خود انھیں پر گرتا ہی۔ پھر  
 یہ کہ جو لوگ اوپر کی صاف ہوا میں رہتے ہیں وہ جہت و چالاک ہیں  
 خوب بھاگتے ہیں۔ دوڑتے ہیں۔ اور سرخ و سپید بنے ہوئے ہیں اور یہ  
 لوگ نیچے کی زہریلی ہوا میں ہر جہاں ہاتھ پاؤں مارنے میں مگراں سے چار  
 قدم نہیں چلا جاتا اس حالت کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ہم میں قوت نہیں ہی  
 اُس کے حامل کرنے کے لیے طے طے کی ورزش کرتے ہیں جو انھیں اور زیادہ  
 تھکا کر بیدم اور کمزور کیے دیتی ہیں۔ پھر ایکٹ تنفس ان میں سے کہتا ہے  
 کہ پُرانی قسم کی ورزشیں بیکار ہیں۔ جدید قسم کے "وسل" کی ورزش کرو۔ کچھ  
 لوگ اُس سے اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر دونوں کی

کوششوں کا نتیجہ بیچ ہوا اور تیسرا شخص اگر ایسی ورزش بتاتا ہے جس میں کچھ نئی اور کچھ پرانی ورزشیں ہیں اور جن سے بدیہی طور پر اوپر رہنے والے لوگ زیادہ تندرست رہتے چلے جاتے ہیں۔ مگر کھڑ والوں کے لیے یہ بھی قطعاً بیکار ثابت ہوتی ہیں پھر ان میں سے کوئی تیسرا شخص اور نیا طریقہ تجویز کرنا ہے جس کی بڑی مخالفت ہوتی ہے اور سب کا نتیجہ روز افزوں کمزوری اور نفاق و شقاق کی زیادتی ہوتا ہے اور یہ کمزوری اور نفاق بند بیچ بڑھتے رہیں گے جب تک کہ وہ لوگ اس سہی ہوا سے نکل کر تازہ ہوا میں نہ داخل ہوں جو طبیعت کو اچھا کرنے دوران خون بڑھانے اور جسم میں حقیقی قوت پیدا کرنے والی ہے سہی ہوا افلاس و اسراف ہے۔ اور صحت بخش ہوا اسرا یہ ہے جس کے بغیر کسی قوم کا صحیح طور پر پیشو و منہا نہیں ہو سکتا۔ اور جس کے بغیر قومی ترقی کی کوئی تاکید کارآمد نہیں ہو سکتی۔

نومبر ۱۹۲۵ء

## مسلمانان پنجاب کی اقتصادی حالت

یہ وہ لکچر ہے جو سٹیفیل احمد صاحب نے انجمن حمایت الاسلام لاہور کے گزشتہ سالانہ جلسہ میں دیا تھا اور جس کو انجمن حمایت اسلام نے کثیر تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا۔ یہ لکچر بعض اخبارات میں بھی شائع ہو چکا ہے مگر ناظرین سود مند کے کے لیے خاص طور پر اس جگہ درج کیا جاتا ہے تاکہ مسلمانوں کی اقتصادی

حالات کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات سود مند کی جلدوں میں

یکجا جمع ہو جائے

تمہید | میرے لیے یہ باعث فخر و مسرت ہو کہ مجھے آج اس صوبہ کے مسلمانوں کو خطاب کرنے کا موقع ملا جو جہاں کے مسلمان بہ لحاظ تعداد، تعلیم، تولد و جسمانی قوت اور جرأت و مردانگی کے نیر نقول سرسید مرحوم بلحاظ اپنی ”زندہ دلی“ کے دوسرے صوبوں کے مسلمانوں سے ممتاز ہیں۔ موجودہ حالت میں مسلمانان پنجاب نہ صرف اپنے صوبہ میں نہایت جوش و سرگرمی اور لوالہ العزمی سے قومی و تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں بلکہ ان کی سعی و عمل کے نتائج سے دوسرے صوبوں کے مسلمانان بھی مستفید ہوتے ہیں۔ چنانچہ علاوہ آپ کی دیگر اماؤں کے حال میں مجھے صوبہ متحدہ کی انجمن جمعیت تبلیغ سے ملو ہوا کہ اس کی مالی امداد میں پنجاب کا ہر حصہ ادا ہذا یہ قدرتی امر ہو کہ تمام ہندوستان کے مسلمان آپ کو محبت اور عزت کی نظر سے دیکھیں اور اگرچہ ہجوم و انکار و مصائب میں پہلی اعما و تو خداوند تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہیے لیکن اس مادی دنیا اور عالم اسباب میں مصیبت کے وقت مسلمانان ہند کی نظریں آپ ہی پر پڑتی ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ | لیکن ای بزرگان پنجاب اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی ہو جو نہایت ایس کن ہو آپ ذرا اس کمزور اور نحیف انجمنہ شخص کی مایوسی اور دلی رنج و کلفت کا اندازہ کیجیے جو اپنے جہاں مرد و لوالہ العزم اور بلند بالا بھائی کے خون میں بھی وہی مہلک جراثیم دیکھنا دیکھنے والے خود اس کی

جسمانی نشوونما کو روک دیا ہوا اور اس کو پتہ مردہ اور مضحل بنا رکھا تو  
 خفیہ اگتہ بھائی سے میری مراد دوسرے صوبہ کے مسلمان ہیں جو اپنے  
 قومی مسئلہ پنجابی بھائیوں کو اپنے جیسے امراض میں مبتلا دیکھ کر افسرہ  
 و مایوس ہیں۔ اسے بزرگو! یہ مہلک جراثیم "افلاس و تنگدستی" کے ہیں  
 جنہوں نے کم و بیش پنجاب کے مسلمان بھائیوں کو بھی نہیں چھوڑا ہوا حالانکہ  
 یہاں قانون انتقال آرہی کا عرصہ سے نفاذ ہو جس کی وجہ سے خصوصیت  
 کے ساتھ مسلمانوں کی جائیدادیں جو عموماً زبردبار رہتی ہیں محفوظ ہیں۔ شاید یہ  
 ایک بدنامی بات ہوگی کہ ایک غیر مسترت و لولہ انگیز جلسہ میں جہاں دور  
 دراز کے مسلمان اپنی محبوب انجمن کی مالی امداد اور کام کرنے والوں کیوصلہ  
 افزائی کے لیے آئے ہیں مسلمانوں کے افلاس اور بے مائیگی کی داستان سنا کر  
 افسرہ و دل آفرینہ کند اگتہ را، کا مصداق بنوں مگر اسی حضرات ایک لمحہ تال  
 بیکیجیہ۔

۳۔ دودھ والی گائے | میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم روزانہ جس گائے کا  
 کے چارہ کا انتظام دودھ دیتے ہیں اس کے چارہ اور دانہ کی  
 بھی فکر نہیں تاکہ دودھ خشک نہ ہو جائے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جن مسلمانوں  
 کی اعانت کی بدولت تمام قومی کام چل رہے ہیں ہم کو ان کی مالی اور  
 اقتصادی حالت پر بھی توجہ کرنی چاہیئے اور اس کی ترقی کے لیے بہترین  
 تدبیر اختیار کرنی چاہئیں تاکہ مسلمان آئندہ بھی نہ صرف قومی کاموں میں  
 امداد دینے کے قابل بنے رہیں بلکہ اس قدر متمول ہو جائیں کہ ان کا ایک ایک فرد

ایک ایک قومی انسٹی ٹیوشن کو اپنی ذاتی اعانت اور فیاضی سے چلا سکے اور قومی کارکنوں کو روز روز کے چندوں اور دیوڑھ گری سے مستغنی کر دے۔ ایسا ہونا کچھ ناممکن نہیں ہے۔ یورپ اور امریکہ کی مثالوں سے قطع نظر کہ صرف ہندوستان ہی کی مثالوں کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ غیر مسلم اقوام میں ہزاروں افراد ایسے ہیں جنہوں نے محض اپنی ذاتی فیاضی، اولوالعزمی، بلند جوہلگی سے بڑے شاندار کام اپنی قوم کے لیے جاری کر رکھے ہیں اور اس قسم کی فیاضیوں کی مثالیں معمولی معمولی تھبات تک میں موجود ہیں اور یہ نتیجہ اس بات کا ہے کہ اُس قوم کے افراد دو لکھتے ہیں اس لیے وہ ہر موقع پر فیاضی اور اولوالعزمی کا اظہار کرتے ہیں لہذا ان کے تمام قومی کام سرسبز و شاداب ہیں لیکن مسلمانوں کے تمام قومی کام ان کی بے انگلی اور ناداری کی وجہ سے پژمردہ اور فسرہ حالت میں ہیں۔

شروع میں میں نے پنجاب کے مسلمانوں کی مالی حالت پر جو اظہار طمانیت کیا اس سے مقصد یہ تھا کہ دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کی نسبت ان کی حالت فی السحابہ بہتر ہو لیکن اگر برادران وطن سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو ان کی حالت بھی قابل اطمینان نہیں بلکہ لائق مدح و حسرت و افسوس ہے۔ ہم اخبارات سے اقتباس | اس کا پتہ کچھ تو اخبارات سے چلتا ہے اور کچھ سرکاری رپورٹوں سے۔ اول اسلامی اخبارات سے کچھ اقتباسات پیش کروں گا مثلاً اخبار وکیل نے ایک مرتبہ امرتسر کے مسلمانوں کے متعلق لکھا تھا کہ اگر تم کسی مسلمان محلہ میں چلے جاؤ تو تم ان تنگ تنگ تاریکیوں میں عجیب و وحشت نرا خاموشی پاؤ گے

اور اس خاموشی کا طلسم توڑنے کے لیے یا تو کسی برہمنہ و نیم گرسنہ بچے کی چیخ و پکار  
سُنو گئے یا کسی برقع پوش عورت کے خجیف و لاغرا تھا دیکھو گئے جو برقع سے نکل کر  
خیرات کے لیے پھیلے ہوں گے۔ دوسرے موقع پر لکھا تھا اعلیٰ المصالح جب سے دنیا  
کی قومیں اپنا کاروبار انجام دینے کے لیے بیدار ہوتی ہیں تو کانونوں میں لٹا کر  
کی جرنیلی صداؤں کے ساتھ گدا گروں کی اُدھی پیدا کرنے والی درواگیر تازیانی  
بھی آتی ہیں جو حساس و لوں کو بے چین کیے بغیر نہیں رہتیں۔ یہ گدا کروں کو لگ  
ہیں ذرا تحقیق کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان میں دنیا نو سے فی صدی مسلمان ہیں۔  
ان میں بچے بھی ہیں بوڑھے بھی ہیں۔ یہ دل خراش نظارہ سارا دن اور بہت  
راستے تک لکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ آہ یہ حقیقت کس قدر افسردہ کرنیوالی  
ہو کہ مسلمان ہر شعبہ زندگی میں گداگری پر مجبور رہیں اسی طرح حال میں امرتسر  
سے منظورموں کی فریاد کے عنوان سے ایک عرصہ اشتغال ہوئی تھی  
ظاہر کیا گیا ہے کہ امرتسر کے اہل ہندو تاجر اور صاحب ثروت ہیں اور  
مسلمان عام طور پر غریب اور مزدوری پر مشغول ہیں۔ اہل ہندو نے سنگھٹن قائم  
کر کے اپنی قوم کو منظم کیا جس کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا جائے  
اور اس طرح سے کمزور کر کے اور دباؤ ڈال کر بالآخر دے کر پرستاران توجہ کو  
مرتب بنایا جائے۔

ایک عام مقولہ ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کی دولت اور اپنی عقل نہ زیادہ  
معلوم ہوتی ہو ممکن ہے کہ اس قول کے مطابق مسلمان کو اپنی دولت کم معلوم  
ہوتی ہو مگر مسلمانوں کے واقعی انداز اس سے ہوتا ہے کہ اب کچھ



برادران وطن بھی نہ صرف اپنے دلوں میں مسلمانوں کو نفیس سمجھتے ہیں بلکہ علانیہ اپنے اخبارات میں اُن کے متعلق اس کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ اخبار کمیسری میں لالہ دوفی چند صاحب کی ایک تحریر شائع ہوئی تھی جس کے چند الفاظ یہ ہیں:-

ہندوؤں کے پاس ایک طاقت ہو اور وہ طاقت روپیہ کی طاقت ہو جس سے وہ فرائض عظیم حاصل کر سکتے ہیں۔ انفرادی اور مجموعی حیثیت سے ہندو مسلمانوں سے بدرجہا زیادہ دولت مند ہیں پنجاب کے تقریباً ہر ایک قصبے میں اگر ایک مسلمان ایسا ہو جس کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہو تو اس کے مقابلہ میں ایک لاکھ روپیہ رکھنے والے میں ہندو ہیں۔“

میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی علمی معاشرت اور ظاہری چھا ٹھ سے لالہ صاحب کو چسپن ظن پیدا ہوا کہ قصبات میں بعض مسلمانوں کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہو۔ میرا خیال ہو کہ شہروں میں بھی بہت کم مسلمان ایسے نکلیں گے کہ جن کے پاس نقد ایک لاکھ روپیہ ہو۔ بہر حال برادران وطن ہماری مالی کمزوری سے کم و بیش واقف ہو گئے ہیں جس سے اُن میں یہ اولوالعزمی پیدا ہوگئی کہ وسیع پیمانہ پر انھوں نے اشدھی کا کام جاری کر دیا۔ چنانچہ لائل گزٹ نے ایک باب لکھا تھا کہ درمیانہ نہ را چو تولں کا ارتداد تمام مسلمانوں کے ارتداد کی تمہید ہو اور ایک تقریر میں پنڈت نرسنگھ دیو صاحب شاستری پروفیسر اور نیشنل کالج لاہور نے فرمایا تھا کہ:-

ہندو جاتی پھر اپنی ہندو جگہ حاصل کرے گی وہ وقت آنے والا ہوگا۔

جب کہ اس دیش کے تمام غیر ہندو پھر ہندو بن جائیں گے  
اور ان کے دھرم استھانوں پر ویک دھرم کا جھنڈا  
لہرایے گا۔

خدا نہ کرے۔ ایسا بھی ہو اور ہونا نہ ہونا دونوں خدا کے اختیار میں ہے  
تاہم ان اقتباسات کے پیش کرنے سے میری غرض یہ ہے کہ ایک طرف ان  
وٹنگ دستی سے بہت ہمتی اور افسردگی پیدا ہو رہی ہے دوسری طرف کثرت  
سے حوصلہ ہمت اور اولوالعزمی بڑھ رہی ہے اور چونکہ حیات ملی کے لئے افسردگی  
سم قائل ہے اور ہمت و مردانگی مثل حرارت غریبی کے ہیں تو کیا مسلمانوں کا  
یہ سب سے اہم فرض نہیں ہے کہ وہ دیگر تداریک کے ساتھ قومی جسم کی حرارت  
غریبی قائم رکھنے کی بھی فکر کریں۔

۵ تعلیم پر افلاس کا اثر اب تک مسلمانوں نے اپنے تمام قومی امراض  
کا علاج تعلیم کو سمجھا اور اسی میں ترقی کرنے کے لئے تمام تر کوششیں کیں اور  
کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ تعلیم ہی ایک ایسی چیز ہے جو قومی  
امراض کے لئے اکسیر کا کام دیتی ہو مگر اب جو وقت پیش آ رہی ہے وہ یہ ہے  
کہ کافی تعداد میں اکسیر بھی خریدنے کی ہمت مسلمانوں میں نہیں رہی یعنی یہ کہ  
قوم کے بچے کثیر تعداد میں اسکول کی تعلیم ختم کر کے اعلیٰ تعلیم اس لئے حاصل  
نہیں کر سکتے کہ ان کے پاس روپیہ نہیں ہوتا۔ اپنے اس خیال کی تائید میں  
ذیل کے اعداد پیش کرتا ہوں۔

## تعداد طلباء ۱۹۲۲-۲۳ء میں

نمبر ترتیبی	نوعیت	تعداد مسلمان طلباء	تعداد ہندو سکولہ طلباء	مسلمانوں کی نسبتاً بڑے ہندو سکولہ طلباء
۱	پرائمری و ثانوی اسکول	۳۳۱۲۶۳	۲۳۱۰۰۹	۱
۲	ابتدائی مدارس	۱۸۲۱۲۷	۱۷۱۰۴۳۲	۱
۳	ثانوی مدارس	۱۵۰۹۳۵۶	۱۳۲۰۹۸۳	۵
۴	ٹیکنیکل ڈگری انجینئری، صنعتی و تجارتی اسکول	۵۱۲۳	۶۹۱۶	۵
۵	مختلف علوم کے کالج	۱۰۸۳	۳۰۶۸۸	۱ سے کم
۶	قانون ڈگری، موسیقی، ٹیکنیکل، تجارتی کالج	۱۳۱۱	۴۰۶۵۵	۱ سے کم

مندرجہ بالا نقشے سے ظاہر ہے کہ مسلمان بچوں کی تعداد ابتدائی تسلیم میں ہر اور ان وطن سے زیادہ ہو لیکن اوپر کے درجوں میں ہندو رج گھٹتی چلی جاتی ہے جسے کہ کالجوں میں ایک ٹمٹ سے بھی کم رہ گئی ہے اور میرے نزدیک یہ بہت کچھ افلاس کا نتیجہ ہے۔ اس کے علاوہ عمدہ قسم کی یونیورسٹیاں جن میں صنعتی، انجینئری اور ڈگری تعلیم کا انتظام ہوتا ہے کچھ کرنے کی استطاعت مسلمانوں میں بالکل نہیں ہے جن کی اس زمانہ میں سخت ضرورت ہے اور جن کی اہمیت اس درجہ پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ اب سائنس اور صنعتی تعلیم کے مقابلہ میں علوم عامہ کی تعلیم ایسی ہی بیکار سمجھی جاتی ہے جیسے کہ مشرقی علوم کی تعلیم کسی زمانہ میں انگریزی مدارس کی تعلیم کے

مقابلہ میں سمجھی جاتی تھی اور اسی وجہ سے انہیں حمایت اسلام مجبور ہوئی ہو کہ وہ اپنے کالج میں سائنس کا شعبہ کھولے جس میں کثیر سرمایہ کی ضرورت ہوگی۔

لکھے پڑھے لوگوں کے پیشے | وقت تنگ ہو اس لیے میں اور زیادہ

تعلیمی اداروں کو لانے یا ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ نہ لے کر انہیں آپ کا قیمتی وقت صرف نہ کرونگا کیونکہ ان امور کا چرچا تو اخبارات وغیرہ میں رہتا ہے البتہ چن وہ پیشے جو مسلمانوں سے مخصوص تھے ان میں مسلمانوں کی

تعداد دکھانا ضروری سمجھتا ہوں۔

الف قانون | مکمل مختار قاضی محرم عریض نویسی وغیرہ

۲,۸۳۵

مسلمان ۲,۲۸۹

۴,۳۳۲

دیگر اقوام ۶,۰۱۲

گویا کہ قانون پیشہ صحاب میں شمول عریض نویسیوں اور محرموں کے مسلمان

صرف ایک تہ ہیں۔

مسلمان ۲۵,۹۳۳

ب۔ ڈاکٹری و طب

دیگر اقوام ۲۲,۶۸۳

ڈاکٹری اور طب کی تعداد رپورٹ میں یکجائی دی گئی ہے۔ ڈاکٹری میں یقینی طور پر دیگر اقوام کے افراد بہت زیادہ ہیں۔ طب کے پیشہ میں کسی قسم کی روک نہیں ہو اور اس میں علوم جدیدہ کی ضرورت نہیں ہو اس لیے مسلمانوں کی تعداد اس میں اس قدر زیادہ ہو کہ اس نے کل خانہ میں ان کی تعداد دیگر اقوام سے کسی قدر بڑھادی۔

ج. تعلیم مگر اسی کے ساتھ صیغہ تعلیم میں جو مسلمانوں کا خاص پیشہ تھا مسلمان کم ہیں۔

پروفیسر اور دیگر استاد کلرک وغیرہ

۹۶۱

۲۱,۶۲۲

مسلمان

۲۱۰۰

۳۰,۳۸۴

دیگر اقوام

و علوم و فنون مردم شماری کی رپورٹ میں ایک مدعلوم و فنون یعنی

Letter Arts & Science

کی ہے۔ اس مد کی تفصیلات اس اعتبار سے قابل توجہ ہیں کہ ان میں اعلیٰ درجہ کے کاموں میں مسلمان کم اور ادنیٰ درجہ کے کاموں میں زیادہ ہیں انکی تفصیل یہ ہے:-

مسلمان	دیگر اقوام	
۸,۸۹۲	۱۷,۹۸۸	۱۔ محاسبہ خزانچی نصف
۵۹۶	۱,۱۶۳	۲۔ کلرک اور ٹائپ کرنے والے نصف
۲,۰۸۳	۳,۳۶۶	۳۔ انجینیرس، روپر وغیرہ نصف
۱,۶۶۸	۲,۱۴۹	۴۔ مصنف اخبار نویس نقاش مصو غیرہ نصف
۵۲,۶۵۵	۸,۳۱۱	۵۔ ڈراما نویس گوئیے ایکٹر ناچنے والے بچہ گونے
۳,۰۲۸	۱۲,۳۷۷	۶۔ عالی رتبی منجم بھاٹا وغیرہ چہارم

یعنی محاسبوں، کلرکوں، انجینیروں، مصنفوں، اخبار نویسوں، نقاشوں اور مصوہروں میں مسلمان دیگر اقوام سے نصف ہیں۔ مگر ڈرامہ نویسوں گوئیوں

اکیتروں اور ناچنے والوں میں مسلمان دیگر قوم سے ساڑھے چھ گونے ہیں۔ مال بچم اور بھاش صرف ہندوؤں میں ہوتے ہیں۔ اس لیے ان میں ہندوؤں کا زیادہ تعداد میں ہونا ایک بدیہی امر ہے۔

۴۔ دوسرے پیشے | اس ملک میں مسلمان یا تو زیادہ تر زمیندار تھے یا ایسے پیشوں میں تھے جس میں کھنے پڑھنے کا کام تھا۔ زمینداری سے تو وہ اس لیے خراج ہورہے ہیں کہ اسراف تعلیمی اور فرض داری میں ان کی جائیدادیں نکل رہی ہیں اور کھنے پڑھنے کے کاموں میں اور ملازمتوں میں اس لیے کم ہورہے ہیں کہ اس زمانہ کی تعلیم جو روپیہ سے حاصل ہوتی ہے اس کی مسلمانوں میں استطاعت نہیں اور اسی لیے وہ شور و شغب کرتے رہتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تعلیمی اور سیاسی کمزوری کی وجہ سے جب مسلمان ملازمت اور زمینداری سے خارج ہورہے تھے تو وہ ملک کے دوسرے پیشوں کی طرف توجہ کر کے انھیں اپنی سہرا وقت کا ذریعہ بناتے۔ مگر واقعات بتا رہے ہیں کہ دیگر پیشوں کا لازمی عنصر سرمایہ ہے جس سے مسلمانوں کو سراسر جہنمیتا ہے۔ اس لیے دوسرے پیشوں میں ان کی کامیابی کی راہ میں تعلیم اور ملازمت بھی زیادہ موانع حائل ہیں۔ بلاشبہ اس صوبہ میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ ہر پیشہ میں کثرت سے نظر آتے ہیں مگر افسوس کہ سرمایہ کی کمی سے وہ طبقہ نفل میں اترتے چلے جاتے ہیں برخلاف اس کے دوسری قومیں طبقہ علی میں چڑھتی چلی جا رہی ہیں مثلاً معمولی قسم کی زراعت میں مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام سے زیادہ ہو گئی ہے قہوہ، رٹی اور تیل کی کاشت میں جو زیادہ

قیمتی ہیں اور جن میں زیادہ سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے دیگر اقوام کے ۳,۸۳۰ افراد کے مقابلہ میں مسلمان صرف ۲۹۰ یا آٹھ فی صد ہی ہیں۔ مسلمانوں کی بڑی بچتی یہ ہو کہ مال بیار کرنے میں وہ دیگر اقوام سے آگے مگر تجارت سے نفع اٹھانے میں پیچھے ہیں۔ اس کا کچھ اندازہ مسند دین اعداد سے ہو سکے گا۔

الف۔ تیل	تیل نکالنے والے	تیل بیچنے والے
مسلمان	۱,۳۳,۶۲۹	۱,۸۳۰
دیگر اقوام	۲,۳۸۸	۶,۰۸۸

یعنی مسلمانوں میں تیل نکالنے والوں کی تعداد دیگر اقوام سے اٹھاون گونہ اور تیل بیچنے میں ایک ثلث سے بھی کم ہو۔

ب۔ کپڑا	کپڑا بننے والے	کپڑا بیچنے والے
مسلمان	۵,۰۸,۹۱۳	۳۳,۰۸۰
دیگر اقوام	۲,۳۴,۰۸۸	۸۶,۹۳۰

یعنی کپڑا بننے میں مسلمان دو گنے سے زیادہ مگر اسے بیچ کر صلی نفع اٹھانے میں نصف ہیں۔

ج۔ لوہا	لوہے کا کام کرنے والے	لوہے کا سامان بیچنے والے
مسلمان	۱,۶۳,۳۹۳	۸۶۵
ہندو	۵۵,۶۶۳	۷۶۰۳

یعنی ہتھوڑا بجانے میں مسلمان دو گنے سے زیادہ ہیں مگر لوہے کی تجارت

نفع اٹھانے میں آٹھویں حصہ سے بھی کم ہیں۔

**وین شراب** | مسلمانوں میں شراب کشی اور شراب فروشی دونوں یکساں ممنوع ہیں۔ مگر آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ شراب کشی اور تباکو کا بیج تیار کرنے میں مسلمان دوسروں سے چوگنے اور شراب فروشی میں جس میں سوڈا ایمنٹی کی دکانیں بھی شامل ہیں مسلمان ایک ٹکٹ ہیں تفصیل حسب ذیل ہے۔

شراب کشی	ایفون کا بیج تباکو بنانا	شراب ٹی سی مع سوڈا ایمنٹی
مسلمان ۱۵۴۳	۲۹۵	۱۸۴۰
دیگر قوم ۳۰۱	۱۳۸	۴۰۸۸

یہی حال سود کی دواستد میں ہو جس کی نسبت انجمن ہائے امداد باہمی کے ایک افسر سے مجھے معلوم ہوا کہ پنجاب کے مسلمان ساڑھے بارہ کروڑ روپیہ سالانہ سود میں دیتے ہیں۔ مگر سو دینے میں ہنزلہ نفی کے ہیں۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جن کاموں کو وہ ناجائز سمجھتے ہیں ان میں سے بھی ہچھٹا کر ایسے کام اختیار کرتے ہیں جن میں نفع کی کوئی صورت نہ نکلتی ہو۔

**۸ صنعت و تجارت کا تعلق** | میں چاہتا تھا کہ صنعت اور تجارت کے اعداد و جدا جدا دکھاتا مگر ان دونوں

شعبوں میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ ایک کا دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہے ایک بڑا دولت مند شخص ایک عظیم الشان کارخانہ قائم کرے اس میں مال بھی تیار کر سکتا ہے اور اس کی بکری کا انتظام بھی کر سکتا ہے یعنی اگر دولت کی



اوپر ہو تو صنعت اور تجارت دونوں ایک ساتھ چل سکتی ہیں مگر مسلمان  
چوں کہ غریب ہیں اس لیے وہ بالعموم دونوں میں سے صرف ایک کام  
اختیار کر سکتے ہیں اور وہ بھی ادنیٰ قسم کے۔ بہر خلاف اس کے دیگر اقوام  
کے لوگوں کو بوجہ سرمایہ دار ہونے کے یہاں اس امر کی ضرورت نہیں  
ہوتی کہ وہ بذات خود مال تیار کرنے کی تکلیف اٹھانے کے قصے میں پڑیں  
وہ اپنے روپیہ کے زور سے غریب کاریگروں کے مال پر قابض ہو کر ہر وقت  
اُس سے تجارت کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں مسلمان کاریگروں کی  
تعداد زیادہ اور تاجروں کی تعداد کم ہو۔

جیسا کہ حسب ذیل اعداد سے معلوم ہو گا۔

صنعت و حرفت میں تجارت میں

۳۳,۱۹,۳۸۳

۲۶,۰۳,۶۸۰

مسلمان

۱۳,۰۳,۳۲۶

۲۲,۳۰,۲۶۸

دیگر اقوام

یعنی مسلمان، صنعت و حرفت میں بقدر چار لاکھ کے زیادہ ہیں

مگر تجارت میں دیگر اقوام سے ایک تہ سے بھی کم ہیں۔

۱۰ اعلیٰ اور ادنیٰ تجارتوں میں مسلمانوں کا تناسب

اس کے علاوہ مسلمانوں کی ایک خصوصیت  
یہ ہے کہ وہ بالعموم اعلیٰ تجارت میں کم اور  
ادنیٰ میں زیادہ ہیں مثلاً جواہرات وغیرہ

کی تجارت میں مسلمان نصف سے کم، انگریزی دوا فروشی، رنگ و روغن  
پیٹرول وغیرہ کی تجارت میں ایک تہ سے کم مگر جہتیمروں کی تجارت میں

پانچ گونہ سے زیادہ ہیں۔

۱۰۔ ادنیٰ کاری گری | البتہ اکثر ایسے پیشے بھی ہیں جن میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو، مثلاً قالین اور کپڑا بننے والے

فرنیچر تیار کرنے والے، آتش بازی بنانے والے، مگرتھی لوگ وہ ہیں جو دفنی طور پر سرمایہ داروں کے غلام ہیں، وہ اپنا مال تیار کرنے کے لیے تمام سامان، سرمایہ داروں سے اُدھار لاتے ہیں جو گراں ملتا ہو اور اس پر سود دیتے ہیں اور مقروض ہونے کی وجہ سے اپنا تیار کردہ مال بھی اپنے مہاجن کو دینے پر مجبور ہوتے ہیں جو اپنے پونے دم لگا کر ان سے کل مال کھولیتا ہو اور اُسندہ کام چلانے اور کھانے پینے کے لیے غریب کاری گر پھر اسی سے قرض لاتے ہیں اور مدت المردہ قرضداری کے دائرہ میں مثل کوٹھو کے بیل کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔

۱۱۔ ساہوکاری | انہیں غریب کاری گروں اور دوکانداروں کے خون سے دیگر اقوام میں مہاجنوں ساہوکاروں اور کوٹھی

والوں کی جماعت مرتب اور تیار ہوتی ہو جن کے ہاتھوں میں تمام ملک کی صنعت و تجارت ہو۔ پنجاب میں جو لوگ روپیہ کا کاروبار کرتے ہیں یا مہاجنی کوٹھیوں سے دلالی وغیرہ کا تعلق رکھتے ہیں ان کی تعداد حسب ذیل ہے۔

۱۳,۱۱۶

مسلمان

۱,۵۳,۵۰۲

دیگر اقوام

یعنی اس میں مسلمان صرف بارہواں حصہ دیکھو تو احم کاہیں بارہواں  
حصہ بھی محض اس لیے کہ اس میں دلال شامل ہو گئے جو دکانداروں  
کو سنا ہو کاروں سے قرض دلاتے رہتے ہیں ورنہ اس میں مسلمان بالکل  
نفی میں ہوتے۔

۱۲۔ کارخانہ داری | مسلمانوں کو جب سب طرف سے دھکے ملتے ہیں  
تو انھیں شوق ہوتا ہے کہ اپنے بچوں کو دستکاری  
اور صنعت و حرفت سکھائیں مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے مسلمان  
کاری گروں کی تعداد پہلے ہی کچھ کم نہیں بلکہ زیادہ ہے مگر جب تک کہ  
مسلمانوں کے ہاتھوں میں کارخانے کثرت سے نہ ہوں محض کاری گروں  
کی کثرت تعداد سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ مردم شماری کی رپورٹ میں  
کاری گروں کی تعداد ذاتوں کے اعتبار سے بھی دی گئی ہے اور چوں کہ  
مسلمانوں میں شیخوں کی اور ہندوؤں میں کھتریوں کی تعداد زیادہ ہے اور  
دونوں شریف ہیں اس لیے کاری گری اور کارخانہ داری میں دونوں کی  
تعداد کا مطالعہ نجی سے خالی نہ ہوگا۔

ذات	مردم شماری	کاری گر	الکان کارخانہ	ہستمان کارخانہ
کھتری	۳۹۳۰۰۰	۳۰۹۶	۳۰۱	۳۲۹
شیخ	۲۵۶۰۰۰	۶۲۲۲	۵۵	۶۰

ان اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ باوجود اسے کہ شیخ تعداد میں کھتریوں سے  
کم ہیں تاہم کاری گروں میں ان سے دو گنے اور ملکیت کا رنجات میں ان بچوں

سے بھی کم ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ سرمایہ اُن کے پاس نہیں اور جب تک کہ سرمایہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہ آئے گا وہ ہزار کوششیں کریں محنت کرتے کرتے ختم ہو جائیں تجارت و صنعت کا صرف چھپکا اُن کے پلے پڑے گا اور گودا سرمایہ دار اقوام کے ہاتھوں میں جا تا رہے گا۔

۱۴۔ صنعت و سرمایہ تعلقات | میں نے ایک بار مسلم آؤٹ لاک میں صنعت و حرفت کے متعلق لکھا

نہایت ٹھوس اور مختصر مضمون دیکھا تھا اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ صنعت کے تین اجزاء ترکیبی ہیں۔

(۱) انجنیر (۲) کاری گر (۳) سرمایہ

انجنیر سے مراد موجود سے ہے۔ انجنیر تیار ہونے کی صورت یہ ہے کہ یا تو طلبہ کو وظائف دے کر صنعتی تعلیم کے لیے غیر ممالک کو بھیجا جائے۔ ورنہ ہندوستان میں غلیظ الشان کا رہانے اور صنعتی یونیورسٹیاں Technological Institute،

قائم کر کے اُن میں یورپ اور امریکہ سے ماہر انجنیر بلائے جائیں جو یہاں کے طلبہ کو کام سکھائیں۔ ان دونوں کاموں کے لیے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور کارخانے چلانے کے لیے سرمایہ لازمی چیز ہے۔ مگر چون کہ مسلمان مفلس ہیں اس لیے انجنیر اور سرمایہ دونوں ان کی دسترس سے باہر ہیں اب صرف تیسرا جزو یعنی کاری گر باقی رہ جاتے ہیں جن کی اُن میں پہلے ہی کمی نہیں۔ ان کی تعداد بڑھا کر یہ توقع کرنا کہ ملک کی

صنعت و حرفت مسلمانوں کے ہاتھوں میں آجائے گی اس کی مثال پہلے  
اس شخص کی مانند ہو جسے راستہ میں گھوڑے کا ایک پُرانا نعل پڑا ہوا گیا  
تھا اُس نے کہنا شروع کیا کہ بس اب صرف تین نعل اور ایک گھوڑے  
کی کسر باقی ہے۔

۴۔ **اول پیشہ حاصل کرنے کا مشورہ** اگر جو لوگ مسلمانوں کی مملی حالت  
سے واقف ہیں وہ اب بھی صنعت

و حرفت کو مسلمانوں کی دسترس سے باہر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک بڑے دی  
کا خیال ہے کہ اول مسلمان ڈاکٹری، انجینیری اور قانون کے پیشوں کو اختیار  
کر کے دولت جمع کر لیں اور جب دولت مند ہو جائیں گے تب وہ وقت صنعتی  
و حرفتی تعلیم کے لیے زیادہ مناسب ہو گا کیوں کہ اُس وقت ہم اس قابل  
ہوں گے کہ کارخانے اور تجارتی کوٹھیاں کھول سکیں مگر وقت یہ ہے کہ اس  
زمانہ میں قانون، طب اور انجینیری بھی بغیر روپیہ کے نہیں حاصل ہو سکتیں  
اور اسی وجہ سے مسلمان ان پیشوں میں روز بروز کم ہو رہے ہیں حالانکہ  
پہلے زمانہ میں یہ سب پیشے مسلمانوں سے مخصوص تھے۔ بہر حال ان پیشوں  
یا ملازمتوں سے جب تک کہ مسلمان اتنا کم پائیں گے کہ وہ سرمایہ دار بنیں  
تب تک تو قوم پڑتا تریاق از عراق آوردہ شود اگر تیرہ مردہ شود کی  
مثل صادق آجائے گی۔

۵۔ **اگر اگر کسی** ممکن ہے کہ بعض اصحاب کے دلوں میں یہ خیال گزرے  
کہ اگر ملک کی تجارت و صنعت اور سرمایہ داری میں ہمارا حصہ نہ ہو گا تو

ہم مرقونہ جائیں گے۔ اگر ہم سوسائٹی کے اعلیٰ طبقہ میں نہیں ہیں تو ادنیٰ ہی میں رہیں گے۔ ہمارا دین و ایمان سلامت رہنا چاہیے اور بس نگرکاش اسی پر بس ہوتی اور جہاں ہم ہیں وہیں رہتے۔ رونا تو یہ ہے کہ ادنیٰ پیشوں میں اور سرمایہ داروں کی غلامی میں بھی ہمارا قائم رہنا مشکل ہو رہا ہے۔ بلکہ ہم انہیں کی وجہ سے اس سے بھی نیچے کے درجے میں اتر رہے ہیں اور ہمارا دین ایمان بھی خطرہ میں پڑ رہا ہے۔ چنانچہ مردم شماری کی رپورٹ کے اس خانہ میں جس میں گرا گروں، اور آوارہ گردوں، کبھیوں اور قزموں کی تعداد درج دکھائی گئی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد دیگر اقوام سے بدرجہا زیادہ ہے۔ وہ اعداد حسب ذیل ہیں:-

مسلمان	دیگر اقوام
۱۱,۳۸,۹۵۶	۵,۵۴۵
۱,۷۹۶	۲۵۹

یعنی مردم شماری میں مساوی یا کسی قدر زیادہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کی تعداد گرا گروں میں تین گونی اور قزموں اور کبھیوں میں ساٹھ گونی ہے۔

ایک نہایت افسوسناک امر یہ ہے کہ اس خانہ میں مسلمان خرفا کی تعداد جس میں شیخ، سید، مثل، پٹھان شامل ہیں ہندو شرفا کے مقابلہ میں بدرجہا زیادہ ہے۔

البتہ خیرات لینے والوں کی ایک مد میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندو

زیادہ ہیں اور یہ سادھوؤں اور درویشوں کی جماعت ہے جو تیرتھ کا ہوں ہیں اور وہم سالوں اور مندروں میں رہتی ہیں اور جس کی تعداد ہندوؤں میں بمقابلہ مسلمان درویشوں اور فقرا کے تین گونی ہے۔ یہ لوگ ضرورت مند لوگوں سے بالاتر ہیں اور اہل ہندو میں وہ نہایت خوش حال ہیں۔ ان کی یاد دہی دولت اور زیادتی تعداد کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کی قوم دولت مند ہے جو ان کی خدمت کرتی ہے۔ پنجاب کے اضلاع کے بندوبست کی رپورٹیں میرے سامنے نہیں ہیں۔ البتہ میں ضلع سہارن پور کے متعلق جو پنجاب سے متصل ہے یہ عرض کر سکتا ہوں کہ گزشتہ بندوبست کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ گزشتہ تیس سال میں ہندو فقرا جو گھریوں اور گھنٹیوں کی جائدادیں بقدر سترو فی صدی کے بڑھ گئیں مگر سادات کی جائدادیں بقدر گیارہ فی صدی کے گھٹ گئیں۔

اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ دیگر اقوام میں خیرات لینے والی ذاتیں بھی دولت اور جائداد میں ترقی کر رہی ہیں۔ برخلاف اس کے مسلمانوں میں اعلیٰ ذاتیں بھی اپنا ہر ہر قدم افلاس کی طرف بڑھا رہی ہیں۔

۱۶۔ نو مسلم گداگر | سب سے آخر میں وہ اعداد پیش کرنا چاہتا ہوں جنہیں سن کہ تمام مسلمانوں کو اور خاص کر ان بزرگوں کو جو

مذہبی اشاعت و تبلیغ کا کام کرتے ہیں سخت حیرت ہوگی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس صوبہ میں بعض ایسی ذاتیں ہیں جن کا ایک حصہ عرصہ دراز سے مسلمان ہو باقی ماندہ بدستور ہندو اور کچھ چلا آتا ہے۔ مثلاً جاٹ ہندو ہیں

سمجھ میں اور سینتالیس فی صدی مسلمان ہیں۔ مردم شماری کے اس خانہ میں جس میں گداگروں، آوارہ گردوں اور کہسیوں کی تعداد دکھائی گئی ہے۔ جاٹ مسلمان مردوں کی تعداد اٹھارہ ہزار اور عورتوں کی پندرہ ہزار درج ہے اور ہندو اور سکھ جاٹوں میں یہ خانہ خالی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی تعداد مردوں میں ایک ہزار سے اور عورتوں میں ایک سو سے کم ہے ذیل میں ان تمام ذاتوں کی تعداد مع تفصیلات کے درج کی جاتی ہے۔

نام ذات	مردم شماری	مرد	عورت
جاٹ مسلمان	۴۷ فی صدی	۱۸,۰۰۰	۱۵۰۰
جمینور مسلمان	۲۵	۹,۰۰۰	۳۶۰۰
جولہہ مسلمان	۹۰	۱۳,۰۰۰	۳۲۰۰
بکسہ مسلمان	۳۰	۱۱,۰۰۰	۱۶۰۰
کھار مسلمان	۶۷	۱۲,۰۰۰	۲۵۰۰

بے شک بعض نو مسلم ذاتیں مثل راجپوتوں، گوجروں، لوہاروں اور نائیوں کے ایسی بھی ہیں جو ان ذاتوں کے ہندوؤں کی طرح ان شرمناک ہوں میں نہیں ہیں۔ تاہم سندھ بالا پنج ذاتوں کے متعلق مسلمانوں کو غور کرنا چاہیگا کہ وہ کیا وجوہ ہیں جن سے ایک ہی ذات کے لوگ جو مسلمان ہیں وہ تو کثرت کے ساتھ آوارہ گرد، گداگر وغیرہ ہیں اور جو غیر مسلم ہیں ان کی تعداد ان شرمنا پیشوں میں ہنزلہ نفعی کے ہر جن بزرگوں نے ان ذاتوں اور قوموں میں تبلیغ کا کام کیا ہے۔ وہ اس مسئلہ کو حل کر سکیں گے۔



میں بار سال ضلع میرٹھ میں جاٹ مسلمانوں کے ایک جلسہ میں گیا تھا جس میں کئی ہزار مسلمان جمع تھے اس موقع پر ایک مولوی صاحب موجود تھے جنہوں نے رقبہ ارتداد میں عرصہ تک کام کیا تھا۔ فرمانے لگے کہ ان لوگوں کو اسلام پر قایم رکھنے کے لیے فضائل اسلام سنانے کے حوالہ میں ذرائع معاش بتانا اور انہیں سرمایہ داروں کی غلامی سے نکالنا چاہیے زیادہ مفید ہوگا۔

ممکن ہے کہ تحقیق و تفتیش سے ان ذاتوں کے مسلمانوں کے اخلاقی تنزل کے کوئی اور وجہ معلوم ہوں مگر میری نظر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ افلاس نے ان کے تمام اخلاقی محاسن کو فنا کر دیا ہے اور وہ اپنی شکم پرپی کی خاطر ایسے ناپاک اور جاسوز مشاغل اختیار کرتے ہیں جو مسلمانوں کے لیے باعث شرم و ندامت ہیں۔ بہر حال ہماری کم مانگی اور اخلاقی ہی دستی اور عام انحطاط کی جب یہ حالت ہو تو دیگر اقوام کے لیے وہ کونسی وجہ ترغیب ہے جو ان کو ہماری طرف مائل کرے اور ہمیں کیا حق ہے کہ کھاتے پیتے لوگوں کو مسلمان کر کے انہیں اپنی طرح مفلس و قلاش بنائیں۔

۷۔ اقتصاد کی کمزوری کا علاج | بڑا افسوس یہ ہے کہ مسلمان بعض ظاہری باتوں سے یہ سمجھنے لگتے

ہیں کہ ان کی حالت بہتر ہو رہی ہے۔ دس بیس سال کے عرصہ میں اگر وہ تعلیم میں یا چند ملازمتوں میں اپنی تعداد میں کچھ اضافہ دیکھتے ہیں تو اس سے

خوش ہو کر مساب لگاتے ہیں کہ اتنے عرصہ میں وہ دیگر اقوام کو کچھ دیں گے مگر میں کہتا ہوں کہ اقتصادی حالت کی کمزوری کی وجہ سے کسی قوم کا بکڑ لینا تو درکنار مسلمان چثیت قوم کے خود زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور نہ یہ نہ رہنے کے ہی معنی ہیں کہ وہ طبقہ اسفل میں اترتے چلے جائیں جیسا کہ غیر محسوس طریقہ سے اتر رہے ہیں۔ میں نے اسی حالت کو ایک موقع پر ان الفاظ میں عرض کیا تھا کہ مسلمانوں کی تعلیم صنعت و حرفت از بنداری اور کار و باری ترقی کی ٹرین کا انجن اس وقت پانی اور کوئلہ کا سرمایہ کم ہونے سے دھیمہ ہوتا جاتا ہے اور قریب ہو کہ وہ رک کر کھڑا ہو جائے اور سب طرف سے ڈاکو جمع ہو کر اس ٹرین کے مسافروں کو لوٹالیں اور اس کا خاتمہ کر دیں۔ نہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی ٹرین کچھ عرصہ سے رک کر کھڑی ہو چکی ہے اور اس کی بعض گکڑیاں لٹ رہی ہیں اور کٹنا یہ ہو کہ غربا کے طبقہ میں ہمارے بھائی کچھ تو علانیہ اور کچھ خاموشی کے ساتھ جن کا ہمیں پتہ نہیں شدھی کیے جا رہے ہیں انھیں بچانے کے لیے تبلیغی جماعتیں دوڑیں اور جہاں تک ان کے امکان میں تھا انھوں نے کیا۔ مگر اب سرمایہ ختم ہو جانے کی وجہ سے پسپا ہو رہی ہیں اور غریب مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑنے پر مجبور ہیں۔

۱۸۔ افلاس کا علاج جس درجہ پر مسلمانوں کی اقتصادی کمزوری پہنچ چکی ہے اور جو اس کے خراب نتائج عنقریب پیدا ہونے والے ہیں۔ اس کا پورا اندازہ تو مسلمانوں کو ہی نہیں البتہ

انہیں عام مالی انحطاط کا احساس کچھ نہ کچھ ضرور ہو۔ اس لیے مختلف علاج پیش کیے جاتے ہیں کبھی خیال ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی مسرفانہ رسوم میں اصلاح کرنی چاہیے کبھی کفایت شعاری کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ کبھی صنعت و حرفت کے اسکول قائم کیے جاتے ہیں۔ کبھی خاص مسلمانوں کی دکانیں کھولی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ غیر مسلموں کی دکانوں سے کبھی سود نہ خریدیں گے۔ حالانکہ عام دکانوں کے اجزاء ترکیبی غیر مسلموں ہی سے سود پر لیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے مسلمان تاجروں کی جان غیر مسلم سرمایہ داروں کی ٹھنٹی ہو رہی ہے جب وہ ذرا اپنی ٹھنٹی دیکھتے ہیں تو مشرق سے غرب تک اور جنوب سے شمال تک مسلمان تاجروں کے دولے ٹھلنے اور ان کے کاروبار بگڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ غرض کہ کفایت شعاری کرنے اور دکانیں وغیرہ کھولنے کی جوتا سیر پیش کی جاتی ہیں ایک حادثہ مفید ضرور ہے مگر چونکہ وہ محض سطحی علاج ہے اس لیے کچھ ہوتا ہوا تا نہیں اور ہر کوشش کے بعد حالت پہلے سے بدتر ہو جاتی ہے۔ میرے نزدیک مسلمانوں کی اقتصادی کمزوری کا جو علاج ہو اسے اس وقت پیش کرنے کا نہ وقت ہو اور نہ موقع البتہ ہر گان قوم کی اگر کوئی کمیٹی اس مسئلہ کی تحقیقات کے لیے مقرر کی جائے تو میں اس کے سامنے اپنی تجاویز پیش کرنے کو تیار ہوں۔

آخر میں عرض ہو کہ قوم کی واقعی حالت جو آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے اس سے آپ کو ضرور تکلیف ہوئی ہو گی مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھ میں نے عرض کیا وہ کسی خوشی سے نہیں بلکہ نہایت دلی تکلیف اور

علاج درج کی مجبوری سے عرض کیا ہو۔ بے شک بعض امراض کی تشخیص کرنے میں تفصیح کا اندیشہ ہوتا ہو مگر مرض کا چھپانا بدتر بلکہ اور زیادہ مضر ہوتا ہو۔ اس لیے میں نے اس کا ظاہر کرنا ضروری سمجھا۔

امید کہ آپ میری کوتاہیوں اور فریادگذاشتوں کو نظر انداز فرماویں گے۔  
**۱۹۔ عملی تجاویز** | مندرجہ بالا مضمون انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں پڑھا گیا۔ جسے سن کر حاضرین نے طو

کیا کہ اسے زیادہ تدارک میں چھاپ کر تقسیم کیا جائے اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں سچے عملی تجاویز پیش کروں۔ میرے نزدیک افلاس کے سیلاب نے ہر طرف سے مسلمانوں کو اس طرح گھیرا ہوا کہ ان کی کوئی جماعت اس سے محفوظ نہیں۔ ہماری قوم کے امیر و غریب دین دار اور دنیا دار، علما اور ورثین، کو آپریشن اور نان کو آپریشن کے سبکیں خطرے میں ہیں اور کم و بیش اس خطرے کو محسوس کر کے جو جس سے بن پڑتا ہو کر رہا ہو کوئی اشاعت تعلیم کی کوشش کرتا ہو دوسرا صنعت و حرفت اور تجارت کی ترویج کی۔ کوئی مختلف قوموں میں باہمی اتحاد و اتفاق کی کوشش کرتا ہو دوسرا تبلیغ و اشاعت مذہب کی، مگر باوجود ہر قسم کی امکانی تدابیر کے قوم کی کشتی بہ یہی طور پر پانی میں اتری چلی جاتی ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ جو تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں وہ بہ اعتبار نتیجہ کے دیر طلب ہیں۔ اس لیے ان تدابیر کو بہ دستور جاری رکھنے کے ساتھ اس امر کی صرف ضرورت ہی نہیں بلکہ عین وقت ہو کہ ایک جماعت خالص مالی مسئلہ کو فوراً اپنے ہاتھ میں لے کر

قومی کشتی کو ڈوبنے سے بچائے۔ اس کے لیے صدر مقام لاہور میں ایک مرکزی جماعت تاقیم کرنی پڑے گی مگر اس کے قیام کے انتظار میں افراد کو اپنا کالم ترقی نہ کرنا چاہیے بلکہ ہر مقام کے مسلمان اپنے ضلع یا شہر و قصبہ یا گاؤں بلکہ محلہ میں ایک انجمن فلاح المسلمین کے نام سے یا کسی اور نام سے تاقیم کریں اور اس میں مثلاً ذیل کے طریقے اختیار کریں۔

(۱) سرکاری رپورٹوں اور ذاتی تحقیقات سے مقامی مسلمانوں کے اقتصادی و صنعتی اور تجارتی حالات مرتب کریں۔

(۲) مقامی حالات کے اعتبار سے وہ طریقے تجویز کریں جن سے جملہ شعبہ جات زندگی میں مسلمانوں کی مالی حالت درست ہو۔ اس قسم کے طریقوں کے متعلق میں نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے۔ ضرورت ہو تو محصول اک کے لیے آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیج کر مجھ سے منگالیں ہیں سالہ کا نام ملاؤ بی بی علی صلح ہو۔

(۳) مسلمانوں کو کفایت شعاری سکھانے کے لیے مثلاً اس قسم کے طریقے جو مشورے سے طرہوں اختیار کریں۔

(الف) قرضداری اور سود دینے کے خراب نتائج سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا اور جو لوگ مقروض ہیں ان سے مل کر انہیں مناسب شوریے دینا۔

(ب) عام طور پر تقریروں کے ذریعہ سے لوگوں کو حساب لگا کر بتانا کہ مثلاً ایک سو روپیہ کا سودی قرضہ دس سال میں بڑھ کر کتنا ہو جاتا ہے مسلمانوں کو یا معلوم نہیں ہوتا کہ سال و رسو و در سود، اور شہابی

سہ ماہی اور ہزار سود در سود میں کوئی زیادہ منہرق ہو۔ اس لیے دستاویزیں لکھتے وقت وہ ان جزئیات کی کچھ پروا نہیں کرتے ہیں حساب لگا کر انھیں ان کا فرق بتانا تاکہ قرض لینے وہ ان امور کا خیال رکھیں۔ (ج) قرضہ سے جو مسلمان برباد ہوتے ہیں ان کے حالات سے تعق رہنا اور دوسرے مسلمانوں کو ان سے آگاہ کرنا تاکہ انھیں عبرت ہو اور وہ قرضداری سے بچیں۔

(د) مختلف برادریوں میں یہ قانون پاس کرنا کہ جو شخص مفروض ہو اس کی کسی دعوت یا تقریب میں اس کا کھانا قبول نہ کیا جائے جب تک کہ وہ قرضہ سے سبکدوش نہ ہو۔  
(۴) گھروں میں اور اسکولوں میں بچوں کو کفایت شعاری کے انعام دینا۔

(و) مسلمانوں کو ایسے طریقے بتانا جن سے وہ افراد کا سہ نہیں اور ان کی مالی حالت درست ہو۔

(س) اور سب سے آخر گرسب سے اہم اور ضروری یہ امر کہ مسلمانوں میں روپیہ کا روبر اور داد و ستد عام طور پر جاری کرانے کی کوشش کرنا، انجمن ہائے امداد باہمی اور بینک قائم کرنا۔

(۲۳)

## بار برداری کے اونٹ و مسلمان

میں ایک روز شرک پر چلا جا رہا تھا کہ ایک میدان میں میں نے بہت سے اونٹ دیکھے۔ اونٹوں کے پاس بڑے بڑے لکڑی کے صندوق غلہ کے پورے اور چھوٹے بڑے خیمے اور مختلف قسم کی چیزیں پھیلی پھری تھیں کچھ اونٹ تولد لدا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ کچھ لرتے اور بلبلا تے جاتے تھے کچھ اپنا بچہ دیکھ کر شور کر رہے تھے اور کچھ زمین پر چاروں ٹانگیں پھیلائے پڑے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اٹنے والی مصیبت سے کس قدر خائف ہیں۔ ان اونٹوں کی بے بسی دیکھ کر اور ملک عرب سے اونٹوں کی سبب خیال کر کے بے اختیار مسلمانوں کی محنت و مشقت اور ان کی مفلسانہ زندگی کا سماں میری آنکھوں کے سامنے آ گیا جس طرح اونٹ زیادہ سے زیادہ بوجھ اٹھا کر اور اس کے بدلے میں ٹھنڈی دھنوں کے پتے اور سوکھی جھاریاں کھا کر خوش حال بیوپاریوں اور تاجروں کی دولت میں فضا کرتے ہیں یہی طرح مسلمان بھی سخت سے سخت مشقت اور غربت کی زندگی بسر کر کے سرمایہ داروں کے گھروں کو دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔

یہ کس طرح ہوتا ہے؟ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ ایک جولاہہ کسی جہاں سے سوت اُدھا رلاتا ہے جو بازار کے عام بیچ سے گراں ہوتا ہے۔ تمام دن خود

اوپر پوی بچوں کو لگا کر جو کچڑا تیار کرتا ہو وہ اپنے فرض خواہ کے پاس لے جاتا  
 ہو جو اس نھان کو رکھ کر جو دام چاہے لگاتا ہو اور جو لاپے کو کھائے کے  
 لیے کچھ دام دے کر رخصت کر دیتا ہو جس طرح جو لاپہ مدت العمر اپنے  
 مہاجن کے جنگل میں پھنسا رہتا ہو۔ اسی طرح تمام مسلمان کاری گر خواہ  
 کشمیر میں شال دوشالے بناتے ہوں یا ڈھاکہ میں باریک ٹمل بنتے ہوں  
 دہلی میں نردوزی کا کام کرتے ہوں یا بنارس میں شیشین کپڑے تیار کرتے  
 ہوں، سرمایہ داروں کے غلام ہیں اور انھیں اذیتوں کی مانند ہیں جو  
 تاجروں کے مال کی بابر داری کر کے ان کی دولت و ثروت بڑھاتے  
 ہیں اور خود نیم کے کڑوے پتوں پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ کوئٹہ میں جاہاں  
 انگور، سرودہ اور لندی ترین میوہ جات پیدا ہوتے ہیں۔ وہاں سے لاکھ  
 من میوہ ہزاروں من برف میں محفوظ ہو کر پارسل ٹرینوں میں ریگستان  
 کی گرد اور گرمی کو بے کھٹکے طو کرتا ہوا تمام شہرہوں میں ملک کے دوسرے  
 کنارے تک اس کثرت سے پہنچتا ہو کہ سبزی منڈیوں میں ہر طرف انگور  
 اور میوہ ہی میوہ نظر آتا ہو۔ مگر حیرت انگیز امر یہ ہو کہ خود کوئٹہ کے غریب  
 مسلمانوں کو میوہ جات کی پارسلیں ڈھونڈنے میں اتنا ہی ملتا ہو کہ وہ دکھی  
 سوکھی روٹی اور سرسے گئے پھلوں سے شکم پوری کر لیں اور اتنا نہیں ملتا  
 کہ اپنے ملک کے تروتازہ میوہ جات سے بہرہ اندوز ہو سکیں۔

نہ صرف مسلمان مزدوروں اور کاریگروں اور کسانوں کا چال ہو  
 بلکہ ہرے ہرے زمیندار اور تاجر اپنی کمائی کا بڑا حصہ سرمایہ داروں کو



تذکرہ کرنے پر مجبور ہیں اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ مسلمانوں کی تمام قوم مثل  
بارہ داری کے اونٹوں کے سخت ترین زندگی بسر کر رہی ہے۔ اس حالت  
سے نکلنے کا علاج بجز اس کے نہیں ہو کہ مسلمان روپیہ کا کاروبار کریں،  
انجمن ہائے امداد باہمی اور بینک قائم کریں اور روپیہ کا بچانا اور بڑھانا  
سیکھیں۔  
دسمبر ۱۹۲۶ء

۶۱۹۲۶

(۲۳)

## سود مند کا مافی اور مستقبل

۱۔ سود مند کے تین دور | سود مند کو جاری ہوئے اگرچہ صرف چھ ماہ  
گزرے ہیں مگر مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی اصلاح کے سلسلہ میں تبلیغ و  
اشاعت کا کام سنہ ۱۹۲۰ء سے جاری ہو جس کو چھ سال کا زمانہ ہو چکا ہے۔  
اس تحریک کا پہلا دو کتابوں کی اشاعت سے ہوا جن میں سب سے پہلی کتاب  
”مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل“ تھی جو علمائے کرام، رہبران قوم اور ڈیڑھ  
اجازت کی خدمت میں بھیجی گئی۔ اس کے دو سال بعد ”سود اور مافی“ نامی  
اور مسلمان اور اس کے بعد ”جواز سود“ اور مسلمانوں کی مالی اصلاح ”دس ہزار  
سے زیادہ تعداد میں ملک میں تقسیم ہوئیں۔ دوسرا دور اخبارات میں مضامین

کی اشاعت کا تھا جس میں مسئلہ سود پر اختلافی مضامین کا اور علمی مضامین کا خوب چرچا رہا۔ اور تیسرے دور کو علمی دور کہنا بجا ہوگا جب کہ یکم جون ۱۹۲۵ء سے سود مند جاری ہوا اور اس کے اثر سے بعض مقامات میں مسلمانوں میں روپیہ کا کاروبار جاری ہونا شروع ہوا۔

۲۔ سود سے مسلمانوں کی بربادی اس تحریک کے شروع میں سب سے بڑی مشکل پیش آئی کہ مسلمانوں کے

نزدیک سود کا لفظ روکا کرادیت سمجھا جاتا تھا اور ایسا ہی مکر وہ تھا جیسا کہ دنیا کی جملہ دیگر اقوام کے نزدیک کسی زمانہ میں رہ چکا تھا دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی قوم ایسی نہ تھی جس میں مثل مسلمانوں کے سود محدود نہ ہو مینوع اور معیوب نہ سمجھا جاتا ہو۔ کیوں کہ اس زمانہ میں روپیہ بالعموم ذاتی ضروریات کے لیے قرض لیا جاتا اور غیر نفع آور کاموں میں صرف ہو کر قرض لینے والوں کی تباہی اور بربادی کا باعث ہوتا تھا مگر امتداد زمانہ سے روپیہ کثرت کے ساتھ نفع آور کاموں میں لگے دایں اور بایں دونوں کے لیے سراسر مفید ثابت ہونے لگا اور اس سراسر فائدہ کو دیکھ کر دیگر اقوام و مذاہب نے تجارتی سود کو بڑے متمیز کر کے اس کا نام انٹرسٹ رکھا اور اس کو قانوناً اور مذہباً جائز قرار دے دیا۔

زمانہ سابق میں ہر طرف مسلمانوں کی سلطنتیں عروج پر تھیں اور ان کا دار و مدار تجارت اور سود پر نہ تھا اس لیے انھیں اس مسئلہ کے حل کرنے کی طرف توجہ نہ ہوئی جس کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ مسئلہ لانیل رہا اور اس نے

بالآخر مسلمانوں کو برباد کر کے چھوڑا اور نہ صرف ان کی زمینداریاں بلکہ سب کچھ  
تک سب سب اسی سودمردوں کے نذر ہو گئیں۔

ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی بربادی کے بعد بعض علماء کرام  
کوئل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور مولانا عبدالحی صاحب گجراتی  
کے اس مسئلہ کی طرف توجہ ہوئی اور انھوں نے ہندوستان کو دارالحرب  
قرار دے کر کچھ فتوے سودمردوں کے جواز میں دیئے مگر چوں کہ وہ قوم کے انحطاط  
کا وقت تھا اس لیے افراد قوم نے عام طور پر ان فتوؤں پر عمل درآمد نہیں  
کیا جس نے مسلمانوں کی یہی زمینداریاں اور تنجارت کا بھی خاتمہ کر دیا۔  
مگر دوسری قوموں کی ترقی کی غیر معمولی رفتار اور اپنے انتہائی تنزل کو محسوس  
کر کے مسلمانوں میں کچھ عرصہ سے ایک حرکت پیدا ہوئی جس کو حرکت مارچ  
کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ کیوں کہ بلا لحاظ اس اندازہ کے کہ مقصود کیا ہو  
ذبحہ نے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیئے۔ چنانچہ گزشتہ پچاس سال سے  
کوئی تدبیر اور کوئی نسخہ ایسا نہیں جس کا مسلمانوں نے تجربہ نہ کر لیا ہو  
تعلیم سیاسیات، بین الاقوامی ممالک کی طرف رجوع،  
صنعت و حرفت کا چرچا، اپنی دوکانیں کھولنے کا ولولہ، برادران وطن  
اور سلطنت سے بھی محبت و اتحاد اور کبھی نفرت و بیزاری، غرض کہ  
سب کچھ کر لیا اور سب کچھ کر رہے ہیں مگر باریاں ہمہ شخص کو یہی طے  
پر محسوس ہو رہا ہے کہ ہم گر رہے ہیں، افسوس رہے ہیں، امٹ رہے ہیں  
دوسروں میں جذب ہو رہے ہیں اور ختم ہو رہے ہیں۔

سود مند کا کام سود مند نے اکبر آباد اور بلند کہا کہ ہر ناکامی کی تہیں وہی سود کا مسئلہ ہی جسے دیگر اقوام دنیا میں صدیوں پہلے طو کر چکے اور رتبہ کو جو ہر ملال تھا انٹرست یا تجارتی سود میں منتقل کر کے اسے امرت بنا چکے۔

خدا کا شکر ہو کہ سود مند کی اس صدا پر عجب بجا سے لبیک کی صدائیں آئیں۔ ہر طرف سے ہزاروں کی تعداد میں مبارکباد اور وصلہ افزائی کے خطوط آنے لگے۔ قومی اخبارات نے عمدہ تنقیدیں کیں، اس کے مضامین اور نظموں کو اپنے قیمتی کالموں میں جگہ دی۔ سب نظمیں اگرچہ شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ پایہ کی نہ تھیں تاہم چون کہ مسلمانوں کے در و دل کا موقع تھیں اس لیے دل ہی پر جا کہ لگیں اور خوب مقبول ہوئیں۔ بعض علماء کرام نے حدود شرعیہ کے اندر سود کی تلقین کی، بدینک سے سود وصول کرنے کی تاکید کی اور اسے اپنے مصرف میں لانے اور نیک کاموں میں صرف کرنے کے جواز کے فتوے دیئے۔ چنانچہ جناب مولانا مولوی کفایت اللہ صاحب صمد جمعیۃ العلماء ہند نے شہر فرمایا کہ:-

”سود ملک بینک کے سود میں مضائقہ نہیں۔ اگر احتیاط اور تقویٰ اور فقہ ہو تو کسی دوسرے مفلس مسلمان پر خرچ کر دیجئے لیکن گورنمنٹ کے پاس کسی حالت میں چھوڑنا بہتر نہیں ہے۔“

اس فتوے سے آمید ہو کہ تمام اسکولوں اور عریبہ اس کا روبرو ہو جو لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ایکار پڑا ہو۔ سود ملک بینکوں میں داخل ہو کر

زیادہ محفوظ ہو جانے کے ساتھ مستقل آمدنی کا ذریعہ ہو گا اور مدارس کے  
یہ روز روز کا سہ گدا کی گشت کرانا نہ پڑے گا۔

غرض کہ خدا کے فضل سے اب ایک حد تک مسلمان رہا اور تجارتی  
سود میں خرف سمجھنے لگے ہیں اور روپیہ کے کاروبار کو اپنے اپنے دائرہ اثر میں  
راج کرنے کی عملی تدابیر اختیار کر رہے ہیں جس کا اندازہ سود مند کے  
صفحات کے مطالعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ ایڈیٹر سود مند نے یہ سمجھ کر کہ وہ  
لَا فَيْضَ لَكُمْ مَالًا كَثِيفًا لَّيِّنًا (تو اسی باتیں کیوں کہتے ہو جن کو کرتے نہیں)  
کے مصداق نہ بنے، خود زمینداروں کے بینک قائم کرنے کے لیے ضلع میرٹھ  
کے سولہ دیہات میں دورہ کر کے ۲۴ حصہ وار پیدا کیے اور ارادہ ہے کہ مسلم  
زمینداروں کے بینک کی جلد سے جلد رجسٹری کرا دی جائے۔

۴۔ سود مند کا مستقبل | یہ سب تو سود مند کا ماضی ہے۔ رہا مستقبل اس کے  
متعلق یہ عرض ہو کہ دو سال کام کرنے کا جو ارادہ ظاہر کیا گیا تھا اس میں  
نصف سال گزر چکا اور صرف ڈیڑھ سال باقی ہے۔ آج کل مسلمانوں پر ہر  
طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان کا انجام یہاں بھی اسپین کی طرح  
ہونے والا ہے۔ مگر یہ یقینی امر ہے کہ اس وقت تمام مسلمانوں کی کمزوری کی تہ  
میں ان کی مالی حالت کی خرابی ہو زمیندارانہ جراثیم کا رسی گرسب کے سب  
دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام اور ہر طرح زہر بار آور گزر رہی ہیں چنانچہ  
جس قدر بلو سے ہوتے ہیں ان میں مار پیٹ کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو مگر اقتصادی  
کمزوری کی وجہ سے چون کہ قانونی پیروی پوری طرح نہیں ہو سکتی اس لیے

بالسوم مسلمان ہی سزا پاتے ہیں اور آئندہ کے لیے بہت ہمت ہو جاتے ہیں اور اب تو یہاں تک نفی ہو چکی گئی ہے کہ مثلاً اٹاؤہ کے مسلمان اپنی مساجد میں غسل لگا کر چلے جاتے ہیں تب بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑنا اٹاؤہ میں مسیحی کے سامنے ہنگامیوں نے گانا بجا کر کے اودھم مچائی اور مسلمان کچھ نہ کر سکے اسی طرح اس وقت مارہرہ میں چاروں نے بستی کے شرفا پر عداوت میں دعوے دائر کر کے ان کو پریشان کر رکھا ہے۔

پس اگر حقیقت مسلمانوں کو زندہ رہنا اور عزت کی زندگی بسر کرنا ہو تو ان کے ہر ہر فرد کو چاہیے کہ وہ روپیہ بچانے اور بڑھانے کے طریقہ اختیار کر کے اپنے بچوں، اخوان، اور قوم کو تباہی سے بچائے اور مسلمان کا دل اوروں اور کاریگروں کو معین منافع پر روپیہ دے کر ان کے کاروبار کو چلتا کرے۔ امداد باہمی کے بینک قائم کرے۔ یہی ان کی نجات کا واحد ذریعہ ہے اور اس کی تبلیغ تعمیل کے لیے ڈیڑھ سال کا وقت کچھ کم نہیں ہے بشرطیکہ قوم اس طرف متوجہ ہو۔

اسی سلسلہ میں قومی اخبارات کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنہوں نے اس مسئلہ کی تبلیغ میں بہت مدد کی۔ اس وقت 'سود مند' کے ستون پرچے اسلامی اخبارات کے دفاتر میں بھیجے جاتے ہیں حالانکہ تبادلہ میں ایک درجن سے زیادہ اخبارات نہیں آتے۔ غرض صرف یہ ہے کہ ہمارے خیالات سے انہیں واقفیت ہو اور قوم کی اصلی ضرورت کی طرف انہیں توجہ ہو اور ڈیڑھ سال کے عرصہ میں وہ خود اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہمیں

جنوری ۱۹۲۶ء

اس خدمت سے سبکدوش کر دیں۔

(۲۶)

## ایک پیر مرد خواب میں

مفتی جی کی خاندانی حالت

قصہ عثمانیہ ہندو ہند کی ندری کے کنارے ایک پیرانی بستی پر مفتی عظیم الدین اس کے سب سے بڑے زمیندار ہیں قصہ کی زمینداری کے علاوہ ان کے متعدد مراضعات بھی ہیں جن میں سے تین تو بڑے زبردست سخت گاہوں ہیں مفتی صاحب کا روٹیہ ایسا کہ نہ انھیں کوئی مشرف کہہ سکتا ہو نہ بخیل۔ میانہ روی جو آدمیوں کا طریقہ ہوتا جو وہی ان کا شعار ہو۔ ان کی ریاست کا اور گھر کا حساب باقاعدہ لکھا جاتا ہے اور حتی الامکان ہر امر میں کفایت شعاری برتی جاتی ہے تاہم مفتی صاحب کے والد ماجد کے وقت سے ریاست پر جو قرضہ چلا آتا ہے اس میں ہر سال کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہو جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی سال فصل کے وقت سرکاری مالگداری کی ادائیگی اور کچھ روزہ روکے اخراجات کے لیے رکھ لینے کے بعد کل روپیہ قرضہ میں ادا کر دیا گیا تاہم سال کے آخر میں اتفاقی ضرورتوں کی وجہ سے کچھ نہ کچھ روپیہ رقعوں پر لینا پڑا اور انجام کار انھیں بھی نہ سکا جس سال کر لیا گیا۔

مفتی صاحب خواب میں اپنی ذات سے ۵۰ روپیہ کی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں

اور اپنے متعلقین کو بھی سادہ زندگی کی تاکید کرتے رہتے ہیں اور بظاہر گھر میں کوئی بیجا خرچ نظر نہیں آتا اور زمینداری کی وجہ سے ایندھن کے لیے لکڑی میٹھی کے لیے چارہ اور بہت سی دوسری چیزیں گاؤں سے مفت آجاتی ہیں ہم زمینداری کے روپیہ میں کچھ ایسی بے برکتی ہو کہ ادھر آیا ادھر خرچ ہو گیا۔ مفتی صاحب ہر چند سال کے اخراجات کا تخمینہ کر کے چند مہینے کا خرچ رکھ لیتے ہیں مگر کوئی مقدمہ آگیا یا غیر معمولی چندے دینے پڑے، کوئی تقریب پیش آگئی تو بس پھر تمام سبب درہم برہم ہو جاتا ہے اور پھر قرض لیے بغیر چارہ نہیں ہوتا یہی حال گھر میں رہتا ہے کہ فصل پر غلہ اور قسم کی جنس رکھ لی گئی ہو تب بھی غیر معمولی مہانداری یا ناگہانی حادثات کی وجہ سے بیوی صاحبہ کو مفتی جی سے چھپا کر زیور پر روپیہ منگانا پڑتا ہے جو انجام کار اکثر تلف ہو کر رہتا ہے اور غرض کہ تمام خاندان آئی چاکر میں ہے اور کوئی علاج بن نہیں پڑتا۔

البتہ مفتی صاحب نے اس کشمکش میں ایک بڑا کام کر لیا کہ پنے لڑکوں کو جس طرح بن پڑا جادو بتلیم کے زیور سے آراستہ کر دیا سب سے بڑے بیٹے کریم الدین مفتی ایم۔ اے اُن کی زندگی میں ڈپٹی کلکٹر جوئے منجھلے بیٹے علیم الدین مفتی بنی۔ اسے ابھی اُسبہ دار نائب تحصیلدار تھے کہ مفتی علیم الدین کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے سب سے چھوٹے بیٹے محی الدین کی تعلیم تا تمام رہ گئی اور چون کہ بڑے مفتی صاحب کے انتقال کی وجہ سے گھر پر کسی ایک بھائی کا رہنا ضروری تھا اس لیے محی الدین اپنے باپ کی گدی پر بیٹھے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے چون کہ انھیں مثل بڑے بھائیوں کے مفتی صاحب کا لقب اپنے نام کے بعد



لکھنے کا موقع نہ تھا اس لیے پُرانے طریقہ کے مطابق اُن کا نام مفتی محی الدین رہا۔  
۴۔ مالی حالت | مفتی محی الدین پر اس نو عمری اور ناتجربہ کاری میں تمام  
خاندان کا اور بالخصوص قرضہ کا بار آئینا اول چند سال تک

تو بکھڑوں نے اخراجات گھٹانے اور آمدنی بڑھانے کی جان توڑ کوششیں کیں یہ  
سمجھ کر کہ زمینداری کے اثر سے بھٹے کا اکثر سامان انہیں مستائل بیکے گاؤں بھٹوں  
سے بیٹوں اور چوٹے کے بھٹے لکھا دیئے فصل پہلے بھرا اور اور چند کاروبار جاری کیئے  
مگر جو کام بھی وہ کرتے تھے اور جو کچھ بھی وہ پیدا کرتے تھے اُس میں سے بچوں کو  
ایک سو روپیہ سبکدہ سو، مہاجن سے نذر کرنا پڑتا تھا اس لیے سال تمام پہ  
جب حساب ہوتا تو معلوم ہوتا کہ آمد و خرچ برابر ہو۔ قرضہ بہ طور موجودہ اور بچہ  
اُن کی عرق ریزی، جال کا ہی اور دوسری اُپڑاؤں میں ہو۔ اس قدر  
کتابت شعاری، ذاتی نگارنی اور محنت کے بعد اگر دو چار سو روپیہ بھی  
پس انداز ہو جاتے تو اُن کی عرق ریزی اور مشقت کی کچھ تو تلافی ہو جاتی کیونکہ  
جسمانی محنت کا جب کچھ پھل مل جاتا ہے تو وہ انسانی صحت میں سمیٹتا ہے اگر  
کچھ نہیں ملتا تو وہی محنت دل بٹھا کر انجام کار ہلاکت کے درجہ پر پہنچا دیتی  
ہو مفتی محی الدین حسب پریشاں ہوتے تو اپنے بڑے بھائیوں کریم الدین پٹی  
گلکٹر اور علیہ الدین کو جو اب تحصیلدار ہو گئے تھے خدا کھیتے کہ وہی اونٹنی قرضہ میں  
کچھ مدد دیں مگر جدید طریقہ بود و ماند نے عہدہ داروں کے اخراجات اس قدر  
بڑھا دیئے ہیں کہ خود اُن کی سہراوقات مشکل ہوتی ہے۔ پہلے زمانہ میں سب رنج  
اور دُکھی گلکٹر شہروں کی گنجائش آبادیوں میں رہتے تھے اور اگر دیانت دار رہتے

تب بھی تنخواہ میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کر کے جائیداد خرید لیتے تھے جو اس زمانہ میں بڑھ کر قلعے ہو گئے ہیں۔ اس زمانہ کی یورپین معاشرت میں بڑی برائیوں میں بھی ملتھین نہلا جاتا ہے۔ کوٹھیوں، بنگلوں میں رہنے سے عزت آبرو سنبھالنے میں مشکل ہو جاتی ہے اور بڑی کامیابی اس میں بھی جاتی ہے کہ مدت احمد کی ملازمت میں رہنے کو ایک عمدہ مکان بنا لیا اور پنشن کے وقت چند ہزار روپیہ پونڈ فنڈ سے لے گئے اور پس بہر حال کریم الدین اور علیم الدین باوجود کوشش کے خاندانی قرضہ کی ادائیگی میں کچھ مدد نہ کر سکتے تھے اور انکار کا بار تمام تر مفتوحی الدین کے کن جوں پر پڑا تھا۔ وہ شب و روز قرضہ کی ادائیگی کی تدبیر سوچا کرتے اور گھنٹوں غوطہ میں رہتے۔ کبھی کبھی ان کے دل میں یہ خیال گزرتا کہ سود کا علاج بالمثل کیا جائے تو شاید اس موذی کے پنگل سے رہائی ہو مگر ہوش میں آتے تو اس وسوسہ شیطانی سے توبہ کرتے۔ پھر دوسرے وقت انکار کا ہجوم ہوتا تو مسئلہ سود پر غور کرتے اور جو مضامین اخبارات میں اس مسئلہ کے متعلق شایع ہوتے رہتے ہیں ان سے اثر پذیر ہوتے۔ بالآخر انھوں نے رسالہ جات جواز سود مع فتاویٰ اور ماہواری رسالہ سود مند جو علی گڑھ سے نکلتا ہے دیکھا کر پڑھے اس نے ان کی آنکھیں کھول دیں اور انھیں معلوم ہوا کہ بالخصوص زمینداری کے پیشہ میں انھیں لوگوں کی جائیدادیں محفوظ رکھنی ہیں جو غلہ یا روپیہ کا کاروبار کرتے ہیں یہ کہتا ہیں پھر کہ مفتی صاحب کے نزدیک یہ مسئلہ بالکل صاف ہو گیا مگر مولوی صاحب اور مفتی صاحب نے ان کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ علائقہ روپیہ کا کاروبار شروع کر کے خاندان کے

نام کو یہ لگائیں خیالات کی اس تبدیلی نے اُن کی زندگی اور زیادہ تلخ کر دی تھی اور وہ ہر وقت اسی اُدھیر بُن اور چہرہ کشم میں پڑے رہتے تھے۔

۳۔ مہاجن کی طرف سے نوٹس | ایک روز نشست گاہ میں احباب کا مجمع تھا کہ ڈاکے نے صبا کے سامنے ایک خبری نوٹس

نوٹس لا کر دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ”آپ کے رقعہ کی میعاد عنقریب منقضی ہونے والی ہے اس لیے ایک ہفتہ کے اندر روپیہ ادا کر دیا جائے ورنہ مجبوراً عدالت سے چارہ جوی کی جائے گی“ نوٹس دیکھ کر محی الدین کے چہرہ کا رنگ شنیہ ہو گیا پست میں جب آیا تو سب لوگ سنس بول رہے تھے مگر اب تمام مجلس میں سنا تھا ہو گیا اس افسردہ لگی کو دیکھ کر حاضرین ایک ایک کر کے کھٹکنا لگے مفتی صاحب خلاف معمول پتنگ پر جا لیٹے، دماغ چکر کھاتے کھاتے بکرا ہو گیا تھا۔ کچھ غنوغی طاری ہوئی تو دیکھتے کیا ہیں کہ سامنے ایک سبز پوش پیر مرد کھڑے ہیں محی الدین ہر چند پتنگ سے اٹھ کر اُن کے سامنے مودب کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں مگر اٹھنا نہیں جاتا، عرض حال کرنا چاہتے ہیں۔ مگر زبان یاد دہی نہیں کرتی بالآخر پیر مرد ہاتھ بڑھا کر مفتی صاحب کے سینہ پر رکھ دیتے ہیں اور تسلی دے کر فراتے ہیں کہ ”بیٹا کھیر دمت صبر و شکر سے کام لا“

۴۔ پیر مرد سے مر کا لمحہ | حضور! اب تو صبر کی طاقت باقی نہیں رہی“

پیر مرد صبر و شکر کے الفاظ تھارے لیے محض برائے گفتن نہیں ہیں۔ تمھاری نظر اب تک اپنی ذات اور خاندان تک محدود و محدود نہیں ہے

کہ دنیا میں لوگوں پر کیسے کیسے سخت مصائب گزرے ہیں انہی اور اولیاءِ جو خدا کے محبوب بندے ہوتے ہیں انھوں نے کیسی کیسی تکالیف اٹھائی ہیں اور انہیں نہیں کی۔ دنیا میں ہزاروں آدمی بے آب و دانہ مر جاتے ہیں، تمہارے پاس تو خدا کا دیاسب کچھ ہے۔ تم زیادہ تر تو تخیلات و توہمات کے شکار بن رہے ہو اور۔

فقیر صاحب! حضور نے بالکل درست فرمایا۔ میں دراصل تشریت احساس کا مریض ہوں۔ میں خود واقف ہوں کہ میرے دوسرے بھائیوں کی کیا حالت ہے جو خدا کا فکرا ہو کہ میں صاحبِ جان ہوں فصل کے وقت سال میں دو بار صدقہ من غلہ اور ہزار ہا سو پیہ میرے ہاتھوں میں آتا ہے اور ضرورت ہو تو رقمہ پر ورنہ جاندار کی کفالت پر فرض بھی مل سکتا ہے۔ اس وقت صدقہ ہا شریف مسلمان اور ذی حیثیت مسلمانوں کی بیوہ عورتیں نان شبینہ کو محتاج ہیں۔ اس زمانہ کی عدالتوں کا منظر میرے سامنے ہے کہ دستاویزوں میں راہزن کون ہیں؟ ہمارے بھائی مسلمان۔ مریون کون ہیں؟ مسلمان۔ بالغ کون ہیں مسلمان نذرانہ لے کر اتھاری پٹہ دینے والے کون ہیں؟ مسلمان۔ دیوانی میں عالمیہ کون ہیں؟ مسلمان۔ مریون ڈگری کون ہیں؟ مسلمان۔ ڈگریوں میں گنتا ہو کر بیل میں جانے والے کون ہیں؟ مسلمان۔ پھر اسی کے ساتھ وہ ان باتوں کے ایسے عادی ہو گئے ہیں کہ کچھ پروا بھی نہیں کرتے۔ انھیں مذہباً مکتوبی کرنے آہن اور وارنٹ بل کیل فائیس کر دینے کی صبر ہا کسبیں یاد ہیں حتیٰ کہ دھوکہ میں گرفتار بھی ہو جائیں تو استغنا کرنے یا غار ٹھہرنے کے بہانے سے سسپا ہیوں کو چمکے دے کر ان کی حراست میں سے نکل بھاگتے ہیں

اور پھر برادری میں بیٹھ کر اُس پر فخر کیا کرتے ہیں۔  
مگر حضور ﷺ میں جو کچھ ذرا تامل اور دلالت گھلتا ہوں وہ اسی  
خیال اور تصور سے کہ بالائے میرا بھی یہی انجام ہونے والا ہے۔

پیر مراد خدا کا ہے کہ تم میں غیرت و حمیت باقی ہو۔ ذکی اُس ہونا  
عین ایمان کی نشانی ہے بشرطیکہ وہ حد و وسعہ تجاوز کر کے دماغ میں اختلال نہ  
پیدا کر دے۔ اس کے لیے تم اِذَا صَابَتْكُمْ وَصِيَّةٌ فَلَا اِلَّا بِاللّٰهِ  
وَاَنَا الْبَيْتُ تَاجِعُونَ پڑھا کرو۔

۵۔ عالم ارواح میں فسر و گی پیر مراد کے دلاسہ دینے سے مفتی محی الدین  
میں کچھ جان پڑی اور انہیں اُمید ہوئی کہ

ان بزرگ سے ضرور عقدہ کشائی ہوگی اور جس مسئلہ نے مفتی جی کے دماغ  
میں جکڑ ڈالی رکھا تھا وہ اب حل ہو جائے گا۔ کیونکہ مفتی صاحب کا یہ  
خیال اب پختہ ہو گیا تھا کہ خود اُن کی اور نیز عام طور پر مسلمانوں کی گلو غلطی  
بغیر وہابیہ کا روبرو شروع کیے نہ ہوگی۔ ان خیالات کے ساتھ مفتی صاحب  
ہمت کر کے پنگ سے اُٹھے اور مودب ہو کر پیر مراد کے سامنے کھڑے ہو گئے  
اور عرض کہ

مفتی صاحب جنہو پر تو ہمارے تمام حالات روشن ہیں۔ برائے خدا  
ہیں اس شکش پھول کھلیاں اور بھنور سے نکالیں۔

پیر مراد جو تک کر کیا تم سمجھتے ہو کہ میں غلام النیوب ہوں یا تمہاری کسی  
طرح مدد کر سکتا ہوں۔ حاشا وکلا۔ ہم بھی خداوند تعالیٰ کے ویسے ہی عاجز

بندے ہیں جیسے کہ تم ہو۔ البتہ اس نے اپنے فضل سے ہیں آلام و افکار اور تمام دنیوی آلودگیوں اور بچا ستوں سے پاک کر دیا ہو۔ اور یوم الحساب تک کے لیے اپنے جوار رحمت میں جگہ دے دی ہو یہیں دنیوی حالات کے معلوم ہونے سے سخت تکلیف ہوتی ہو اسی لیے ہم کہیں ان کے معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے مگر یا وجود ہمارے استغفار اور بے تعلقی کے دنیا میں اُمت محمدیہ پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہو تو بوجہ روحانی تعلقات کے عالم ارواح میں اس کا اثر کچھ نہ کچھ ضرور محسوس ہوتا ہو۔ چنانچہ کچھ عرصہ سے عالم ارواح میں عالم افسردگی طاری ہو جس سے متاثر ہو کر میں نے چاہا کہ تم لوگوں کے کچھ حالات معلوم کروں پس جن مصائب میں تم لوگ مبتلا ہو انہیں کسی قدر وضاحت سے بیان کرو۔“

مفتی صاحبؒ حضور والا کے سامنے مسلمانوں کی عام قرضداری کا کچھ مختصر خاکہ تو پہلے پیش کر چکا ہوں اور قرضہ داری سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا ظہور بھی بدرجہ اتم ہمارے قوم میں ہو چکا۔ یعنی کثرتِ افلاس سے اخلاقی اور مذہبی تشل کی کوئی حد و انتہا باقی نہیں رہی۔“

پیر محمدؒ۔ تمہارے کہنے سے خیال آتا ہے کہ عام قرضداری تو غالباً میرے زمانہ میں بھی شروع ہو چکی تھی مگر اسی کے ساتھ ذرائع معاش اتنے تھے کہ ہر شخص کو کچھ نہ کچھ مل رہتا تھا۔“

مفتی صاحبؒ۔ مختصر طور پر عرض ہو کہ جب سے انگریزی تعلیم کا رواج شروع ہوا مسلمان سرکاری عہدوں اور دفاتر سے خارج ہونے لگے

زمینداریاں اور جائیدادیں قرضہ میں نکلنے لگیں۔ تجارت اور صنعت پر روپیہ والوں کا تسلط ہو گیا اور انجام کار ہر شعبہ زندگی میں مسلمان دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام ہو گئے۔ اور حمایتی علاقہ کے ساتھ دماغی اور روحانی غلامی میں بھی مبتلا ہوتے جاتے ہیں یعنی یہ کہ مسلمان اب افلاس سے تنگ آ کر تبدیل مذہب کر رہے ہیں۔ اور آہستہ سے عرض کرنے کی بات یہ کہ روپیہ کے زعم میں اسبا خود ہندو مسلمانوں پر اور ان کے معاہدہ پر چڑھ کر آتے ہیں۔ حملہ کی ابتدا تو دکر تے ہیں اور روپیہ کے زور سے مسلمانوں کو عدالتوں سے سرائیں کر دیتے ہیں جس سے پھر مسلمانوں کو نہ بچانے کی مہلت نہیں ہوتی اور اب وہ نقصانات کے خوف سے بے پست ہمت اور بزدل ہوتے جاتے ہیں اور میلوں ٹھیلوں کے وقت اپنا منہ چھپانے پھرتے ہیں۔

پیر مرد میں تمھاری سب باتیں سمجھتا ہوں۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سرمایہ داری کیا چیز ہے جو سب شعبہ جات زندگی پر حاوی اور غالب ہو رہی ہے۔

۲۔ سرمایہ داری کی تشریح

منفی صاحب: حضور والا۔ یہ زمانہ حال کا سب سے زیادہ کاری آلہ ہے۔ اس وقت

سے ایک سو سال قبل تجارت کے معنی سمجھے جاتے تھے کہ جتنے داموں میں کوئی چیز خریدی جائے اس پر کچھ منافع لگا کر فروخت کر دی جائے ایک مقام سے کوئی چیز خریدی جائے کسی دوسرے مقام میں جہاں وہ پیا نہ ہوتی ہو لے جا کر کسی قدر اضافہ سے بیچ دی جائے۔ کاری گری کے معنی یہ تھے کہ تمام

محنت کر کے جو چیز تیار کی جائے شام کو مقامی لوگوں کے ہاتھ اسی طرح فروخت کر دی جائے جیسے کہ دن بھر گھاس کھوڑ کر شام کو بیچ دی جاتی ہو۔ مگر اب وسائل سفر اور فوائے خبر سانی کی سہولت کی وجہ سے تمام دنیا مثل ایک بازار کے ہو گئی ہے اور یہ بازار اور تمام مصنوعی اور قدرتی پیداوار کا نرخ روپیہ والوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ اور نہ صرف مختلف پیشہ ور بلکہ سلطنتیں بھی انھیں روپیہ والوں کے زیر اثر اور ان کی دست نگر ہیں۔ ہر ہر لمحہ کے حساب سے اپنے روپیہ کا استعمال کراہے لگاتے ہیں

مگر بد قسمتی سے مسلمان روپے کے ہر قسم کے کراہے کو سب سمجھ کر اس کے لینے سے بچتے ہیں مگر دینے پر مجبور ہیں اور خوب دیتے ہیں۔

پیرم و سیری سمجھ میں نہ آیا کہ یہ ربو اس طرح ہے یہ تو بدیہی طور پر مضائقہ ہے اور اس سے فقیہین کو نفع ہی نفع ہے۔ اگر کوئی شخص وہ دوسرے شخص کو ذلتی کاموں میں صرف کر ڈالنے کے لیے روپیہ دے اور اس پر اپنا منافع لگائے تو بے شک مادیوں کے لیے ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے مگر کسی دوکاندار یا کارگر کو اگر اس غرض کے لیے روپیہ دیا جائے کہ وہ کاروبار میں لگا کر اس سے اور زیادہ روپیہ پیدا کرے تو اس میں نہ داین خسارہ ہیں رہتا ہے اور نہ مادیوں اگر اس مفاد پرست کو ناجائز ٹھہرایا جائے تو زرعی اور دستی پر جو لگان لیا جاتا ہے وہ تو بالکل ہی ناجائز ٹھہرا جو ایک مہینہ رقم نہ آجائے گا۔ کوئی مہینہ کچھ پیداوار نہیں دے گا۔ اس لیے بدیہی نفع کے کاموں سے مسلمانوں کو محروم کرنا



پیر مرد کے یہ الفاظ سن کر مفتی جی کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری  
 تھے اور زبان سے اَللّٰهُمَّ جِزْ اِلٰکِ بَارِک اللّٰہ کے الفاظ بے اختیار  
 نکل رہے تھے۔ اسی دوران میں مفتی جی کو خیال آیا کہ استفتاء لکھ کر پیر مرد سے  
 فتوے لکھا لیا جائے چنانچہ چٹ پٹ حسبِ دلی فتویٰ لکھ کر پیر مرد کے سامنے  
 پیش کر دیا۔

**استفتاء** کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسلمان کا شتکار اور کارہی گر دوکاندار اور کارخانہ دار

اپنا کاروبار چلانے کے لیے قرضہ لینے پر مجبور ہیں اور چونکہ اس زمانہ میں بلا سودی قرضہ دستیاب نہیں ہوتا اس لیے اہل ہندو سے سودی قرضہ لیتے تھے۔ مگر اس بارہی اختلافات کی وجہ سے اکثر مقامات میں اہل ہندو نے مسلمانوں کو قرض دینا بند کر دیا اور اپنے پچھلے قرضہ کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس وجہ سے ان کی آمدنی کم کرنا چاہتے ہیں اور جو لوگ آمدنی نہیں ہوتے ان کا سامان اور گھر بار بیابان کر کر رہیں۔ برہاد کو دیتے ہیں ان حالات میں کیا یہ

امرجانہ کا کہ مسلمان ایسے لوگوں کی امداد اور دستگیری اس طریقہ پر کریں کہ انہیں معین متلافہ پر روپیہ دیں یا ان کے ساتھ مضاربہ پر رقم معین کریں جس طرح سے کہ معین لگان پر کاشت کے لیے آراضی دی جاتی ہو اور اس طریقہ سے انہیں غیر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کر ایسے تاکہ ان کا کاروبار نہ بگڑے اور وہ مزید ہی ارکان آزادی سے ادا کرتے رہیں اور تبدیل میں نہ پڑیں۔

پیر مرد عاثر ہو گئے یہ استغناء پر یہ کہ پیر مرد نے آہ سر دیکھی اور کہا کہ میں اگر عالم اجسام میں ہوتا تو غم لوگوں کی یہاں تک نوبت کیوں آپہنچی ہوتی جس چیز کا فتویٰ تم مجھ سے طلب کرتے ہو وہ نہ صرف جائز ہو بلکہ اس زمانہ میں یہی جہاد کا پہلا اور سب سے بڑا کام ہے تو اس وقت سے ایک سو سال قبل ایک نہیں چار فتوے اور وہ بھی تجارتی سود کے جواز کے نہیں بلکہ ہندوستان کو دارالہرب قرار دے کر ہوا کے جواز کے بارے میں دیئے تھے کہ مسلمان غیر مسلموں سے آزادی سے لیں بلکہ میں نے غیر مسلموں سے سود لینے کو سود لینے پر ترجیح دی تھی۔ مگر اب تو میں عالم ارواح میں ہوں تمہارے کاغذ پر کس طرح لکھوں۔

پیر مرد نے اپنی تقریر تمام نہیں کی تھی کہ مفتی محی الدین کو یہ خیال آیا کہ ہونہ ہو یہ بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی ہیں جنہوں نے غیر مسلموں سے سود لینے کا فتویٰ دیا تھا یہ سوچ کر بے اختیار

اُن کے قدموں کی طرف ہاتھ بڑھائے کہ وہ پیرم دیکھنے چٹ کر دفعتاً غائب ہو گئے اور محی الدین دیکھتے کیا ہیں کہ اپنے ہنگام پر سے ہاتھ پھیلانے لگے رہے ہیں اور صبح کی اذانوں کی آواز آرہی ہو اس مبارک خواب نے محی الدین کے تمام شکوک رفع کر کے اُن میں نئی زندگی پیدا کر دی۔ انھوں نے اس امر کا خوب اندازہ کر لیا کہ سود انھیں لوگوں پر سوار ہو کر انھیں تنگ کرتا اور اُن پر غلبہ حاصل کرتا ہے جو اُس سے بچتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے سود پر غلبہ حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا۔ انھوں نے مہاجن کو جس کے رقبہ کا مطالبہ تھا بلا کر فوراً تنگ لکھ دیا اور رقبہ کے روپیہ سے زیادہ روپیہ لیا جس سے تمام متفرق زیورات کو جو زیادہ شرح سود پر رہن رکھے تھے چھوڑا لیا۔ اور فاضل روپیہ سے اپنے عزیزوں کے زیورات بازار سے چھوڑا کر کم شرح سود پر اپنے پاس رکھ لیے مفتی جی کے تقدس کا عام اثر تھا جس سے بھائی بندوں نے اُن کے خواب کو صحیح سمجھا اور سب نے مل کر حسب حیثیت روپیہ جمع کر کے ایک سرمایہ محض اس لیے مخصوص کر دیا کہ اپنی برادری کے لوگوں کا زیور رہن ہونے کے لیے بازار میں نہ جانے پاسے اور جسے ضرورت ہو بارہ آنے سیکڑہ پر مشترک سرمایہ سے بہ کفالت زیور قرض لے پھر مفتی جی نے غریب مسلمان کاری گروں کو مشترک اور ذاتی سرمایہ سے مضاربیت برقم معین پر اور کم شرح سود پر روپیہ دینا شروع کیا۔ خان بہادر سید حفیظ حسین صاحب کو جو ضلع میرٹھ کے دیہات میں رہ رہ کر کے بینکس قائم کر رہے تھے بلا کر سلم بینک زینداران کی بنیاد قائم کی۔ مفتی جی نے اور مسند کے سرمایہ کو جو ایکسٹراجر کے پاس بچا رہتا تھا لے کر بینک میں رکھا اور

اُس سے مستقل آمدنی کی صورت پیدا کر دی۔ بچوں کے لیے گولکین بنا دیں جنہیں وہ پیسے ڈالتے رہیں اور جب چار آنے ہو جاتے تو ڈاکخانہ میں داخل کرتے اور جب معیہ ہو جاتے تو اُن کے کنڈیش سرٹیفکیٹ خریدوا دیئے جاتے اس لیے بچوں کا چھوڑ پین چھوڑا دیا اور انھیں کفایت شعار بنا دیا۔ اس کے علاوہ بچوں کا تعلیمی بیمہ کرا دیا تاکہ اُن کی تعلیم کی طرف سے اطمینان ہو جائے غرض کہ مفتی صاحب قرضدار کے بارے میں روز بروز مسکندوش ہوتے جاتے ہیں اور وہ اور اُن کے خاندان جو برباد ہی کے کنارے آگیا تھا اب فابغ البالی کی طرف قدم بڑھا دین داری کی زندگی بسر کر رہا ہے۔

جنوری ۱۹۲۶ء

(۲۶)

## سود

بہترین چیز  
جب کہ اُسے سب لوگ عام طور پر لیں

ایکوں کہ بہت سے لوگوں کا رویہ سود پر اٹھنے کی وجہ سے شرح سود عام طور پر بہت گھٹ جاتی ہے جو ملک و قوم کے لیے سراسر مفید ہے۔

بدترین چیز  
جبکہ اُسے کچھ لوگ لیں اور کچھ لوگ نہ لیں

ایکونکہ جب سود دینے والے کم اور لینے والے زیادہ ہوتے ہیں تو شرح سود زیادہ ہوتی ہے۔

۲۔ شرح سود زیادہ ہونے سے کاروبار  
اور صنعتی کام کرنے والوں کو جو قرض لیکر  
کام کرتے ہیں زیادہ سود دینے کے  
بعد بہت کم بچتا ہے۔

۳۔ اور کاری گروں کی محنت کا  
زیادہ تر حصہ سود لینے والوں کے پاس  
چلا جاتا ہے جس سے روپیہ والے کا مال  
ہو جاتے ہیں۔

۴۔ اور قرض لے کر کام کرنے  
والے بے نتیجہ محنت کرتے کرتے دلی  
شکستہ افسوس اور نا عاقبت اندیش  
ہو جاتے ہیں۔

۵۔ ایک طبقہ میں حد سے زیادہ  
دولت جمع ہو جانے اور دوسرے  
طبقہ میں حد درجہ افلاس ہونے سے  
ملک میں دو جاکا نہ اور بیکانہ طبقات  
پیدا ہو جاتے ہیں۔

۲۔ اس سے کاروبار کرنے  
کے لیے لوگوں کو روپیہ بہ افراط  
ملتا ہے۔

۳۔ اور کم سود دینے کی وجہ سے  
انہیں کام کرنے میں زیادہ محنت پڑتی  
ہے اور کام کا معاوضہ اچھا ملتا ہے۔

۴۔ اس سے کام کرنے والوں  
کو زیادہ محنت کرنے اور زیادہ  
کفایت شعاری کرنے کی رغبت پڑتی  
ہے۔

۵۔ کسی ایک طبقہ میں حد سے  
زیادہ دولت جمع نہیں ہونے پاتی  
جس سے سوسائٹی میں زیادہ مساوات  
رہتی ہے اور سب کی اخلاقی حالت  
بہتر اور بلند ہوتی جاتی ہے چنانچہ  
انجمنہائے امداد یا ہیمن میں ہر  
فرد سود لیتا ہے اور ایک دوسرے کی مدد

۱۔ اور ہمدردی کرنے کی بہترین مثالیں ہیں۔

۲۔ اس سے عام خوش حالی اور خوش حالی کی وجہ سے نیک کاموں میں روپیہ صرف کرنے میں بہت لطف آتا ہے اور ایسی سوسائٹی سے خیر رشتہ مثل چشمہ کے ملتی ہے۔

۳۔ طبقہ اعلیٰ میں سخت اور غرور اور غریب کی تحقیر کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور طبقہ ادنیٰ میں پست فہمی اور فلاں کی وجہ سے تنگ نظری آ جاتی ہے نیک کاموں میں صرف کرنے کی رغبت نہیں ہوتی اور عام اخلاقی حالت پست جاتی ہے۔

پس ہندوستان کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر چاہتے ہیں کہ وہ پیسہ کا کاروبار جاری کریں تاکہ بازاروں میں زیادہ روپیہ پہنچنے سے ملک میں شرح سود گھٹے اور جس سے صنعت و تجارت میں ترقی ہو اور خلائق کے کام کوشش سے جاری ہوں اور ملک خوش حال ہو۔

جنوری ۱۹۲۶ء

(۲۶)

## کفایت شعاری کا نصاب تعلیم

اصلاح رسوم اور کفایت شعاری، صنعت و حرفت اور تجارت میں ترقی کرنے کی جس قدر خواہش مسلمانوں کو ہے وہ کسی اور قوم سے کم نہیں ہے۔ بہت سے مسلمان

ایسے ہیں جو اپنے اضراجات میں کفایت کرتے ہیں مگر ایک کھڑکی بند ہوتی تو خچے کے چار دروازے کھل جاتے ہیں۔ کتنے لوگ اس انداز اٹانے سے، یا قرض لیگر یا جامد اونچ کر دوکان کھولتے، تجارت کرتے، کارخانے قائم کرتے ہیں مگر چند روز بعد سب ختم کر کے مایوس ہو بیٹھتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہو کہ انہیں ابتداء سے کفایت شعاری کی تعلیم نہیں ہوئی۔ بعد وہ پڑھتے ہوئے ہیں۔ اعلیٰ امتحانات کے نصاب میں اول ہی امتحان دیتے ہیں اس لیے لامحالہ ناکام ہوتے ہیں۔ پس ہم بعد سے کفایت شعاری کا نصاب قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ واقفکار اصحاب اس میں مناسب ترمیمات کر لیں۔

### نصاب

(۱) مکان میں ہر بچہ کی گولک ٹھڈہ ٹھڈہ بنا کر اس کو اس بشرط پر پیسے دینا کہ وہ ان میں سے کچھ پیسے اپنے ہاتھ سے گولک میں ڈالا کرے۔ اور اس پر بچے کو انعام دینا۔

(۲) جب چار آنہ گولک میں جمع ہو جائیں تو بچہ کو ڈاکٹرانہ ساتھ لے جا کر اس کے نام سے حساب کھلوانا اور خود اس کے ہاتھ سے جمع کرانا۔

(۳) جب ساڑھے سات روپیہ جمع ہو جائیں تو بچے کے نام سے ایک کیش سرٹیفکیٹ خریدنا جس کے پانچ سال میں دس روپیہ ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح حسب حیثیت اور بڑی تعداد کے سرٹیفکیٹ اس کے نام سے خریدتے رہنا۔

(۴) ہر بچہ کا تفسیلی بیمہ کرانا

(۵) اپنے پس ماندگان کے لیے اپنی زندگی کا ہمہ کرنا ملا زمان سرکار دکان  
میں بھی ہمہ کر سکتے ہیں جس کی تسطیس ماہوار تنخواہ سے منہا ہوتی ہیں۔

(۶) اگر ملازم ہو تو پراپیٹی فنڈ میں سے تنخواہ کا ایک حصہ منہا کرنا۔

(۷) خود اپنا حساب ڈاکھانہ یا کسی معتبر بینک میں کھولنا (ڈاکھانہ میں ۳

فی صدی منافع ملتا ہے اور امپیریل بینک کے سیونگ میں چار فی صدی منافع ملتا  
ہے۔ سیونگ بینک میں ایک سال میں پانچہزار تک جمع ہو سکتا ہے۔ جب اس سے  
زیادہ ہو جائے تو محفوظ فنڈ میں منتقل ہو کر ۴ فی صدی منافع مل سکتا ہے۔ جب  
زیادہ روپیہ بڑھتا جائے تو اس سے امپیریل بینک کے جو معتبر ہی جیسے خریدے  
جاسکتے ہیں جن کا منافع ۶ فی صدی سے زیادہ ملتا ہے یا ایک سال کی واپسی کی شرط  
پر جمع ہو سکتا ہے (شرح سود دہنتی رہتی ہے روپیہ جمع کرتے وقت اس کی تحقیق کر لی جائے)

(۸) جب محفوظ بینکوں میں کافی روپیہ ہو جائے تو اس کا ایک جزو غریب

کاری گروں اور دوکانداروں اور کاشتکاروں کو معین منافع پر، یا قسطوں پر  
عام شرح سود سے کم پر دینا تاکہ وہ دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی فلاحی سے  
نخلیں مگر غیر نفع آور کام کے لیے یا اسراف اور شادی عی میں صرف کر ڈالنے  
کے لیے نہ دیا جائے کیوں کہ اس کا سود رہا ہوگا جو حرام ہے۔ صرف کاروبار  
کرنے کے لیے کم سود پر دیا جائے۔

(۹) کاشتکاروں اور کاری گروں کی انجمنہائے امداد باہمی قائم

کرنے میں خاص کوشش کرنا اور اس میں نمایاں حصہ لینا اور اپنی ذاتی ضرورت  
کے لیے اپنی جماعت اپنے حملہ میں کوآپریٹو سٹور (یعنی باہمی شرکت کی دوکان)



کھولنا

(۱) انفرادی اور اجتماعی طور پر روپیہ کا کاروبار کرنا، صنعتی کارخانے اور دکانیں کھولنا اور وسیع پیمانہ پر اپنے ملک میں اور دیگر ممالک میں ہر قسم کی تجارت کے نام پر حقیقی طور پر سولاج حاصل ہوتا ہے اور اپنی قومی اور ملکی سلطنت قائم ہوتی ہے اور دوسری کمزور سلطنتوں پر قبضہ حاصل ہوتا ہے اور اپنا قومی وقار قائم ہوتا ہے۔  
جنوری ۱۹۲۶ء

(۲۸)

## دولت کی بُرائی کون لوگ کرتے ہیں؟

(۱) وہ لوگ جو روپیہ پیسا کرنے، اور بچا کر اسے بڑھانے کے طریقوں سے واقف نہ ہوں، اور دولت مند بننے میں ناکام رہتے ہیں اس لیے وہ رشک کی وجہ سے دولت اور اہل دولت کی بُرائی کرتے ہیں۔

(۲) باوجود تارکان دنیا دولت کی بُرائی کرتے ہیں جن کی تمام ضروریات جو روپیہ سے خریدی جاتی ہیں، اور ہرے لوگ ان کے لیے فراہم کر دیتے ہیں۔

گمراہ مسلمان اس قدر غفلت ہو گئے

کہ ان میں گوشہ نشین صحاب کی ضروریات فراہم کرنے اور ان کی خدمت کرنے والوں کی نہایت کی ہو گئی ہے۔ اس لیے اب جو لوگ مسلمانوں میں دولت کی بُرائی کرتے ہیں وہ یا تو رشک سے کرتے ہیں یا محض وسعت داری سے۔

(۲۹)

## پنجاب کے مسلمان زمینداروں کی اقتصادی حالت

(یہ وہ تقریر ہے جو سید طفیل احمد صاحب نے ۲۰ دسمبر ۱۹۲۵ء کے جلسہ انجمن حمایت اسلام لاہور میں کی)

۱۔ معذرت | میں اراکین انجمن حمایت اسلام کا دلی شکریہ گزار ہوں کہ انھوں نے اپنے کرم سے مجھے آج دوسری بار اپنے خیالات مسلمانوں کی مالی حالت کے متعلق عرض کرنے کا موقع دیا ہے اگرچہ مجھے اسی کے ساتھ اس بات کا فہم بھی ہو کہ مجھے آپ کے سامنے نہایت خشک اور ولوں کو افسردہ کرنے والے واقعات عرض کرنے پڑتے ہیں تاہم اس قدر عرض کرنے کی میں ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ جس مسئلہ کو میں ایک عامیانہ طریقہ سے پیش کرتا ہوں، اگر اس کی طرف پنجاب کے ذی علم، ذی رتبہ اور قابل اصحاب کو توجہ ہوگئی تو کچھ مدت بعد آپ کو کہیں گے کہ جو مصائب آپ کو انجمن اور اسلامیہ کالج کے لیے سہارا بن کر پیش کرنے میں اٹھانے پڑتے ہیں ان میں بہت کچھ کمی ہو جائے گی اور نہایت کم کوشش سے آپ کو اور آپ کی آئندہ نسلوں کو یہ افراط و تفریط سے بچا کر دے گا۔

مسلمانوں کا ایک یہ زمانہ تھا جب کہ لوگ جمہوریوں میں سونا بھر کر مدینہ منورہ کی گلیوں میں پھارتے پھرتے تھے اور اس کا کوئی لینے والا نہ ملتا تھا۔ برخلاف اس کے اب اسکول کے بچوں سے لے کر قوم کے معزز ترین اصحاب

تک چندہ کے لیے گھر گھر مارے پھرتے ہیں اور تنخواہ دار سفید بھینج کر ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں مگر قوم کی نہ مقامی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور نہ مرکزی۔ مغربی ممالک کی نسبت یہ سنا جاتا ہے کہ جب وہاں کوئی نفع عام کا کام جاری ہوتا ہے تو پبلک کو محض اخبارات کے ذریعہ سے آگاہ کر دیا جاتا ہے کہ فلاں کام کے لیے روپیہ کی اس قدر ضرورت ہے۔ اسی وقت لاکھوں کے چاک آئے شروع ہو جاتے ہیں اور چند روز میں فہرست مکمل ہو جاتی ہے چند سال پہلے لندن کے ایک گوشہ کی طرف جو ہسپتال کے نام سے مشہور ہے کوئی جنگل واقع تھا اسے صاف کر کے آباد کرنے کی ضرورت تھی۔ صرف ایک شخص نے بلا اخبار نام کے آٹھ لاکھ روپیہ کا چاک بھیج دیا اور کام پورا ہو گیا اور محض جنگل کی صفائی کے لیے یہ رقم مل گئی اور تعلیمی اور خیراتی کاموں کے لیے تو کروڑوں روپیہ ہر طرف سے پرستار ہوتا ہے یہ خبریں ہماری سمجھ میں تو کسی طرح آتی نہیں کیوں کہ یہاں تو جو لوگ پبلک کام کرتے ہیں ان کی قوت اور عمر کا بہترین حصہ ذلیل قسم کی چالو سی، خوشامد اور گدہ اگر می میں گزر جاتا ہے اور پھر بھی دنیا سے مایوس جاتے ہیں۔ بہر حال قومی کاموں کے لیے چندہ وصول کرنے میں جو روحی تحلیف پیش آتی ہیں اور جو خچ پڑتا ہے ان کی تفصیل کے لیے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہوں گے۔ اس لیے میں اختصار کے ساتھ صرف یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ تمام تر مصائب ہمارے افراد کی ناداری کے نتیجے ہیں جس کے دور کرنے کی طرف ہمیں جلد سے جلد متوجہ ہونا چاہیے۔

سال گزشتہ کے مضمون میں جو میں نے مسلمانان پنجاب کی اقتصادی

حالت کے متعلق آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اس میں میں نے زمینداروں کی حالت کو وہ نسبت نظر انداز کر دیا تھا۔ کیوں کہ اس کے لیے ایک مستقل مضمون کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اب میں صرف پنجاب کے مسلمان زمینداروں کی نسبت عرض کرنا چاہتا ہوں جو ہماری سوسائٹی کی سب سے اہم جماعت ہے سب سے اہم اس لیے کہ زمینداری سلطنت سے آئینہ سلطنت کی جزو و اعظم اور سلطنت سے قریب تر ہے اس صوبہ میں مسلمان عرصہ دراز سے زمین پر قابض تھے چنانچہ اب تک زمینداری اور کاشتکاری میں ان کی تعداد چھپن فی صدی یا نصف سے زیادہ ہے اور بعض کتابوں میں نے دیکھا ہے کہ ڈیولٹ کے قریب ہے۔

پھر یہ کہ کاشت کے مواقع کے اعتبار سے نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دنیا بھر میں پنجاب کی برابر زمین کوئی صوبہ نہیں ہے۔ اور اب میں ہزاریل کی نہروں نے ترقی کے وسائل کو بدرجہا زیادہ بڑھا دیا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ مسلمانوں نے پستی زمیندار اور کاشتکار ہونے پر ان بے نظیر مواقع سے کہاں تک فائدہ اٹھایا ہے۔

۲۔ انگریزی عملداری سے قبل | اس امر کے جانچنے کے لیے ہمیں چند دور قلم کرنے پڑیں گے۔ پہلا دور انگریزی عملداری سے پہلے کا تھا جب کہ زمین کی مالک سلطنت تھی اور زمیندار کو ان میں حقوق مالکانہ اور حقوق انتقال حاصل نہ تھے اور وہ مثل ایک مستاجر کے تھا۔ ان دنوں کاشت سے جو کچھ پیدا ہوتا کاشتکار اس کا ایک حصہ زمیندار کو

اور زمیندار حاکم وقت کو دیتا تھا اگر کچھ پیدا نہ ہوتا تو کچھ نہ دیتا۔ اس وقت آرمی کا محصول بھی نقدی کی صورت میں نہ دینا پڑتا تھا اور اس لیے مہاجن سے روپیہ قرض لینے کی ضرورت نہ پڑتی تھی اگر ضرورت پڑتی تو زیادہ تعداد میں روپیہ نہ مل سکتا تھا۔ اور جس قدر ملتا تھا تو اس کی شرح سود ایک روپیہ سیکرہ سے لیکر زیادہ سے زیادہ دو روپیہ سیکرہ تک ہوتی تھی حتیٰ کہ مغز مہاجنوں میں دو روپیہ سیکرہ سے زیادہ سود لینا میسوب سمجھا جاتا تھا جس کی تھپیت کٹیل دیس نے جو پنجاب کے ایک سولین تھے کی ہے۔

۳۔ آرمی میں حقوق مالکانہ ملنے کا دور  
دوسرا دور اس صورت میں  
انگریزی عملداری سے

شروع ہوا ہے جب کہ ۱۹۴۷ء میں گورنمنٹ نے بجائے عیسائی کے نقد مالدار کی مقرر کردہ اور زمینداروں کو اپنی مقبوضہ آرمی زمین اور بیع کرنے کے اختیار سے روئے۔ زمین اور بیع کے اختیارات نے رعایا کی مالی حیثیت کو دس گونہ سے لیکر بیس گونہ تک بڑھا دیا جن لوگوں کو مشکل بیس روپیہ قرض مل سکتے تھے انھیں آرمی کی کفالت پر صد روپیہ ملنے لگا۔ سرتاسری لگان ادا کرنے کے لیے قرض، روزمرہ کی ضروریات کے لیے قرض، شادی اور غمی کی تقریبات کے لیے قرض جیسے کہ اسراف اور عیش پرستی کے لیے قرض ملنے لگا اور روزمرہ پر سود، سود و سود اس کے بعد ڈگری اور ڈگری کے بنیاد پر کی نو بہت آنے لگی۔

تمام سرکاری رپورٹوں میں تحریر ہے کہ مسلمان ابتدا سے روپیہ رکھنا

نہ جانتے تھے۔ پہلے انھیں قرض نہ مل سکتا تھا اس لیے اگر کھانے کو نہ ملتا تو بھوکے رہتے۔ مگر اس تبدیلی سے انھیں تو اس سے خوشی ہوئی کہ خوشی من ملنے لگا جس سے وہ سمجھے کہ وہ بڑے دولت مند ہو گئے اور کہا جنوں کو اس سے خوشی ہوئی کہ قرضہ کے بدلے میں ان کے ہاتھ جا بجا دیں آئے لگیں اور تھوڑے عرصے میں بڑے بڑے زمیندار بن گئے۔

۴ شرح سود کی آزادی کا اثر | چونکہ زمیندار یوں کے انتقال میں سودی کاروبار کا بڑا حصہ تھا اس لیے سود کے متعلق چند تاریخی واقعات عرض کرنا غالباً بے موقع نہ ہو گا۔ واقعہ یہ کہ سودیوں کے انسانیوں کی صرف ایک محدود تعداد کے لیے قرض بخش اور زیادہ کے لیے معذوران کی بربادی کا باعث تھا اس لیے اس کی ممانعت ہر قوم و مذہب میں سختی دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں سود ممنوع اور محبوب نہ رہا ہو۔ اسے مذہبی اور ملکی قوانین دونوں نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ کبھی نہ ٹک سکا بلکہ ممانعت سے اس کی شرح بڑھ جاتی تھی کیوں کہ جب لوگوں کو معلوم ہوتا کہ ان کے روپیہ کا سود علانیہ وصول نہیں ہو سکتا تو اس کی وصولی مشتبہ ہونے کی وجہ سے شرح سود بڑھ جاتی تھی۔ بالآخر بہت سے تاجر یوں کے بعد انگلستان میں ۱۷۹۴ء میں شرح سود کی حد میں فی صد مقرر کی گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ یورپ میں سودی قرضہ زیادہ ترغیا اور ضرورت مند لوگ لیتے تھے اور اس سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ مگر وہ صنعتی کاروبار کا دور شروع ہوا تو وہ پیہ کار و بار تجارت اور کارخانوں میں لگانے

کے لیے قرض لیا جانے لگا جس میں قرض دینے والے اور لینے والے دونوں کا قطع تھا اس نے ملک کی دولت میں اضافہ کیا جس سے شرح سود خود بخود کم ہونے لگی۔ اسے دیکھ کر انگلستان میں سلطنت نے ۱۶۲۷ء میں شرح سود ڈن فی صدی سے گھٹا کر آٹھ فی صدی کر دی۔ پھر ۱۶۵۱ء میں چھ فی صدی اس کے بعد ۱۶۵۱ء میں شرح سود ایک فی صدی میں تھیں شرح سود کا قانون بالکل منسوخ کر دیا اور لوگوں کو سود کی داد مستند میں بالکل آزاد کر دیا۔ اس آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان میں شرح سود ایک زمانہ میں صرف دو فی صدی سے تین فی صدی سالانہ تک گھٹ گئی۔ انگلستان صدیوں کے تجربہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ سود پر سے تمام بندشیں اٹھا دینے سے روپیہ آزادی کے ساتھ کاروبار میں لگ کر ملک کی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ انگریزی گورنمنٹ نے ہندوستان میں بھی ۱۸۵۰ء میں سود کو بالکل آزاد کر دیا۔

اس طرح سات سال کے عرصہ میں دو قانون پڑی در پڑی ایسے پاس ہوئے جنہوں نے مسلمانوں کی حالت پر غیر معمولی اثر ڈالا۔ ۱۸۴۹ء کے قانون کی رو سے زمیندار آراہنی کے مالک ہو گئے جس سے ان کی حیثیت اور دولت بڑھ گئی۔ مگر مسلمان زمیندار کو حساب کتاب اور روپیہ رکھنے سے تو بھی ساقط پڑا نہ تھا۔ اس قانون کے اجراء سے پہلے بھی اس کے غلبہ کا حساب کتاب گائوں کا بنیہ جوتل ایک ادنیٰ خادم کے ہوتا تھا، رکھتا تھا، اب غلبہ کے بدلے جب نقد مال گزاری ادا کرنے کی ضرورت ہوتی تو بنیہ سے روپیہ قرض لے کر ادا کرتا جو رفتہ رفتہ بڑھتا رہتا۔ مگر ۱۸۵۸ء کے قانون نے جس کی رو سے شرح سود

غیر محدود ہو گئی قرضہ کی تعداد اور مقدار کو بھی غیر محدود کر دیا۔

۵۔ سود کے قدیم اور جدید قوانین کا مقابلہ | اس سے قبل ہندوستان میں سود کا رواج ضرور تھا مگر بہت

سی بنارسوں کے ساتھ تھا۔ مثلاً زمانہ ہائے قدیم سے یہاں سود پر روپیہ دینے کی اجازت صرف ویشوں کو تھی اور وہ صرف اس قدر کہ اصلی رقم قرضہ سے سود کی رقم زیادہ نہ ہونے پائے۔ اس قانون کا نام دام دوپٹ تھا جو اب تک کلکتہ و صوبہ بمبئی اور برار میں جاری ہوا اور جس کی رو سے ہندوں پر اصل رقم قرضہ سے سود کی رقم زیادہ نہ ہونے پائے۔ اس قانون کا نام دام دوپٹ تھا جو اب تک کلکتہ و صوبہ بمبئی اور برار میں جاری ہوا جس کی رو سے ہندوں پر اصل رقم سے دو گنے سے زیادہ کی وگہ نہیں ہو سکتی۔

مگر ۱۸۵۶ء کے قانون نے سود کی تمام بندشوں کو توڑ دیا۔ پہلے زمانہ میں قرضہ وصول کرنے کے لیے کوئی خاص توہین نہ تھی اور نہ اس کے لیے کوئی خاص چارہ کار تھا۔ قرضہ کی ادائیگی ایک اخلاقی فرض تھا اس لیے قرضہ نسلاً بے نسل منتقل ہوتا رہتا تھا اور مدیون کی اولاد اپنی مباح کے موافق اس کے ادا کرنے کے لیے تیار رہتی تھی۔ مگر قانون مبادلہ کے اجرا سے دین کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ چھ سال کے اندر اپنا قرضہ وصول کر لے ورنہ اس کا قرضہ مارا جاتا۔ یہ مبادلہ میں صرف تین سال رہ گئی۔

اس کی وجہ سے عدالتوں میں نالیشوں کی بھر مار ہونے لگی۔ اور اسی کی وجہ سے شرح سود بھی سادہ سود کی جگہ سود در سود ہو گیا۔ ایک روپیہ سالانہ سود



کی جگہ دو تین روپیہ تک بڑھ گیا اور وہاں تین آدھ آنہ اور ایک آنہ فی روپیہ  
 ماہوار کے حساب سے پچھتر فی صدی سالانہ تک پہنچ گیا۔ دیون یہ کوشش  
 کرنے لگا کہ کسی طرح سے میاں دگر جائے تاکہ وہ قرضہ کے بارے سے بغیر اسے ادائیگے  
 ہوئے سبکدوش ہو جائے۔ غرض کہ ان وجوہ سے مقدمہ باری کی بنیاد قائم  
 ہو گئی۔ قرضہ کی غلت میں منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد اور مویشی نیلام ہونے  
 لگے اور دیون گرفتار ہو کر جیل خانے جانے لگے۔

**۶۔ مسلمانوں کی قرضداری کے اعداد** ان وجوہ سے مسلمان زمینداروں  
 کی بربادی کی کوئی حد و انتہا نہ ہو  
 مثلاً مسٹر رابرٹسن نے راولپنڈی کی نسبت لکھا ہے کہ وہاں آٹھ فی صدی زمیندار  
 مقروض تھے۔ یہ حالت دیکھ کر افسران ضلع کو خیال ہوا کہ یہ قرضداری صرف  
 مسلمانوں کے مسرفانہ عادات کی وجہ سے ہے۔ اس لیے سرجمیں نے ۱۸۹۶ء  
 میں شمالی سندھ کے چند ضلع میں تحقیقات کرائی جس کے نتائج حسب  
 ذیل ہیں :-

مسرف زمیندار ۵۱ فی صدی

باوجود محتاط ہونے کے مقروض ۵۶ فی صدی

اسی تحقیقات میں یہ بھی معلوم ہوا کہ ہندوؤں کے قبضہ میں ۳۲ فی صدی  
 اراضی بیع یا ہن ہو کر پہنچ چکی ہے۔ اسی طرح ۱۸۹۹ء میں ضلع مظفر گڑھ میں تحقیقات  
 کرائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ ۶۰ فی صدی مسلمان مقروض ہیں اور ہندو مسلمانوں  
 کی نسبتی حالت حسب ذیل ہے :-

- |   |  |
|---|--|
| (۱) مسلمان مسرف اور غریب ہیں                  | (۱۰) ہندو کفایت شعارا و خوشحال ہیں                   |
| (۲) مسلمان جاہل ہیں۔                          | (۱۱) ہندو لکھے پڑھے اور تعلیم یافتہ ہیں              |
| (۳) مسلمان حیا یم کے عادی ہیں                 | (۱۲) ہندو پُر امن زندگی بسر کرتے ہیں                 |
| (۴) مسلمان صرف زراعت پیشہ ہیں                 | (۱۳) ہندو زراعت کے روپیہ کی دوست اور تجارت کرتے ہیں۔ |
| (۵) مسلمان آرہنی خریدنے کے لیے قرضہ لیتے ہیں۔ | (۱۴) ہندو قرضہ کے بدلے آرہنی حاصل کرتے ہیں۔          |

اکثر اصحاب سمجھتے ہیں کہ ہندوستان سے مسلمانوں کی سلطنت جاتے رہنے اور اس کے بعد غدر کے واقعات نے مسلمانوں کو برباد کر دیا۔ مگر میں دعویٰ کرتے ہیں کہ اساتذہ قوم کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کرنے کے لیے تیار ہوں کہ جس قانون کے اجراء نے بھول پنجاب کے مشہور مسٹر تھاربرن کے دواؤں سے کھڑے والی قوموں کو سونے کی کانوں تک پہنچا دیا، اسی نے مسلمانوں کو تھوڑے عرصہ میں فلج المالی کی چوٹی سے گرا کر فلاس کے کھڈ میں گرا دیا۔ جو چیز ہندوؤں کے لیے رحمت ثابت ہوئی وہ مسلمانوں کے لیے سراسر آزار رحمت ہی رحمت ہو گئی وہ اس طرح کہ زمین کو بہن اور بیع کرنے کے اختیار حاصل ہونے سے تو یہ کثرت روپیہ قرض لیا گیا اور قرض لیا ہوا روپیہ شرح سود اور سودور سود کی آزادی سے اس قدر تیزی کے ساتھ بڑھا جس کا پورا اندازہ آج تک بھی مسلمانوں کو نہیں ہوتا جب کہ وہ اپنی تمام جائیدادیں قرضہ کی نظر کر چکے۔

۱۔ سود کی مہضرت سے بچنے کے قوانین۔ اس حالت کو دیکھ کر بقول

مسٹر تھاربرن کے رجحانوں نے ہمیں پنجاب میں قانون انتقال آرہنی پاس کرنا یا حکام وقت کو یہ اندیشہ ہوا کہ بالعموم جلد اقوام کے زمیندار اور بالخصوص مسلمان زمیندارنگے بھوکے ہو کر ملک میں فساد اور بربادی کریں گے اس لیے انھوں نے ایسے قوانین تجویز کیے جن سے پُرانی زمینداریاں قائم رہیں۔ اس کے لیے مختلف صوبوں میں مختلف قوانین جاری کیے گئے مثلاً ۱۸۸۱ء میں سندھ کی زیر بار قرضہ جائیدادوں کا قانون ۱۸۸۲ء میں کاشتکاروں کا قانون ۱۸۸۳ء میں ترقی حیثیت آرہنی کا قانون ۱۸۹۰ء میں کاشتکاروں کی امداد کا قانون ۱۸۸۳ء میں جھانسی کی زیر بار قرضہ جائیدادوں کا قانون ۱۸۸۳ء میں کی رعایا کا قانون اور ۱۸۸۳ء میں پنجاب کا قانون انتقال آرہنی پاس ہوا۔

**۲۔ قانون انتقال آرہنی** مندرجہ بالا قوانین کی تفصیلات کو طوالت کے اندیشہ سے ترک کر دیا گیا ہے۔ البتہ جس قدر

قوانین پاس ہوئے ان میں سب سے اہم پنجاب کا قانون انتقال آرہنی تھا جو مسٹر تھاربرن کی رحم دلی اور غیر معمولی کوشش کا نتیجہ تھا۔ اس قانون کی رو سے آرہنی اُن خاتون کے حق میں منتقل ہونا بند ہو گئی جن کا پیشہ خالص ادستد تھا اور جو ذراعت پیشہ نہ تھیں۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ زمینداروں کی جائیدادیں اور کھتر دیوں کے پاس رہن اور بیع ہوئی بند ہو گئی اور ہزاروں خاندان بربادی اور تنہائی سے بچ گئے۔ اس قانون کے پاس ہونے سے دس سال قبل کے دوران میں پنجاب کا قرضہ نقد وصول کر دے کے بڑھ گیا تھا۔ مگر یہ قانون پاس ہونے کے دس سال کے اندر صرف

نوکر ڈر یعنی بقدر نصف کے بڑھا جس سے اس صوبہ کو بدیہی نفع پہونچا۔  
**۹. قانون انجمن امداد باہمی** | انتقال آرامی کا قانون نافذ ہونے کے  
 تین سال بعد سروسٹو مینٹرل ایٹنسن

*Sir Danzil Abbetson.*

کے زمانہ میں سن ۱۸۷۹ء میں ایک قانون انجمن ہائے امداد باہمی پاس ہوا  
 اور اس سے ایک کی جگہ دو مفید قوانین ہو گئے جنھوں نے مل کر پنجاب  
 کے زمیندار کا شتکاروں کی دولت میں خوب اضافہ کیا۔ خوش نصیبی سے  
 اس محکمہ میں پنجاب کو ایسے ہندو افسر ملے جن کی نظیر دوسرے صوبوں  
 میں کم ملے گی اور جن کی کوششوں سے دیہات میں زندگی کی ایک  
 نئی روح پھونک گئی اور بیس سال کے عرصہ میں کل ہندوستان کی  
 چھپن ہزار انجمنوں میں سے دس ہزار انجمنیں صرف پنجاب میں قائم  
 ہو گئیں۔ گو یا مردم شمار کی کے حساب سے جس قدر ہونی چاہیے ہیں  
 اس سے دو گنی انجمن ہائے امداد باہمی قائم ہوئیں۔

پھر یہ کہ پنجاب میں سود خواروں کی اس قدر کثرت ہو کہ الامان انجمن  
 یعنی پنجاب کو چھوڑ کر تمام ہندوستان میں جتنے مہاجرین ہیں ان سے تین  
 گونہ صرف پنجاب میں ہیں۔ یہاں داد و ستد کے پیشہ کا اس قدر زور ہو کہ  
 مہاجرین کی آمدنی کا مقابلہ زندگی کا کوئی شعبہ نہیں کر سکتا۔ ان کی آمدنی  
 نہ صرف تمام ملازمت پیشہ لوگوں سے زیادہ ہو بلکہ صنعت و حرفت  
 کے کارخانوں کی آمدنی سے بھی دو چند ہو۔ ان کی سالانہ آمدنی کا تخمینہ

اس ٹیکس کے حساب سے جو وہ ادا کرتے ہیں چھ کروڑ سالانہ کیا جاتا ہے مگر پنجاب کے زمیندار کا شتکاروں نے کچھ لوظانی داد ستر سے اور کچھ قانون انتقال آرہی اور انجمن ہائے امداد یا ہی کی مدد سے ہمارے کا مقابلہ نہایت کامیابی سے کیا اور گزشتہ دس سال میں ان کی تعداد تقریباً دس فی صدی کے گھٹا دی اور مسٹر ڈارلنگ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ حالہ میں سکھ جاٹ اس ضلع کے ساہوکاروں کو بے دخل کر رہے ہیں اور امرت سرگودھا نہ اور ہوشیار پور کے ساہوکاروں کا برابرانہ مقابلہ کر رہے ہیں۔ مسٹر ڈارلنگ نے یہ بھی لکھا ہے کہ لال پور کے سکھ کاشتکار جنوبی پورپ کے کاشتکاروں سے زیادہ خوش حال ہیں۔

۱۔ مفید ترین قوانین سے  
مسلمانوں نے نفع نہیں اٹھایا

مگر اب سوال یہ ہے کہ ان تمام مفید ترین حالات اور بہترین قوانین کی موجودگی میں جو بیس بیس سال سے پنجاب میں جاری ہیں مسلمانوں نے کیا نفع اٹھایا؟ اس سوال کے جواب میں اخبارات کے کالم اور سرکاری رپورٹیں مسلمانوں کی فوج خوانی سے بے نظارتی ہیں مثلاً یہ کہ ایک اخبار میں لکھا تھا کہ لودھیانہ اور ہوشیار پور کے مسلمان زمینداروں کے قرضوں کا واسطہ ان کے سرکاری مالیت سے ۲۳ گونہ ہے۔ دوسری جگہ لکھا تھا کہ مسلمانوں پر ساڑھے کروڑ قرضہ ہے ایک تیسرے اخبار میں لکھا تھا کہ پنجاب میں ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے کسی قدر کم ہے مگر ٹیکس و ہنگام میں مسلمانوں سے تیرہ گونہ ہے اور خود میں نے مروجہ شماری کی رپورٹ میں دیکھا کہ ہندو

جو رقم انکم ٹیکس میں دیتے ہیں وہ مسلمانوں کی مجموعی رقم سے ہاگو نہ ہو۔ مسٹر ڈارلنگ نے مظفر گڑھ کے بلوچیوں کی نسبت لکھا ہے کہ ان کی ستویں صدی یعنی تمام آراہنی ہندوؤں کے پاس نہیں ہو سکتی جو اس کی کل پیداوار پر قابض ہیں اور نام نہاد مالکان آراہنی سے غلاموں کے سے کام لیتے ہیں ان سے مشقت کراتے ہیں اور میٹھی اور پانی کی چوری کراتے ہیں۔

مسٹر ڈارلنگ موصوف نے مسلمانوں کی قابل رحم حالت سے متاثر ہو کر لکھا ہے کہ

قرضہ کے گراں بار میں وہب کر کوئی شخص یہ اُمید نہیں کر سکتا کہ اُس کے قوی کانشو و نما ہوگا۔ اور یہ کلیہ اگر افراد کے لیے درست ہو تو جماعتوں کے لیے بھی ضرور درست ہونا چاہیے پس جب تک کہ مسلمان قرضہ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں وہ اپنی حالت کسی طرح بہتر نہیں کر سکتے۔ اور بدترین امر یہ ہے کہ یہ ہندوؤں اور سکھوں کی جس کی وجہ سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی تعلقات میں کشیدگی ہو اور بخش کی موجودگی صوبہ کی پوری ترقی اور نشو و نما کے لیے مضر ہو۔ کیونکہ جس خاندان میں اندرونی نزاع ہو اس کا قایم رہنا مشکل ہوتا ہے۔

مسلم زمینداروں نے تمام ہندوستان کے مسلمان، پنجاب کے مسلمانوں کو رشک کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ ان کی جاہلین بیبیوں کی جگہ لے لی قانون انتقال آراہنی کی وجہ سے محفوظ ہیں مگر

جب کسی جماعت میں قانون سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت نہ ہو تو قانون زیرِ بحث کہاں تک فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ موجودہ قوانین کی رو سے زمین پر قانون کی جائدادیں، غیر زراعت پر مشتمل قانون کے نام منتقل نہیں ہو سکتیں مگر جب مسلمانوں کو قرضہ لینے اور جائداد پر بیع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اول تو فریقین مسکینوں کی صورتیں بیع و رہن کی مثال دے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جب سے مہاجن کے لیے مزدور آرمی کو اپنے حق میں رہن و بیع کرانے کا دروازہ بند ہوا ہے مہاجنوں کی جگہ غیر مسلم زمینداروں اور کشکاریوں نے روپیہ کی داد و ستد کا کام اختیار کر لیا اور اب وہ لوگ قانون کی رو سے اسی طرح مسلمانوں کی جائدادیں حاصل کر رہے ہیں جس طرح سے کہ مہاجن اور کھتری حاصل کیا کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعض اضلاع سے سود خوار مہاجن کو غائب کر کے اس کی جگہ لے لیا ہے۔ ان کی نسبت ایک زمیندار نے مسٹر ڈارلنگ سے یہ لطیفہ کہا تھا کہ ”اگر قانون انتقال آرمی نے بھیج کر بھیجے کے پنچوں سے چھڑا یا تھا تو صرف اس لیے کہ اسے قصاب کے سپرد کر دے“ گو ہا کہ مسلمان زمینداروں کی قسمت میں تو بربادی تھی اور خواہ وہ بنیہ اور کھتری کے ہاتھوں سے ہو یا سکھ اور جاٹ کا لشکاروں کے ہاتھوں سے۔

۱۲ قانون انتقال آرمی ایک اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس قسم کے قوانین جیسا کہ قانون انتقال آرمی ہے ان کی منسوخی کا مسئلہ عارضی حالات کی بنا پر عارضی فوائد کے لیے جاری ہوا کرتے ہیں۔ جیسا کہ کورٹ آف وارڈس کا قانون نابالغوں کے لیے

جب ناپائی کا زمانہ گزرتا ہی تو پھر اس قانون کا نفاذ اس پر سے اٹھایا جاتا ہے  
چنانچہ مسٹر تھارپن نے قانون انتقال آرمینی کی ضرورت ثابت کرنے کے  
لیے مسلمانوں کی نسبت کہا تھا کہ

”عقل معاش کے اعتبار سے وہ مثل ایک دھنی زیتے کے ہے“

اسی یا مسلمانوں میں عقل معاش پیدا کرنے کے لیے یہ قانون پچیس سال سے  
نافذ ہے مگر کچھ لوگ اس قانون کو عرصہ تک جاری رکھنا ملک کے لیے مضر سمجھتے  
ہیں اور اس کے کچھ نقصانات بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ جو قانون  
کسی جماعت کی حفاظت کے لیے نافذ کیا جاتا ہے اگر وہ عرصہ تک قائم  
رہے تو اس جماعت کو کمزور کر دیتا ہے جیسے کسی بچہ کا ہاتھ پکڑ کر رستے چلاتے  
رہیں تو وہ چلنا نہیں سیکھتا اور کمزور رہ جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ  
زمینداری اور کاشتکاری کی ترقی اس وقت زیادہ ہو سکتی ہے جب کہ اس  
پیشہ میں ذی فہم اور تعلیم یافتہ لوگ شریک ہوں۔ یہ لوگ بالعموم شہروں  
میں رہتے ہیں اور موجودہ قانون کی وجہ سے زمینداریاں نہیں خرید سکتے اگر  
انہیں خریداری کی اجازت ہو تو وہ کاشت کے کاموں میں اپنا سوا یہ اور  
دماغ صرف کریں اور تنہا ملک کو خوب ترقی ہو۔ عرض کہ اس قسم کی  
چم بیگوئیاں ہو رہی ہیں اور خود مسٹر ڈارنگ نے اپنی کتاب میں صاف  
الفاظ میں لکھا ہے کہ اب وہ وقت آگیا کہ قانون انتقال آرمینی میں ترمیم  
کر دی جائے۔“

اگر خدا نخواستہ یہ قانون منسوخ یا ترمیم ہو گیا تو خطرہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا



جو ایک خیالی سہاوا تھا وہ بھی باقی نہ رہے گا۔ خالی سہارے کا لفظ اس لیے عرض کیا گیا ہے کہ جو مختلف قوانین کمزور جماعتوں کے لیے مختلف اوقات میں نافذ ہوئے اگر وہ مرض کے صحیح علاج ہوتے تو وہ ضرور مسلمانوں مستقل نفع پہنچاتے مگر یہاں تو ہنوز روز اول کا مضمون صادق آتا ہے۔ اس موقع پر میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ جو مسلمان اس کی بربادی روکنے کے لیے مختلف اوقات میں کوششوں میں قانونی مسودہ پیش کرتے دیکھتے ہیں وہ نہایت تشکر گزاری کے مستحق ہیں اور قوم کو ان کی ہر طرح امداد و بہتت افزائی کرنی چاہیے مگر تمام قوم کا قانونی ترمیمات کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا ٹھری پست تہمت کی علامت ہے انھیں مسلمانوں کے لیے جو ایسا جرمی اور بہاؤ قوم پہی ہو گیا ہوئی بات اور کہ ان کا ہر کہ وہ خاص مراعات خاص قوانین اور حفاظتی قواعد کی جستجو میں رہا کرتے جیسا کہ عرض کیا گیا، حفاظتی قوانین قوم کو کمزور کرنے والے ہوتے ہیں ہمیں اب اپنے آپ کو اس قابل بنانا چاہیے کہ جس طرح تیر و تیر نہرو و تیار و تیار کی لڑائیوں میں ہم کھلے میدانوں میں لڑ کر کامیاب بنائے اسی طرح اب سرمایہ داری اور روپیہ کے کاروبار میں بغیر قانونی آڑ اور امداد کے کیوں نتائج حاصل کریں۔

سہ ماہی و جو قوانین انتقال  
آرہنی کے قرضہ میں تیار و تیار  
یقینی امر ہے کہ پنجاب نے گزشتہ پچیس سال  
میں بہت دولت پیدا کی جس میں مسلمانوں کی  
محنت کا بھی بڑا حصہ ہے۔ بلکہ میرا خیال ہے جو کہ

محنت کرنے میں وہ دیگر اقوام سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں مگر بقول مسٹر  
تھاربرن کے۔

مسلمان اس لیے محنت کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ اس سے

آرام پائیں اور اس لیے پرتے ہیں کہ دوسرے لوگ اسے

کاشیں۔ امید انھیں چھوڑ دیتی ہو اور مایوسی ان پر مسلط

ہو جاتی ہو۔ اور آزاد انسانوں کی نجوہوں کی جگہ ان میں غلامیوں

کے عیوب پیدا ہو جاتے ہیں۔

اگر مسٹر تھاربرن کے یہ الفاظ نقل کرنے کسی صاحب کو ناگوار ہوں تو اس

کی معافی چاہتا ہوں۔ میری غرض صرف یہ ہو کہ مسلمان محنت میں دوسروں

سے کم نہیں۔ مگر اس موہ بین جو قانون انتقال آرہی پاس ہو جانے کے ایک حد

تک مسلمانوں کی وجہ سے کل صوبہ کا قرضہ بڑھ گیا ہو اور شروع سو بھی نہیں گئی۔

پہلے عرض کیا گیا ہو کہ قانون انتقال آرہی نافذ ہونے میں پنجاب کا مجموعی قرضہ

گھٹ گیا تھا۔ مگر کچھ عرصہ بعد جب زراعت و پیشہ اقوام نے روپیہ کالین

دین شروع کر دیا اور ان کے پاس مسلمانوں نے اپنی زمینداریاں کفول اور

رہن کرنی شروع کر دیں تو پھر ملک کا قرضہ بڑھ گیا جیسا کہ حسبِ دلیل اعداد

سے واضح ہو گا۔

۱۸۹۲ء سے ۱۹۰۲ء تک بمبئی قانون انتقال آرہی قرضہ بقدر ۶۰ کروڑ بڑھا

نافذ ہونے سے قبل

۱۹۰۳ء سے ۱۹۱۰ء تک قانون مذکور نافذ ہونے کے فوراً بعد قرضہ بقدر ۹۰ کروڑ بڑھا

۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۲ء تک

یعنی گزشتہ دس سال میں جو بچے

قرضہ بھرتی ہوا کر ڈکے  
بڑھا

نذر اعلیٰ پلینہ لوگ زیادہ

داد و ستد کرنے لگے

ملاؤں کا قرضہ بڑھنے سے ہمیشہ یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اس سے انھیں نقصان ہی نقصان رہتا ہو۔ اگر روپیہ قرض لے کر ملک کی ترقی میں اور نفع آور کاموں میں لگایا جاتا ہو تو بجا و جود قرضہ بڑھنے کے وہ ملک کے لیے مفید ہوتا ہو مگر پنجاب میں جو مقدار قرضہ کی بڑھی ہو اس کا بڑا حصہ مسلمانوں کے ہاں تنہا نہیں عیش پرستی اور غیر نفع آور کاموں میں لگا ہوا اس سے کہیں زیادہ صوبہ کے قرضہ کی مقدار بڑھ کر صوبہ کی پیداوار اگرچہ خوب بڑھی ہو جس سے روپیہ زیادہ آتا ہو مگر اسی کے ساتھ معاشرت بھی بڑھ رہی ہو اور جو لوگ روپیہ کا کچھ اور مصروف نہیں جانتے وہ لامحالہ عیش اور آرام اور لطف کی چیزوں پر روپیہ صرف کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے اسراف کی وجہ | مگر سب سے اہم سوال یہ ہو کہ روپیہ کو عیش پرستی میں صرف کرنے میں مسلمان

ہی سب سے آگے کیوں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہو کہ مسلمان اب تک صرف دولت سے واقف ہیں اور نہ یہ سے واقف نہیں جس روز وہ سرمایہ سے واقف ہو جائیں گے تو وہ بھی نکل و پھرا قوم کے محتاج کفایت شعار و عاقبت الیش ہو جائیں گے۔ نہ ہی کتابوں میں قدر برائیاں دولت کی لٹھی ہیں ان کا ایک لفظ درس نہ ہو کیونکہ دولت اس روپیہ سے مراد ہی جو کسی کام میں

نہ لگا ہوا اس حالت میں یا تو اسے جلد سے جلد صرف کر کے اس سے لطف اٹھایا جائے یا کسی آئندہ زمانہ میں اس سے لطف اٹھانے کے لیے اسے مکان میں یا زمین کے نیچے محفوظ کر دیا جائے۔ اگر اسے فوراً صرف کر کے لطف اٹھایا جاتا تو یہ اسراف ہو جس پر مسلمانوں کا عمل ہو اور جس کے لیے کلام پاک میں "تذییر" کا لفظ آیا ہو اور سبزیں کو ان خان الشباطین قرار دیا گیا ہو۔ برخلاف اس کے تکلیف اٹھا کر اگر روپیہ کو زیر زمین پہنچا دیا جائے اور اس طرح اسے بیکار رکھا جائے اور ملک اور قوم کی ترقی اور نیک کاموں میں ضرر ہونے سے رکھا جائے تو یہ بخل ہو اور اس طریقہ پر روپیہ رکھنے والوں کے لیے کلام پاک میں آیا ہے۔ ذیل لکھو: ﴿مَنْ مَلَكَ مَالًا فَلْيُؤْتِ مِنْهُ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ أَهْلِهِ وَلَا يَعْصِدْ وَلَا يَحْسِبْ أَنْ يَأْتِيَهُ الْخَلْدُ ۚ وَمَا الْخَلْدُ إِلَّا كَمَا يَلْبَسُونَ فِي الْخَلْقِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْخَلْدُ ۚ مَا نَأْتِيهِ إِلَّا الْمَوْتُ ۚ وَالَّذِي تَطْلُعُ عَلَيْهِ الْكُفَّةُ أَتَاهَا عَلَيْهِمْ مَوْصِلًا ۚ فِي عَمَدٍ مُنَدَّاهُ ۚ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ اسراف اور بخل دونوں چیزیں مذموم اور مخریجِ بخل ہیں اور یہ دونوں فی الواقع دولت کے نتیجے ہیں نہ کہ سرمایہ کے۔ اور خود مجھے اقتصاد کی حالت کی ترقی کی تحریک کی نسبت اندیشہ رہتا ہے کہ مسلمان اس سے غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ اگر ہندوستان کے مسلمانوں کو کہیں سے دس ارب روپیہ بھی مل جائے تو ان کی حالت اب سے بدتر ہو جائے گی کیوں کہ وہ اور زیادہ مسرف اور عیش پرست ہو جائیں گے اس افلاس میں بھی ان کی یہ حالت ہے کہ بڑے شہروں میں جن میں مزدوروں کو بھی مزدور

لٹی ہوئی وہ اپنی کمائی شراب خورائی اور عیاشی میں صرف کرتے ہیں۔ اسی طرح جن علاقوں میں زیادہ پیداوار کی وجہ سے مسلمانوں کے پاس زیادہ روپیہ آتا ہے وہاں بھی وہ اسے ضائع کر دیتے ہیں۔

۱۵۔ سرمایہ کیا ہے؟ | بہر حال جس چیز کے متعلق میں اصرار کرتا ہوں وہ دولت سے مختلف ہے اور وہ "سرمایہ" ہے۔ سرمایہ وہ روپیہ نہیں جو اپنی جیب میں رکھا ہو یا مکان میں دفن ہو بلکہ صرف وہ روپیہ ہے جو کام کرنے والے مزدوروں کے کھانے اور کپڑے میں صرف ہو۔ ہر آلات زراعت میں کارخانوں، ریلوں اور نہروں میں لگا ہوا جس سے ملک کی حقیقی ترقی متصور ہو۔ جب انسان کو ان کاموں میں روپیہ لگانے میں ذائقہ آنے لگتا ہے تو پھر اسے اپنی ذات پر بجز وقت لایموت کے ایک پیسہ بھی صرف کرنا گراں گزرتا ہے۔ خود اپنے اس صوبہ کو دیکھ لیجئے کہ جن ضلع میں سے نہروں کا گزر ہوا وہاں کے ہندو مسلمان دونوں پر دولت برسے گی مگر اس دولت کے ساتھ دونوں نے کیا برتاؤ کیا؟ ہندوؤں نے تو اس دولت کو ہیٹ کر اس کا ایک ایک پیسہ نفع آور کاموں اور روپیہ کے کاڈ بار میں لگا کر اسے سرمایہ میں منتقل کر لیا جس سے ان کی آمدنی بڑھنے کا ایک مستقل سلسلہ تاجیم ہو گیا۔ یہ خلاف اس کے مسلمانوں نے نہ صرف اپنی کمائی ہوئی دولت کو صرف کر ڈالا بلکہ ہندوؤں کا بھی روپیہ ان سے قرض لیکر غیر نفع آور کاموں، اسراف اور بے ہمتی میں لگا دیا اور مفلس ترونگلین ہو گئے۔

میرے پاس اتفاق سے اسی ہفتہ میں ایک مسلمان پٹواری کا خط ضلع سنٹ گمری سے آیا کہ جس سے میرے اس خیال کی پوری تصدیق ہوتی ہے اس خط کا اقتباس یہ ہے۔

”اُس ضلع کے مسلمانوں کی حالت دیکھ کر سخت پریشان ہوں کہ تھیری سب رقوموں سے اُن کے نام چند سال سے کس قدر نقص ہو گیا۔ دوکان داران ایک ذرا اسی دوکان کے مالک ہوتے ہیں مگر بڑی بڑی آراضیات والے اُن کے سامنے ہیچ ہیں۔ وہ مل کی ساری جنس بھی لے لیتے ہیں، مگر عرض ہو رہا توں رہتا ہے۔ اس میں کمی کی امید مشکل ہے کیوں کہ یہ سب کچھ سود کا نتیجہ ہے زمینداران آرضی گویا دوکان داروں کے مفصل کے مزارعہ ہیں۔ اسی صورت میں مسلمان کسی طرح ترقی کا مٹہ نہیں دیکھ سکتے۔“

حضرات!

تفصیل کے ساتھ عرض کر چکا ہوں اور اب پھر اختصار کے ساتھ اُسے دہراتا ہوں کہ جو بے نظیر مواقع مسلمانوں کو پنجاب میں حاصل ہیں وہ ہندوستان کے کسی دوسرے صوبہ میں نہیں ہیں۔ یہاں خدا کے فضل سے مسلمانوں کی مردم شماری زیادہ ہے اسی کے ساتھ زمینداروں اور کاشتکاروں میں ان کی تعداد زیادہ ہے جو جسمانی اعتبار سے یہاں کے مسلمان قوی ہیں۔ کاشتکاری کی اغراض کے لیے یہاں کی زمین دنیا میں اول درجہ کی سمجھی جاتی ہے۔ ایک شاد رقبہ نہروں سے سیراب ہے آبادی کی نسبت سے زمین زیادہ ہے اس لیے کاشت کی وسعت و ترقی کے لیے میدان کثادہ ہے۔ انتقال آرضی کا

قانون جو مخصوص طور پر مسلمانوں کے لئے مفید ہی یہاں نافذ ہوا اب سب سے  
 بڑھ کر یہ کہ انجمن ہائے امداد باہمی کا بہترین نظام یہاں موجود ہے جو خاص  
 مسلمانوں کے لئے خدائی رحمت ہے۔ مجھے یہ امر ظاہر کرنے میں نہایت خوشی  
 ہے کہ پنجاب کے مسلمان اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ  
 اس سے اور زیادہ نفع اُٹھائیں گے مگر باوجود بہترین مواقع کے جب پنجاب کی  
 نسبت بھی یہ سننے میں آتا ہے کہ یہاں کے مسلمان بھی افلاس سے پریشان ہیں  
 تو جگہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور دوسرے صوبہ کے مسلمانوں کے گلوں  
 پر ماپوسی طاری ہو جاتی ہے۔ پس پنجاب کو مسلمانوں کی ہمت افزائی اور  
 حوصلہ افزائی کے لئے اپنی مالی حالت کو درست کرنا چاہیے اور افلاس  
 و گدازگری کے دھبہ کو اپنے دامن سے دھو ڈالنا چاہیے۔

آخر میں میں اپنے تعلیم یافتہ بزرگوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ  
 وہ مسلمانوں کے اقتصادی مسئلہ کی طرف خاص طور پر توجہ فرمائیں اور اپنے  
 قیمتی وقت کا کچھ حصہ ان سرکاری رپورٹوں اور کتابوں کے مطالعہ میں صرف  
 کریں جن سے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کا صحیح اندازہ ہو۔ خود میری  
 حالت تو اس حال شخص کی مانند ہے جو کسی ایسے مقام پر جا پہنچا ہو کہ جہاں  
 اس کے بھائی ذبح ہو رہے ہوں۔ اور انھیں ذبح ہوتا دیکھ کر وہ شخص اپنے  
 گھر پر اگر لوگوں سے اپنے بھائیوں کے ذبح ہونے کے حالات بیان کرتا ہو مگر  
 چوں کہ اس میں طراقت لسانی نہیں۔ اٹلہا مطلب کی قابلیت نہیں۔ خوش بینی  
 نہیں اس لئے اس کے کہنے کا اثر بہت کم ہوتا ہے پس میں چاہتا ہوں کہ جس

منظر کا میں نے مشاہدہ کیا ہوا اور جن رپورٹوں کی جھلک میں نے دیکھی ہے ان کا مطالعہ ہی فہم اور تعلیم یافتہ اصحاب کر کے قومی بربادی اور اس کے اسباب کا صحیح طور پر پتہ لگائیں۔

دُنیا میں تو میں حاکم بھی رہی ہیں اور حکومت بھی۔ ہندوستان کی پرانی توپا ہزاروں برس غلامی میں رہی ہیں اور شدید ترین مصائب انھوں نے بھجیے ہیں مگر کبھی کوئی قوم افلاس و گد اگری کے اس درجہ تک نہیں پہنچی جیسی کہ مسلمانوں کی قوم پہنچی ہوئی ہو بلکہ بدقسمتی سے مسلمانوں کی خصوصیت اب یہ ہو گئی ہے کہ وہ حاکم ہوں یا محکوم، آزاد ہوں یا غلام، سب جگہ یکساں طور پر بے فلسفہ و نادار ہیں۔ ہمارے تعلیم یافتہ بھائیوں میں سے بعض اصحاب اہم تاریخی مسائل کی تحقیقات کرتے ہیں۔ یونیورسٹیوں میں ریسرچ کے کام کرتے ہیں، ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ ان میں سے ایک دو اصحاب مسلمانوں کے افلاس و گد اگری کے اسباب تلاش کرنے میں اپنا وقت صرف کریں۔ سب سے اول اپنے ضلع کے گزٹیر پڑھیں مردم شماری کی رپورٹیں پڑھیں پچھلے جملہ بندوبستوں کی رپورٹیں پڑھیں اور دیکھیں کہ ہر بندوبست میں مسلمانوں کی کس قدر جاں دہیں بند رچ گئی ہوئی ہے اور ان کے اسباب کیا ہیں۔ ہر سال دو سال بعد مختلف قسم کے کمیشن ملک میں بیٹھتے رہتے ہیں ان کی ضخیم رپورٹیں پڑھنا ایک شخص کا کام نہیں ہوا ان کا مطالعہ یہ معلوم کرنے کے لیے کریں کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت میں کیا کیا اور کن کن وجوہ سے کمی یا بیشی ہوئی۔ غرض کہ پھنمون نہایت وسیع ہو۔ اور جس طرح مسٹر گوکھلے نے



ہندوستان کو آزادی دلانے کے لیے سروینٹ آف انڈیا سوسائٹی قائم  
کرنے کے پلانٹ امور کے متعلق ایک کتب خانہ جمع کر دیا اور نوجوانوں کو دلایا  
دے کر پلانٹ ریسرچ کا کام کرایا۔ اسی طرح مسلمان اس قسم کا کوئی انتظام  
کر رہے ہیں جس سے ان کا اقتصادي مسئلہ حل ہو۔

کسی فرد یا قوم کی بدبختی اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ اس کے لیے  
کسی چیز کا ولولہ ہو گیا۔ اس کے حصول کے لیے صحیح ذرائع معلوم نہ ہوں۔  
مسلمانان ہند کے دلوں میں مدت دراز سے نہ صرف اپنے ملک کو آزاد  
کر لینے کی بلکہ تمام اسلامی ممالک اور مقامات مقدسہ کو غیر مسلموں کے اثر سے  
پاک کرنے کی تمنا ہے اور اس کے لیے جان توڑ کوشش کرتے ہیں۔ اس تمنا کو  
پورا کرنے کے لیے کبھی ایک قوم سے اتحاد و دوستی کرنے کو ذریعہ حصول مقصد  
قرار دیا جاتا ہے اور کبھی دوسری قوم سے جب اس میں ناکامی ہوتی ہے تو  
اس کا رد عمل ہوتا ہے اور جس سے دوستی ہوئی تھی اس سے نفرت کی جاتی  
ہے اور جس سے نفرت تھی اس سے دوستی کی تدا بیر سوچی جاتی ہیں جو قومی گروہ  
کی خاص علامت ہے۔ اور اس دوران میں حصول سلطنت اور حصول آزادی  
تو درکنار و سحرائی اور کئی جائدادیں مفلول اور رہن ہو ہو کر فروخت ہوتی جاتی  
ہیں۔ اور مستقبل قریب میں تو کیا مستقبل بعید میں بھی اس امر کی امید باقی نہیں رہتی  
کہ دوسری کوئی قوم مسلمانوں کو دوستی یا دشمنی کے قابل بھی سمجھے گی۔ پس مسلمانوں کو  
زیادہ اونچی باتیں چھوڑ کر سب سے مقدم اپنے گھروں کی خبر لینی چاہیے اور  
اپنے حسب حال مناسب تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔ مثلاً یہ کہ سب سے اول

انجمنہا سے امداد باہمی کی تحریک سے زیادہ سے زیادہ ففع اٹھایا جائے۔ اور ہرزینہ بار کو سٹیشن کرے کہ کم سے کم بقدر ایک سال کی مالگنداری کے اُس کا اثاثہ مستقل سرمایہ کی شکل میں کسی بینک میں جمع ہو جائے۔ پنجاب کے جن اضلاع میں مسلمانوں کی زیادتی ہو ان میں ہر مقروض زمیندار کا قرضہ وسطیٰ بقدر تین یا چھ سال کی مالگنداری کے اور ہر خلاف اس کے شخص کو اضلاع میں بقدر چار یا پانچ سال کی مالگنداری کے ہو۔ میں مسلمان زمینداروں میں سے ہر شخص اگر یہ کو سٹیشن کرے گا کہ بقدر اس کی ایک سال کی مالگنداری کے اُس کا سرمایہ محفوظ ہو تو مصیبت اور خستہ کاری کے زمانے میں وہ اثاثہ کام آئے گا۔ خان بہادر سید جعفر حسین صاحب چند ماہ سے ضلع میرٹھ کے دیہات میں اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر زمینداروں کا بینک قائم کر رہے ہیں۔

جن مقامات میں انجمنہا سے امداد باہمی کی تحریک نہیں پہنچی وہاں ان کو اپنی ذاتی اور قومی حفاظت کے لیے مثل دیگر اقوام کے رویہ کا کاروبار کرنا چاہیے اور اپنے بھائیوں کو معین منافع پر قرض دے کر انھیں تجارت و صنعت میں مدد دینی چاہیے۔ آپ صاحبوں نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ پچھلے دنوں بیرونی سرمایہ کو روکنے کے لیے ایک کمیٹی قائم ہوئی تھی۔ اُس نے اپنی رپورٹ میں یہ مشورہ دیا کہ ہندوستان میں کو بینک کے کاروبار کی باقاعدہ تعلیم دی جائے بینکوں کے متعلق ایک آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے۔ ہندوستان میں جس قدر سرمایہ کی ضرورت ہو اُسے اندرون ملک کے رویہ سے پورا کیا جائے۔

ہندوستان میں طرز جدید کی مالی منڈیاں قائم کی جائیں وغیرہ وغیرہ۔  
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ کا جدید سیلاب عنقریب آنے والا ہے جس  
کے لئے اگر مسلمانوں نے خاص تیاری نہ کی تو پوری قوم اس میں بہہ کہہ برباد  
ہو جائے گی۔ پس اس کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کو خاص طور پر تیاری  
کرنی چاہیے اور بچوں سے لیکر بوڑھوں تک سب کو کسی نہ کسی شکل میں فہم  
کے کاروبار سے عملی واقفیت حاصل کرنی چاہیے اور ہر دست اسی کو اپنا  
نصب العین قرار دے کر اپنی قوم کو سرمایہ داروں کی غلامی سے آزادی  
دلانی چاہیے۔  
فوری مشقہ

(۳۰)

## غیر ملکوں کا سرمایہ

اور مسلمان

ایکٹیو تحقیقات بیرونی سرمایہ | کچھ عرصہ سے اخبارات میں بیرونی  
کی سفارشات سرمایہ کے متعلق تحقیقاتی کمیٹی کی  
رپورٹ پر اظہار رائے ہوا ہے اور اس میں مسلم اخبارات کا بھی نمایاں حصہ  
ہے۔ رپورٹ مذکور میں بیرونی سرمایہ کی چند قسمیں قرار دے کر ان پر بحث

کی گئی ہوا۔ یہ مشورہ دیا گیا ہو کہ ہندوستانیوں کو بینک کے کاروبار کی باقاعدہ تعلیم دی جائے۔ بینکوں کے متعلق ایک آل انڈیا انسٹیٹیوٹ قائم کیا جائے۔ ہندوستان میں جس قدر نئے سرمایہ کی ضرورت ہو اس سے اندرون سرمایہ سے پورا کیا جائے۔ ہندوستان میں طرز جدید کی مالی مٹدیاں قائم کی جائیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب سب تباہ و تباہیستہ عمدہ اور مفید ہیں بشرطیکہ ہندوستان کی جملہ اقوام ان کے علمند آمد میں حصہ لے سکیں۔

۲۔ ترقی کی منزلیں | واقعہ یہ ہو کہ اگر کسی ملک میں اپنا سرمایہ نہ ہو یا اگر کچھ سرمایہ ہو اور وہ نفع آور کاموں کی جگہ غیر نفع آور کاموں میں لگتا ہو تو ملک کا آئی میں نفع ہو کہ اس میں بیرونی سرمایہ بھی آئے تاکہ اس سے مختلف قسم کے کام جاری رہیں اور ان میں غریب کو کام ملے۔ جو ممالک پس ماندہ اور غریب ہیں ان کی ترقی کی پہلی منزل یہی ہو کہ ریلوں، نہروں اور کارخانوں میں سرمایہ لگے خواہ وہ بیرونی ہو یا اندرون چنانچہ ایک صدی سے زیادہ سے الپ یورپ کا اروپوں روپیہ ہندوستان میں نفع آور کاموں میں لگا ہوا ہے جس کی بدولت لاکھوں غریب کو کام مل رہا ہے اور اس سے خود ان کی اور بچوں کی زندگی کے دن پورے ہو رہے ہیں۔ اگرچہ اسی کے ساتھ وہ لوگ سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کی غلامی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ترقی کی دوسری منزل یہ ہوتی ہو کہ غریبوں کو سرمایہ داروں کی غلامی سے نکالا جائے اس کے لیے مختلف ممالک میں مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہو کہ بیرونی سرمایہ کو اپنے ملک میں لے سے

قطعا روک دیا جائے جیسا کہ بالٹو ایک تحریک کی ابتدا میں اس میں کیا گیا  
 مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں مزدور بیچارہ ہو کر بھوکے مرنے لگے اور تمام ملک  
 تباہی کے کنارہ آگیا حتیٰ کہ انہیں بالآخر غیر مالک کے سرمایہ داروں سے  
 رجوع کرنا پڑا اور ان کی امداد و سٹنگیری سے پھر مزدوروں کو کام  
 ملنا شروع ہوا۔ اس کے اس تجربہ سے واضح ہو گیا کہ بیرونی سرمایہ  
 محض روپیہ کی آمد روکنے سے ہرگز نہیں روک سکتا اور روک بھی جائے تو  
 خود اسی ملک کے نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ ہم ہر روز یہ دیکھتے ہیں کہ جب  
 ہندوستان میں ترقی کے کاموں کے لیے سلطنت کی طرف سے روپیہ  
 قرض لیا جاتا ہے تو باوجود چھ فی صدی اور پانچ فی صدی شرح سود ملنے  
 کے کروڑوں روپیہ کے تمسکات انگلستان کے لوگ چند گھنٹوں میں  
 خرید لیتے ہیں اور ہندوستان والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور شکایتیں  
 کرتے ہیں کہ ہم کو سرکاری تمسکات خریدنے کا پورا موقع نہیں دیا گیا  
 مگر حقیقت یہ ہے کہ جب کہ ہندوستان کے مہاجنوں کو مسرت اور فائز  
 اندیش مسلمانوں سے بارہ فی صدی سے چوبیس فی صدی سالانہ سود  
 کیا ملتا ہے روپیہ سے دس گونی قیمت لی جاتا ہے اور اسانی سے مل جاتی  
 ہیں تو انہیں کیا ضرورت ہے کہ وہ چھ فی صدی سالانہ منافع کے سرکاری  
 تمسکات خرید کر اپنے روپیہ کو پھنسانا پسند کریں یا جدید قیم کے کارخانے  
 بنائیں؟ میں اپنے روپیہ کو خطرہ میں ڈالیں یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے  
 ہندوستان میں روپیہ کی داد بندہ کرتے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے

تاہم ملک کی صنعت و حرفت میں اُن کا بہت کم روپیہ لگتا ہے اور جو کچھ لگتا ہے وہ غریب کاری گروں کو نہایت گراں سود پر دیا جاتا ہے جس سے وہ مدت الیمر سے رہتے ہیں۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ جب تک کہ ہندوستان کے اندرونی روپیہ کی شرح سود نہ گھٹے تب تک بیرونی سرمایہ کا ہندوستان میں داخل ہونا نقصان دہ ہوگا اور نہ وہ کسی کے لئے سود کے لئے سود دے سکتا ہے۔

۳۔ ہندوستان میں شرح سود نہ گھٹنے کی وجہ | پس ہندوستان میں شرح سود نہ گھٹنے کی وجہ

یہی ہے کہ مسلمانوں کی سات کروڑ قوم ہر وقت سودی قرضہ لینے کی خواہشمند رہتی ہے اور قرض لے کر زیادہ تر اسے غیر نفع آور کاموں اور ذاتی آسائش و تفریح کے کاموں میں صرف کر دیتی ہے۔ گویا مہاجنوں کا وہ روپیہ جو ملک کی ترقی کے کاموں میں لگتا ہے زیادہ تر مسلمانوں کی وساطت سے غیر نفع آور کاموں میں صرف ہوتا ہے۔ ضائع ہو جاتا ہے۔ پس جو سرمایہ ملک کی صنعتی، اقتصادی اور ترقی چاہتے ہیں وہ خواہ کسی قوم سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں اُن کا سب سے پہلا یہ کام ہونا چاہیے کہ وہ مسلمانوں کو سکھائیں کہ اُن کے افراد اپنی آمدنی کا ایک حصہ پس انداز کر کے کسی نفع آور کام میں لگائیں۔ مسلمانوں کے اس عمل سے نہ صرف یہ کہ خود اُن کا اور ان کی قوم کا نفع ہوگا بلکہ

دیگر اقوام کا روپیہ بھی ملک کی بہبودی کے کاموں میں لگ کر اُس کی ترقی کا موجب ہوگا اور بازاروں میں روپیہ کی افزائش سے عام شرح سود اس قدر

گھٹ جائے گی کہ غیر ملک کے سرمایہ داروں کو اپنا روپیہ ہندوستان میں لگانے میں نیا وہ نفع نہ رہے گا اور وہ وقت جتنی معنوں میں بیرونی سرمایہ کے ترک جائے گا ہوگا۔

۴۔ سرمایہ کے لیے بڑا میدان ہے | مگر موجودہ حالت میں تو اندرونی اور بیرونی دونوں سرمایوں کے لیے ہندوستان

میں بڑی گنجائش ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان کی تجارتی و صنعتی اور کاروبار کا انحصار بینکوں کے وجود پر ہے۔ انہیں میں افراد کے روپیہ سے قطر و جمع ہو کر دولت کا منہ بن جاتا ہے اور ان افراد کو کما ہندوستان شہری سمجھا جاتا ہے اور ان بینکوں کے ذریعہ روپیہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بہ آسانی منتقل ہوتا ہے اور بینکوں ہی کے ذریعہ روپیہ کی کاروباری قیمتیں دس گونہ بڑھ جاتی ہیں کیونکہ تھیں یہ کہ جتنا روپیہ بنک میں ہو اس سے دس گونہ تجارتی و غیرہ کام ہو سکتا ہے۔

مگر ہمارے ملک کی قسمتی یہ ہے کہ یہاں قلعہات ہیں تو کیا بہت سے قلعہات کے صدر مقاموں میں بھی کوئی بینک نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے قلعہات ایسے ہیں جہاں مسیوین میل تک نہ بچتہ سڑک ہو نہ ٹیل ہے۔ نہ نہر ہے نہ تار ہے غرض کہ صنعت و تجارت اور انسانوں کی آبادی اور سائیکس کا کوئی سامان نہیں ہے۔ پس ابھی تو ملک آباد کرنے کے لیے آ رہے اور کھڑوں روپیہ کی ضرورت ہے خواہ وہ اندرون ملک سے فراہم کیا جائے یا بیرون ملک سے حاصل کیا جائے۔

فروری ۱۹۲۶ء

# خوش حال ممالک کی پیش بینی کے مقابلہ میں ہماری بے فکری

انگلستان کے مفلسوں کی عمدہ حالت | یورپ کی نسبت عام طور پر مشہور ہے کہ وہاں کے ممالک ہیں ایک طبقہ حد سے زیادہ دولت مند اور دوسرا طبقہ حد سے زیادہ مفلس۔ ایک اور یہ سراسیمہ داری کا نتیجہ ہے۔ اسی بنیاد پر ہماری قیاس میں بعض مہربان نے اپنا یہ مشن قرار دے لیا کہ وہ سراسیمہ بینی پر مبنی بیان کر کے مسلمانوں کو اکثریت اور دولت سے روکنے پر پختہ ہیں مگر ذیل کے واقعات سے جو اخبار "ہندو" نے ایک نامہ نگار کی تحریر سے لیے گئے ہیں اور جو پچھلے دنوں اکثر اخبارات میں شائع ہوئے تھے واضح ہو گا کہ وہاں کے مفلس طبقے وحشت انگیز حالات میں بیان کیے جاتے ہیں، کس قسم کی زندگی بسر کرتے ہیں نامہ نگار موصوف نے انگلستان کے اونے تریں طبقہ کی نسبت لکھا ہے کہ۔

(۱) وہ لوگ میٹھے تھے، باورچی خانہ کے برتن کند تھے مگر باوجود اس کے وہ ہندوستان کے غریب کھڑکوں سے بہتر تھے۔

(۲) غریب لوگوں کے کھانے کا کمرہ عمدہ دیکھا۔ ایک کمرہ میں غریب لڑکیاں کچھ کام کرتی ہیں۔ تھوڑے سٹانے کا بال ایک ہی ایک کمرہ پڑا ہوا ہے۔ ایک کتب خانہ ہے۔ ایک ناچ گھر ہے۔



(۳) ادنیٰ سے ادنیٰ مزدوروں کو دو چار پونڈ ہفتہ وار ملتا ہے جس کے سوا سو روپیہ ہوا سے ڈھائی سو روپیہ ہوا کے قریب ہوتے ہیں اور جب کوئی شخص بیکار ہو اور اسے کوئی کام نہ ملے تو گورنمنٹ کی طرف سے ڈیڑھ پونڈ فی ہفتہ یا نو سے دس روپیہ ملتا ہے اگر عیال والا ہو تو عورت اور بچوں کا خرچہ علاحدہ ملتا ہے۔

(۴) جو پانچ ہیں ان کے واسطے علیحدہ انتظام ہے۔ لاوارث بچوں کے لیے یتیم خانے ہیں۔

(۵) ان انتظامات کی وجہ سے انگلستان میں کوئی شخص بھوکا نہیں رہ سکتا۔ بھوک سے مرعوب نہ ہو سکتا تو بڑی بات ہے۔

(۶) یہی حالت دیگر ممالک یورپ میں بھی ملے جیم کے دار الخلافہ میں شخص کو عمدہ کپڑے پہنتے دیکھا۔ غربت کی علامات نظر نہیں آتیں۔ وہاں کوئی شخص تنگ حال نہیں ہو سکی واسطے کوئی بھیک نہیں مانگتا۔

ایک طرف تو یورپ کی خوشحالی کے یہ حالات ہیں۔ دوسری طرف ہاں کے لوگوں کی کمکش جو وہ حصول دولت کے لیے کرتے ہیں اور ہر وقت اپنے ملک کی اقتصادی حالت کی دستی کے لیے جن اذکار میں مبتلا رہتے ہیں ان کا پتہ ان بے شمار مضامین سے چلتا ہے۔ جو انگریزی اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کچھ نئے ایکسٹرنل لندن ٹائمز میں شائع ہوا تھا جسے انگلستان کی پریشانی کا پتہ چلتا ہے۔

یہ امرش روز روشن کے واضح ہے کہ انگلستان کا ستارہ اس وقت

انتہائے عروج پر نہ صرف وسعت ملک بلکہ کثرت دولت کے اعتبار سے بھی اس کا شمار دنیا کی اول درجہ کی سلطنتوں میں ہے، مگر جو چیزیں ہر قوم کا قدم آگے بڑھا رہی ہیں اس کا اندازہ ذیل کی چھٹی سے ہوگا جو ڈاکٹر آرتھر شیلڈ ویل نے انبار ٹائمز میں شائع کرائی تھی۔ اس چھٹی میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی قوم کے افراد کے لہو و لہب میں مصروف رہنے اور اسراف کی طرف جھک جانے کی شکایت ان الفاظ میں کر کے اپنے قومی تنزل کا خطہ ظاہر کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی چھٹی کا اقتباس یہ ہے۔

تئویس پہلے کی حالت سے مقابلہ اسب سے اقل ہیں لارڈ امیٹ کی اس تقریر کی طرف توجہ دلاتا

ہوں جو انھوں نے دارالامرایں کی تھی اس تقریر میں انھوں نے ملک کی اقتصادی اور ترقی حالت کے مخدوش ہونے کو جس کی طرف لارڈ آرنلڈ نے توجہ دلائی تھی تسلیم کر لیا تھا۔ مگر موجودہ حالت کا مقابلہ گزشتہ سو سال کی حالت سے کر کے اپنے دل کو سمجھا لیا ہے۔ بے شک ایسے موقعوں پر پچھلے حالات سے مقابلہ کر کے اپنا دل خوش کیا جاسکتا ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے ملک پر پہلے بھی نہایت نازک وقت گزرے ہیں مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حالات محض عارضی تھے۔ برخلاف اس کے تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا میں قومی تنزل بھی ایک چیز ہے جس کا بیج فتنہ کی کے وقت بڑھ کر لینا ہے اب سوال یہ ہے کہ آیا ہم واقعی تنزل کی طرف جا رہے ہیں یا ہماری موجود

مشکلات مثل تنو سال قبل کے محض عارضی اور چند روزہ ہیں؟  
 ان سوالات کا جواب کوئی شخص یقین سے ساتھ نہیں دے سکتا تاہم  
 میں کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت سے سو سال قبل بلاشبہ ملک کی اقتصادی  
 حالت نہایت خراب تھی اور اس زمانہ میں موجودہ سہولتوں کے نہ ہونے کی  
 وجہ سے معیشت کی کوئی مدد انتہا نہ ہوگی۔ تاہم وہ زمانہ گزر کر بہترین زمانہ  
 آگیا۔ مگر یہ زمانہ کس طرح آیا؟

محض کام سے اور کفایت سے  
 میرے نزدیک اب جو چیز پریشان کن اور خطرناک ہو وہ حوصلہ اور  
 جدت کی کمی ہے۔ اس زمانہ میں ان لوگوں نے ریل ایجاد کی اور بہت سے غریب  
 انجینیروں کے کام جاری کیے اور وار لو کی لڑائی کے نقصانات کے ہٹانے  
 کو پہنچی اور مایوسی سے نکالا۔ اب ایسے باہمت و باحوصلہ لوگ کہاں ہیں؟  
 اب محض ان کے نقال ہیں بلکہ اب نو نقالوں کی بھی کمی ہو اس کی وجہ کیا ہے؟  
 اس کی وجہ گھیلوں میں مصروفیت ہے

موجودہ نسل کے لوگوں کو اپنے کام میں دلچسپی نہیں ہے اور انہیں بجز  
 تفریح کے اور کسی چیز کا خیال نہیں آتا۔ لہذا وہ محض تفریح کے لیے نہیں بلکہ  
 بطور تفریح کاموں کے ہو گئے ہیں مگر اطف یہ ہے کہ جن ریزشوں سے ہم لوگ  
 تھے انہیں ریزشوں اور گھیلوں میں ہم ان مالک سے شکست کھاتے ہیں  
 جنہیں ہم بالکل اناڑی سمجھتے تھے۔  
 واصل موجودہ نسل میں کچھ نقالیں ایسے ہو گئے ہیں کہ نہ وہ عمل

کام کرتے ہیں اور نہ اچھا کھیلتے ہیں اور اب سب سے بڑھ کر یہ کہ  
ان میں اسراف بہت بڑھ گیا ہے

جس کی وجہ سے ان میں جو ملہ اور قوت ایجا دکم ہو گئی ہو اسی ہراف  
کی وجہ سے ملک میں صنعتی کاموں کے لیے سرمایہ کی کمی محسوس ہو رہی ہے جس کی  
وجہ یہ ہے کہ بہ کثرت رشاد و پیہ لذت اور عیش پرستی میں صرف ہو جاتا ہے۔ یہ  
حالت جنگ عظیم کے بعد سے ہو گئی ہے۔ جب کہ روپیہ ایسے ہاتھوں میں پہونچا  
ہے جو اس کا مصرف بجز صرف کر ڈالنے کے اور کچھ نہیں جانتے۔ آج کل فضولیت  
پر جس قدر صرف ہو رہا ہے اس قدر کبھی نہیں ہوا اور فضول چیزوں کی تجارت  
کبھی اتنی سرسبز نہیں ہوئی، اگر کسی غیر ملک کے شخص سے کہو کہ ہماری حالت  
خراب ہوتی جاتی ہے تجارت گمراہی ہے۔ بیکاروں کے غول کے غول پھر رہے  
ہیں۔ صنعت کم ہو رہی ہے تو وہ اس کا یقین نہ کرے گا اور قہقہہ لگائے گا  
خلاف کہ یہ بالکل صحیح اور درست ہے کیونکہ زیادہ تر روپیہ ہم عیش اور  
تثعم اور لہو و لعب میں صرف کر رہے ہیں۔ پہلے زمانہ میں لوگوں کو کام  
میں بھی اتنا ہی لطف آتا تھا جتنا کہ اب کھیل میں آتا ہے خلاصہ یہ کہ  
ستو سال قبل جس چیز نے ہمارے ملک کو آزادی دلائی وہ

سکام اور کھاپنٹ ٹناری تھی

پس جب تک کہ اس پیل نہ ہو گا حالت بہتر نہ ہوگی۔ جرمنی کے مثلاً  
کا رونا تو رہا جاتا ہے مگر اُن سے سبق نہیں سیکھا جاتا۔ اُن کے صرف کاری گری  
کام نہیں کرتے بلکہ سب لوگ کام کرتے ہیں۔

**نتیجہ** ان تحریرات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اہل یورپ باوجود انتہائی تمول کے ہر وقت اپنی حالت بہتر کرنے کے انکار میں مبتلا رہتے ہیں اور یہی ان کی ترقی کا راز ہے۔ برخلاف اس کے اہل ہند اور بالخصوص مسلمانوں کی حالت تو یہ ہے کہ ان کے امرا اپنے عزیزوں ہمسایوں اور مفلس ہم قوموں کے آسے دن کے مطالبات سے تنگ رہتے ہیں۔ اور غیر محدود چندوں سے منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ پیندار اور تاجروں کی گمراہی اور کاشتکار سرمایہ داروں کی غلامی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور چولا کھول کر دروں کی تقاضا میں بیکار، معذور، محتاج۔ پریشان بیوائیں، یتیم اور لڑکیاں ان کے آلام و مصائب تو ناقابل بیان ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ ان کی سوسائٹی میں اسلامی ممالک کے حالات پر مباحثے ہوتے ہیں۔ نجدیوں اور حجازیوں کے مضمون پر سرچھپول ہوتی ہے حضرت عیسیٰ کی وفات اور حیات کے مسئلہ پر لٹھ چلتے ہیں۔ استننا اور بے توجہی اگر کسی مسئلہ سے ہو تو وہ محض اقتصادی سے جس پر اس زمانہ میں قوموں کی موت و حیات کا انحصار ہے۔

بہر حال اس درجہ پر پہنچ کر بھی اگر مسلمانوں کو اپنی مالی حالت کی نظر توجہ نہ ہوئی تو ان کی قومی موت میں ذرہ بھر بھی مشتبہ نہیں ہو سکتا۔

(۳۲)

## میں کس طرح کفایت شعار بن گیا

میں ابتداء سے بہت شہرت تھا۔ جو کچھ ملتا وہ خود کھاتا اور دوسروں کو کھلاتا۔ بچپن میں تو اس عادت کی وجہ سے لوگ فیاض کہہ کہہ کر مجھے خوش ہوا دیتے تھے۔ مگر عمر کے ساتھ یہ فیاضی بڑھ کر میرے لیے مستقل مرض کی طرح ہو گئی۔ اول تو ماں باپ سے، پھر عزیزوں سے مانگتے مانگتے مجھے ہاتھ پھیلانے کی عادت ہو گئی تھی اور بڑا ہوا کہ جب ضرورتوں نے مجھے گھیر لیا تو میرا کام بیو گیا کہ اپنی محدود آمدنی کے بھروسہ پر جہاں سے قرض ملے لے کر خرچ کر ڈالوں اور اسے کبھی ادا نہ کر سکوں۔ بالآخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ قرض خواہوں نے دگری داروں کے خوف سے گھر سے باہر نکلنا دشوار ہو گیا۔ اس پریشانی میں ایک روز میں نے اپنے قرضہ کی مقدار اور جائداد کی آمدنی کا حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ سالانہ آمدنی سے دس گونہ قرضہ ہے۔ اس سے میرے قلب کی یہ حالت ہو گئی کہ گویا وہ ڈوبا جا رہا ہو اور مجھے معلوم ہوا کہ موجودہ آمدنی سے قرضہ ادا ہونا محال ہے۔ مگر اس وقت مجھے یہ سوچا کہ میں اپنی سالانہ آمدنی کو دو نوں پر بلکہ گھنٹوں پر پھیلانوں۔ میری جائداد کا منافع سات ہزار روپیہ سالانہ سے کچھ زیادہ ہے جس کی وجہ سے اپنے قصبہ میں اپنے آپ کو رئیس عظم سمجھتا تھا۔ اور اس کے بھروسہ پر میں سیکڑوں روپیہ معمولی کاموں میں صرف

کر ڈالتے ہیں کچھ بھی شامل نہ کرتا تھا۔ مگر اس آمدنی کو روزانہ پہنچایا یا تو بیس روپیہ  
 روز ہوا اور گھنٹوں پہنچایا یا ٹوکل تیرہ آنہ چار پائی تھوے۔ میرے بچوں اور  
 مخلصین کی تعداد علاوہ ملازموں کے کیا رہ جو۔ ظاہر ہے کہ بچوں کی تعلیم اور  
 شادی بیاہ کا حساب لگایا جائے تو ان پر اوسط خرچ بہت بڑھتا ہے۔ تاہم  
 اگر میں اپنا حصہ گھر کے دیگر افراد سے تین گونہ بھی لگتا ہوں تو میرے حصہ  
 میں فی گھنٹہ نین آنے پڑتے ہیں جسے میں اپنا سمجھ کر صرف کر سکتا ہوں اس  
 تصور نے مجھے مبہوت کر دیا اور مجھے معلوم ہوا کہ میں کس قدر غریب شخص ہوں  
 اس خیال نے میری حالت یہ کر دی کہ جب کوئی خرچ درپیش ہوتا تو میں  
 گھنٹوں حساب لگاتا کہ کتنے کتنے گھنٹوں یا دنوں یا مہینوں کی آمدنی میں  
 ایک دفعہ صرف کیے جاتا ہوں اور اس کی وجہ سے کچھ کتنے عرصہ تک تسلیج  
 بند کرنا پڑے گا۔ ان حسابوں سے اپنے اخراجات گھٹانے پر مجبور ہونے لگا  
 اور اب تو یہ داہمہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ایک دفعہ میں کل تین آنے خرچ  
 کرتے ہوئے میری روت قبض ہوتی ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری ایک  
 گھنٹہ کی آمدنی ہے جس میں کھانا کپڑا، سفر، مہاں داری، خیرات، زکوٰۃ  
 سب چیزیں شامل ہیں۔ مگر فی الجملہ اس داہمہ نے مجھے سب حد نفع پہنچایا  
 میری خشت کو دیکھ کر سب گھر والے کھابہ، شمار بن گئے۔ میرا تمام فرضہ  
 چند سال میں ادا ہو گیا اور اب میرا اور میرے بال بچوں سب کا ملاکہ  
 پچاس ساٹھ ہزار روپیہ کے قریب بانگوں میں جمع ہوا نقد آمد اور کاموں میں لگا  
 ہوا جس سے حد بیکاری گروں کی پرورش ہوتی ہے اور نہ صرف روپیہ بلکہ

اسی کے ساتھ میرا غلٹ روز بروز بڑھ کر میری جسمانی قوت کو بڑھاتا جاتا ہے  
پس میں اپنے سب بھائیوں سے انتہا کرتا ہوں کہ وہ اس نسخہ کا تجربہ کریں اور  
اپنی سالانہ یا ماہوار آمدنی کا کبھی بھول کر خیال بھی نہ کریں بلکہ روزانہ اور  
گھنٹہ وار آمدنی کو ہمہ وقت پیش نظر رکھا کریں۔ البتہ اگر جلد برباد ہونے کا  
شوق ہو تو ماہوار اور سالانہ آمدنی کا خیال بھی فصول ہی اپنی زندگی کا  
تجربہ کر کے چھوڑیں۔ آمدنی جو تیرا اور اتنا بہت سارو پیسہ فرض الیکر  
خوب لطف اٹھائیں اس کے بعد ایک ماگتے پھریں۔ فقط  
لوحہ ۱۹۲۶ء

(۱۳۳۵)

## ضلع گورگانہ کے مسلمانوں کی حالت

یہ وہ تقریر جو سید طفیل احمد صاحب نے صوبہ پنجاب کی مسلم  
تعلیمی کانفرنس کے جلسہ منعقدہ ۳۱ جنوری ۱۹۲۶ء میں مقام  
ریواری کی تقریر کے وقت حاضرین کے سامنے ایک بڑا نقشہ  
آویزاں کیا گیا تھا جس میں مسلمان خواندہ اشخاص کی نسبت حالت  
دیکھائی گئی تھی

جناب صدر اور معزز حاضرین!

نفل کے جلسہ میں جناب مولوی رحیم بخش صاحب کے سی۔ آئی۔ ای



صدر استقبالیہ نے اس ضلع کے تعلیمی اعداد و شمار آپ کو سنائے تھے آج ان اعداد کو ایک نقشہ کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے جس سے آپ کو اپنے بھائیوں کی حالت کا صحیح اندازہ ہوگا۔ اس نقشہ سے آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ اس ضلع میں جملہ اقوام کے خواندہ اشخاص کی تعداد کل تین فی صدی ہے اور ہندوؤں کو علیحدہ کر کے دیکھا جائے تو ان کے خواندوں کی تعداد ۳۳ فی صدی یعنی اوسط سے کسی قدر زیادہ ہوگی یہ دیکھ کر آپ کو افسوس ہوگا کہ مسلمان خواندگان صرف ۶۴ فی صدی یعنی ہندوؤں کے مقابل میں نصف سے بھی کم ہیں۔ غیر ہندوؤں سے مقابلہ کو جانے دیجیئے اور خود اپنی حالت کو دیکھیے کہ ایک سو مسلمانوں میں سے صرف ڈیڑھ کے قریب خواندہ اور ۹۱/۲ ناخواندہ ہیں پس جس قوم میں ناخواندوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہو، صاف ناظر ہو کہ وہ کسی فن اور کسی پیشہ میں اپنی حیثیت قائم نہیں کر سکتی۔

اس ضلع میں مسلمانوں کی زیادہ تعداد کا شکاری پیشہ ہے۔ مگر اب وقت آ رہا ہے کہ کاشتکاری کا قیام بھی بغیر خواندہ ہونے کے نہ رہ سکے گا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ زراعت کی ترقی کے لیے گورنمنٹ کی طرف سے خاص طور پر کوشش ہو رہی ہو اور آئندہ وائس رے کو جو فن زراعت کے ماہر ہیں مخصوص طریقہ پر زراعت کی طرف توجہ ہوگی مگر اس توجہ سے بھی زیادہ وہی لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو تعلیم یافتہ یا کم سے کم خواندہ ہوں گے پس مسلمانوں کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ وہ پوری قوت اور کوشش سے اپنی قوم میں مذہب کی

تعداد بڑھائیں اس کے لئے حسب ذیل صورتیں ہوتی ہیں۔  
 (۱) سب سے اول ہر شخص اپنے بچہ کو مدرسہ یا مکتب میں بھیجے۔  
 (۲) اگر اپنا کوئی بچہ نہیں ہو تو کسی غریب بچہ کو خرچ دے کر اسے  
 مکتب میں بھیجے۔

(۳) اگر خود کو کھاپڑھا ہی تو اپنے بچوں کو مکتب میں بھیجنے کے علاوہ اپنے  
 کسی جاہل نوکر یا پڑوسی کو دن رات میں چند لمحے سبق دے کر اسے خواندہ  
 بنائے۔  
 (۴) اگر خود ناخواندہ ہو تو کسی مکتب یا مدرسہ میں پھوڑا بہت چندہ  
 دے کر اپنے جاہل بھائیوں کو خواندہ بنانے میں مدد دے۔

یہ باتیں تو ایسی عرض کی گئی ہیں جو ہر شخص فوراً فرما کر سکتا ہے۔ اب  
 ہے وہ اصحاب جو تعلیم یافتہ، ذہنی حیثیت اور سرکاری امداد حاصل کرنے  
 کے طریقوں سے واقف ہیں۔ وہ اپنے جاہل بھائیوں کی حالت پر رحم  
 کھا کر ان کی تعلیمی سطح کو بلند کرنے کی کوشش کریں۔ اس وقت جتنے فی صدی  
 ہمارے ہاں جاہل ہیں بالعموم اتنے فی صدی یورپ کے مالک میں خواندہ  
 ہیں۔ پس ہمارے سامنے اتنا عظیم الشان کام ہے کہ جب تک کہ ہم متفق ہو کر  
 پوری توجہ اور کوشش سے اسے شروع نہ کریں گے اس کا انجام پانا مشکل ہے۔

### اقتصادی حالت

دوسرا مسئلہ اس ضلع کے مسلمانوں کی مالی حالت کا ہے۔ میں بطور نمونہ کے  
 میووں کی حالت آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جو تھوڑے اور بڑے خدا کے

فضل سے زیادہ ہیں اور ان کی ایک قوم ہے۔  
 ۱۹۱۱ء کے گزشتہ میں ۱۸۹۹ء کے قحط کی رپورٹ سے کچھ اقتباسات  
 کیے گئے ہیں جن کے تحت میں لکھا گیا ہے کہ جو حالات ۱۸۹۹ء میں تھے وہ  
 جہنم اب بھی موعود ہیں اس لیے اس موقع پر ان کی بنا پر استدلال کرنا  
 چنداں بے محل نہ ہوگا۔

رپورٹ مذکورہ میں تحریر ہے کہ:-

(۱) سب سے زیادہ مہنتی اکفایت شعار اور سمجھدار قوم اہیروں کی  
 ہے جو آرمینی وہ کاشت کرتے ہیں اور ان قسم کی ہوائی کے دیہات میں گزاری  
 کی مقدار بھی اور جگہ سے زیادہ ہے تاہم مسلسل محنت سے انھوں نے اس  
 گھٹیا آرمینی سے اس قدر پیدا کیا اور اس سے اس قدر کفایت سے صحت کیا  
 کہ ان کی آرمینی قرضہ سے پاک و صاف ہے۔

(۲) ان کے بعد جاووں کا نمبر آرمینی کے پاس آرمینی زرفینز اور انگلند  
 کم ہے یہ لوگ اہیروں سے کم کم دیگر اقوام سے زیادہ کفایت شعار اور  
 سمجھدار ہیں مگر اپنی زمین کو قرضہ اور کفالت سے پاک نہ رکھ سکے۔

(۳) جاووں کے بعد راجپوت اور برہمن منتشر طور پر ہیں مگر زراعت  
 لوگوں میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

(۴) البتہ سب سے آخر کے نمبر پر تیسو قوم ہے جس کے ۱۰۵۰ مہنت  
 ہیں جو نسبتاً سست اور مدور ہے کے مسرت اور فضول خرچ ہیں نہ بھینس  
 بختر تین کا عذر ہو سکتا ہے اور نہ زیادہ مال گزاری کا تاہم ان کا خرچ ان کی کوئی

کے اس قدر قریب رہتا ہو۔ وہ اپنی آرمی کو ترقی دینے کی طرف سے اس قدر غافل ہیں، اور فضول خرچی میں اس قدر مبتلا ہیں کہ اگر ایک فصل بھی خراب ہو جاتی ہو تو وہ فوراً قرضہ لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

دوسرے موقعہ پر آبپاشی کے سلسلے میں لکھا ہو کہ

”امیر گہرے کنوئیں نکلاتے ہیں اور ان سے دن رات کام لیتے ہیں غلات اس کے بیوٹا مقامات میں بھی کنوئیں نہیں نکلاتے جہاں پانی قریب ہوتا ہو ایک اور موقعہ پر لکھا ہو کہ

”ریواری کی پستی زمین کھائیت نشا، امیروں کو کافی پیداوار دے کر انہیں آرام سے کھتی ہو مگر اس کے مقابلہ میں فیروز پور کی زمینیں شرف میووں کی فضول خرچیوں کی وجہ سے کثیر رقم کے عوض میں رہن ہو“ پھر مال گزاری کے سلسلے میں لکھا ہو کہ

”تحصیل ریواری کے امیر زمیندار جن پر مال گزاری نہایت زیادہ بڑھائی گئی تھی بمقابلہ تحصیل فیروز پور کے میووں کے جن پر نہایت کم لگزری فاجیم کی گئی تھی بہت کم مفروضہ ہیں“ پھر لکھا ہو کہ میووں کی حالت نہایت سرعت کے ساتھ مایوس کن ہو رہی ہو۔ وہ معمولی زمانہ میں شادی اور غمی کے انحرافات میں اوجیش پستی کی چیزوں میں اس قدر زیادہ صرف کرتے ہیں کہ جب خشک سالی آ جاتی ہو تو وہ مہاجن کے ہاتھوں میں پڑ جاتے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور مہاجن جس شرح سود پر چاہتے ہیں انھیں تو ض دیتے ہیں۔ رہن آرمی کے سلسلے میں لکھا ہو کہ

تخصیص فیروز پور میں جہاں زیادہ ترقیو قوم رہتی ہے اور جو اسلاف  
اور فضول خرچی کے لیے ضرب اٹھ رہا ہے وہ سب سے زیادہ مقروہ ہے۔  
شرح سو کی نسبت لکھا ہے کہ ”وہ بارہ فی صدی اور چوبیس فی صدی  
اور سو فی صدی سالانہ ہر خوش حال لوگوں کے لیے شرح سو و سب سے کم ہے  
اور غرا کے لیے جن میں نوح اور فیروز پور کے تیسو شامل ہیں شرح سو و سب سے  
زیادہ ہے۔“

ان اقتباسات سے آپ کو میووں کی قابل رحم اور قابل افسوس حالت کا  
کچھ اندازہ ہوا ہوگا۔ نہ راعت پیشہ لوگوں کا افلاس و ورکے نے کے یہی طریقے  
ہو سکتے ہیں۔

(۱) اُن کے لیے عمرہ زمین فراہم کی جاوے۔

(۲) آبپاشی کے ذرائع بہم پہنچائے جاویں۔

(۳) اگر مال گزاری زیادہ ہو تو اسے گھٹا یا جائے۔

مگر مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ یہ تینوں باتیں میووں کو بقا  
دیگر اقوام کے کہیں زیادہ حاصل ہیں مسلمانوں کو اکثر یہ شکایت رہتی ہے کہ اُن  
کی تعداد کم ہے وہ دوسرے لوگوں سے دسے ہوئے ہیں اس لیے ترقی نہیں  
کر سکتے مگر صرف اس ضلع کی دو تحصیلوں میں اُن کی کثیر آبادی ایک جاتی ہے اور  
۳۵۰۰۰ موافقات میں آباد ہیں۔

اس رپورٹ میں پانچ قوموں کی تفصیل دی گئی ہے جو نہ راعت پیشہ  
ہیں یعنی اہیر، جات، راجپوت، برہمن اور جیو۔ مگر یہ کس قدر مرناسک

بات ہو کہ میموں کی حالت سب سے بدتر دکھائی گئی ہو پھر یہ کہ ان کے پاس زمین زرخیز نہ ہو۔ آب پاشی کے لیے پانی قریب ہو اور ان پر مال گزاری کم ہو تاہم وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں بد حال، مفروض اور مفلس ہیں جن کی زمین تیلی، کنوؤں کا پانی نگہرا اور مال گزاری زیادہ ہو۔

یہ سب کس چیز کا نتیجہ ہو۔ اس کا جواب بھی اسی رپورٹ میں دیا گیا ہو کہ وہ مسرف اور فضول خرچ ہیں اور شادی غمی میں زیادہ صرف کرتے ہیں محنت کم کرتے ہیں۔

مگر یہ مرض تو صرف میموں میں نہیں بلکہ ہر طبقہ کے اور ہر طبقہ کے رہنے والے مسلمانوں میں کم و بیش کیساں ہو شہروں میں چونکہ تکلفات کی چیزیں زیادہ بکٹی ہیں اور انھیں دیکھ کر شہنشاہ کا بھی لپکا ہوا اور اس وجہ سے وہاں زیادہ فضول خرچی ہوتی ہو تو بعض صاحب اس کا یہ علاج تجویز کرتے ہیں کہ وہ دیہات کی سادہ زندگی اختیار کی جائے۔ مگر دیہات میں جا کر مسلمانوں کے اسراف اور بربادی کے یہ حالات معلوم ہوتے ہیں تو بے اختیار زبان سے نکلتا ہو

بہرہ میں کہ سیدیکہ آسمان پر پہنچت

۵ مانا کہ دیہات کے لوگوں کو لکھا پڑھا کر ہم مثل اپنے تعلیم یافتہ بنائیں گے جس سے وہ اپنی ذراعت کے کام کو بہتر طریقہ سے کریں، انھیں صنعتی و حرفت سکھا کر اچھے کاری گر بنائیں گے۔ انھیں تجارت کی تعلیم دلا کر تاجر بنا دیں انھیں سرکاری عدالتوں کے کام بتا کر وکیل، ماہر سرسرا اور پڑے پڑے عہدہ دار بنائیں گے انھیں کونسلوں کے ممبر بنائیں گے جن کے ہاتھوں میں ملکی حکومت

کی باگ ہوتی ہو۔ مگر اتنے مراتب اور منازل طو کرنے کے بعد بھی اگر ہر شعبہ زندگی میں ہم دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام بنے رہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر تمام کشمکش کا کیا نتیجہ ہو۔ بڑے بڑے شہروں میں جو تجارت کے مرکز ہیں ہم یہ سن کر خوش ہوا کرتے ہیں کہ وہاں مسلمان ملک التجار ہیں اور ہمارے دلوں میں یہ دلولہ پیدا ہوتا تھا کہ ہم بھی تجارت سیکھ کر بڑے بڑے تاجرانہ بنیں۔ مگر آج ان شہروں میں جا کر دیکھیے کہ وہ کن لوگوں کا سرمایہ استعمال کرتے ہیں اور کس طرح وہ دوسروں کی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہی حالت کادری گروں کی اور نہ صرف کادری گروں کی بلکہ ہر شعبہ زندگی میں ہر طبقہ کے مسلمانوں کی ہے۔ بڑی بڑی ممتاز مسلمانوں کو یہ تھی کہ انھیں حکومت میں برابر کا حصہ ملے مگر حکومت میں حصہ ملنے کے بعد جو کارگزاری صوبہ بنگال کے مسلمان ممبروں نے کی اس کا اندازہ سر عبدالحکیم صاحب کے خطاب صدارت سے جو مسلم لیگ کے جلسہ میں پڑھا گیا تھا، آپ کو بخوبی ہو سکے گا۔

سر عبدالحکیم صاحب موصوف نے اپنے خطاب میں ارشاد فرمایا کہ ”وہ رطلہ انتخابات کے لوگ باوجود اسے کہ سب کے سب مسلمان ہیں تاہم زمینداروں، قانون دانوں اور ساہوکاروں جتنی کہ مقامی عہداروں کے جو زیادہ تر ہندو ہیں زیر اثر ہیں۔“

اسی خطاب میں جناب موصوف نے دوسرے موقع پر یہ ارشاد فرمایا کہ ”بیتز بنگال اور پنجاب میں جہاں کہ مسلمانوں کی مردم شماری سب سے زیادہ ہو اور دیگر اقوام سے کسی قدر بڑھی ہوئی ہو ورنہ دھندکان پر مبنی تجارت

اور تنظیم جماعتوں کا اثر پڑتا ہے۔ اس بارہ میں تمام ملک میں ہندوؤں کو بہتر مواقع حاصل ہیں کیوں کہ وہ لوگ بوجہ ساہوکار اور بینکاری قانون پیشہ اور زمیندار ہونے کے لئے وزیر پیر اعتبار جملہ محکمہ جات میں عہدہ دار ہونے کے لئے اقتدار رکھتے ہیں۔ ہماری سیاسی کمزوری بنگال میں بالکل ظاہر ہو رہی جہاں کی مردم شماری تمام ہندوستان کی ایک ثلث ہو اور اپنے صوبہ میں پچھن فی صدی ہندو اور اس زیادتی تعداد کے نصف یا نصف سے زیادہ مسلمان ممبران کو نسل اور ہندو لیڈران کے اقتدار مالی امداد اور ان کی تنظیم کی بدولت منتخب ہونے سے ہیں اس کے متعلق چند تمہیلات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ بعض سیاسی اختلافات کی وجہ سے ایک زمانہ میں دو مسلمان منسٹر تھے مگر وہ ایک جماعت کے اختلاف سے جس میں بیس مسلمان رہائے وہاں کے شمال تھے اپنے عہدوں سے نکالے گئے۔

۲۔ بنگال میں جب ہندو مسلم بٹان کا مسئلہ اٹھا تو بہت سے مسلمان ممبر اس سیاسی جماعت میں شامل ہو گئے جو ہوشیار ہندوؤں کے زیر اثر تھی اور جسے وہ مالی امداد دیتے تھے جب اس مسئلہ پر کونسل میں بحث پیش ہوئی تو ان مسلمان اصحاب نے ہندوؤں کو اپنے ووٹوں سے مدد کے لئے اس قدر اہم مسئلہ کو جس کا اثر تمام ملک کے مسلمانوں پر پڑتا ہو غیر محدود زمانہ کے لئے ملتوی کر دیا

۳۔ پچھلے دنوں گورنمنٹ کی طرف سے دھا کہ یونیورسٹی کی سالانہ امداد کے لئے ایک مسودہ قانون پیش ہوا تھا۔ دھا کہ یونیورسٹی خاص کر مسلمانوں



کے لیے نہایت مفید ہو اور اس کی حکمرانی جا عت میں نصف کے قریب مسلمان ممبر ہیں۔ تاہم مسلمان سواراجی ممبروں نے متحد ہو کر اس مسودہ کے خلاف ووٹ دیئے اور ایک صاحب نے تو یہ کیا کہ تقریباً اس بل کے موافق کی تاکہ مسلمان ووٹ دھندکان خوش رہیں مگر ووٹ اس کے خلاف دیا۔

(۴) بنگال میں نوے فی صدی مردم شناسی کا ششکاروں کی ہرجوں میں مسلمان زیادہ ہیں ان کی اصلاح کے لیے قانون کا ایک مسودہ کونسل میں پیش ہوا مگر جس سلیکٹ کمیٹی کے سپرد وہ مسئلہ ہوا اس کے ممبر بڑے بڑے زمیندار تھے جب یہ تجویز پیش ہوئی کہ اس کمیٹی میں کچھ ایسے ممبر بھی بڑھا دیئے جائیں جو غریب کاشتکاروں کی نیابت کریں تو ان میں مسلمان ممبروں نے بھی اس تجویز کی مخالفت کی۔

ان چار واقعات کے معلوم ہونے کے بعد جو سر عبد الرحیم صاحب نے بیان کیے اس امر میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی تہہ میں ان کی ضرورت مند ہرجوں اس بات کا نتیجہ ہو کہ وہ خواہ کتنا ہی پاؤ کیوں نہ لگائیں ان کے اخراجات ان کی آمدنی سے زیادہ رہتے ہیں جو وہ حالت میں جب کہ مسلمان افراد قومی حقوق کو ذاتی منافع پر قربان کر ڈالنے پر مجبور ہوتے ہیں تو ان کی حالت قابلِ رحم ہو کہ قابلِ نفرت، کیوں کہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کریں سر عبد الرحیم صاحب اس قومی مرض کے دد علاج تجویز کرتے ہیں اول یہ کہ مسلمان سیاسی امور کی تعلیم و تربیت حاصل کریں

مگر گزشتہ بارہ سال کے اخبارات اٹھا کر دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دماغ میں سبز سیاست کے اور کوئی چیز اتنی ہی نہیں۔ تاہم ان کی لٹا روز بروز بدتر ہو رہی ہے۔ دوسرا علاج یہ تجویز ہوا ہے کہ کونسلوں میں مسلمان اپنی جماعت بنائیں۔ مگر جماعت بنانے کی قوت ہوتی تو وہ واقعات ہی کیوں پیش آتے جو سر عبدالرحیم صاحب نے بیان فرمائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی تعداد اور کونسلوں میں مسلمانوں کی کافی نیابت بھی قذافی کے اثر ہے جبکہ وہ اپنی ذاتی ضروریات کی وجہ سے دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں مشکل کمرٹ پٹیلوں کے ناپٹے پر چھوڑ رہے ہیں۔

بہر حال آپ اصحاب کی خدمت میں بن میں ہماری قوم کی قابل فخر ہستیاں موجود ہیں۔ نہایت ادب سے عرض کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ جو علاج مسلمانوں کو بربادی سے بچانے کے لیے کیے جا رہے ہیں ان میں کچھ کچھ نقص ضرور ہو اور ضرورت ہو کہ اس نقص کو معلوم کر کے اسے رفع کر کے قوم کے سامنے اس کے مرض کا صحیح علاج پیش کیا جائے۔ میں اپنے زعم میں صحیح علاج پیش کرنے کے لیے تیار ہوں مگر جب تک کہ جناب صدر مجھے اس کی اجازت نہ دیں میں کچھ عرض کرنے کی جرات نہیں کر سکتا ہوں۔

(مقرر کا وقت چوں کہ ختم ہو چکا تھا اس لیے وہ بیٹھ گئے۔ حاضرین میں سے اکثر نے اصرار کیا کہ مرض کا صحیح علاج بیان کیا جائے۔ مگر صاحب صدر کے سامنے کام زیادہ تھا اس لیے انھوں نے کسی قدر تامل کے ساتھ کچھ وقت اور دیا۔ مگر چوں کہ وقت کی تنگی میں بیان کا کچھ لطف نہ تھا اس لیے چند

الفاظ کہنے کے بعد مقررہ بیچ گئے تاہم مقرر کے جو کچھ خیالات اس بارہ میں ہیں وہ اختصار کے ساتھ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

## مسلمانوں کے قومی مرض کا صحیح علاج

جناظرین سوومند کے لیے کوئی نئی چیز نہیں ہے وہ یہ ہے۔

(۱) جینہ انجمن ہائے امداد باہمی سے پورا نفع اٹھایا جائے اور کثیر تعداد میں انجمن قائم کرنے کی کوشش کی جائے اور جن صوبہ جات میں وہ کامیاب نہیں ہیں وہاں پیرایہ قانونی ترمیمات کر کے انھیں زیادہ کارآمد بنائے مسلمانوں کو آمادہ کیا جائے کہ وہ ان سے زیادہ سے زیادہ نفع اٹھائیں۔

(۲) تجارتی کاروبار میں سہولت پیدا کرنے کے لیے مسلمانوں میں بینک کا کاروبار جاری کیا جائے۔ موجودہ بینکیوں میں اپنا سرمایہ بیچ بچا کر پٹا کر پیدا کیا جائے اور خواہ اپنے بینک اور ہرجانی کی کوششیں قائم کی جائیں۔

(۳) جن مقامات میں انجمن ہائے امداد باہمی یا بینکیوں کے قائم ہونے کے مواقع نہ ہوں وہاں انفرادی طور پر مسلمان روپیہ کاروبار کریں اور خاص کر مسلمان کارندوں، کاریگریوں اور کاشتکاروں کو معین منافع پر روپیہ دیکر انھیں دیکر قوم کے سرمایہ داروں کی غلامی سے آزاد کریں۔

(۴) مدارس، مراکز اور اوقاف کے منتظمین کو آگاہ کیا جائے کہ وہ اپنا نقد پچ بینکیوں میں جمع کر کے اسے محفوظ کریں اور اس کے منافع کو صرف میں لاویں۔

(۵) اپنے گھروں میں اور ورگاہوں میں بچوں کو روپیہ جمع کرنے اور اسے

بڑھانے کے طریقے بتائے جائیں اور زیادہ روپیہ جمع کرنے پر انہیں اتنا دیتے جائیں۔

(۲) مسلمانوں کو آماؤہ کیا جائے کہ وہ اپنے پس ماندگان کو اخلاص و گماگرمی سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنی زندگی کا بیہ کرایہ اور اپنے بچوں کا تعلیمی بیہ کرایہ۔

اپریل ۱۹۲۶ء

(۳۴)

## سود مند کے دوسرے سال کا پروگرام

سود مند کا بارہواں پرچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے جو اس کے بعد اس کی زندگی کا دوسرا سال شروع ہوگا۔ پہلے سال میں ناظرین نے جو اس کی قدر افزائی فرمائی ہے اس کا اہتمام ان چند خطوط سے ہوا ہوگا جو اس کے مختلف نمبروں میں وقتاً فوقتاً شائع کیے گئے۔ یہ خطوط منجملہ صد ہا خطوط کے ہیں۔ حال میں جو خط راجہ اکبر علی خاں صاحب تھون موضع پدھری ضلع جھلم سے موصول ہوا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-

”آپ کا مجلہ رسالہ سود مند وصول پایا اور تیر مطالعہ رکھا ہوا ہے۔ ہر روز ایک سیرخون تازہ خوش سے پیا ہوتا ہے۔ آفرین

صد آفریں اس قدر خیال اور مغز بہار اب بھی اگر زمینداران  
کے خفتہ نصیب نہ جاگیں گے تو حیف اے۔ مبارک اور  
ہزاروں ثنا باش مصنف صاحب کو میری زبان  
تعاریف نہیں کر سکتی۔ خدا آپ پر رحمت نازل فرماوے۔  
اور ضرور خداوند ذوالجلال اجر عظیم دے گا۔

اس قدر جو صلہ افزا خطوط کا اقتضا تو یہ تھا کہ ہم سو مند کے موجودہ طرز کو  
کافی سمجھتے مگر جو کام ہمارے پیش نظر آوے چونکہ نہایت اہم اور عظیم الشان  
ہو اس لیے ہر وقت یہ فکر و انگیر رہتی ہو کہ کس طرح مسلمانوں کی قوم کو  
افلاس و ناداری کے گرداب سے جلد سے جلد نکالا جائے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ  
اتنا بڑا کام آکر اسے ایک یا چند لوگ انجام نہیں دے سکتے جب تک کہ ہر  
مقام اور ہر پیشہ کے تجربہ کار اصحاب اپنے اپنے تجربات اور خیالات سے  
اپنے بھائیوں کو فائدہ پہونچانے پر کمر بستہ نہ ہو جائیں۔ اور سو مند کی سہولت  
سے باہمی تبادلہ خیالات نہ کر لے رہیں بعض اصحاب کو ممکن ہو کہ خیالی  
ہو کہ مضامین لکھنے کے لیے عمدہ زبان اور افشا پردازی کی ضرورت ہے مگر  
سو مند تو محض ایک اقتصادی پرچہ ہے جس کے لیے صرف تجربہ اور اکیں مند  
دل کی ضرورت ہے۔ اس لیے ناظرین سو مند کی خدمت میں عرض ہو کہ  
جو تا یہاں اپنی قوم و ملک کی مالی حالت کی برستی کے لیے مفید سمجھتے ہوں وہ  
بلا تکلف ہمیں لکھتے رہیں اور حتی الامکان حسب ذیل عنوانات کو پیش نظر  
رکھ کر مضامین مرتب فرمائیں۔

(۳۵)

## کواپریشن کیا چیز ہے؟

یہ امر مسلمہ ہے کہ دنیا کا کوئی پیشہ روپیہ کے بغیر نہیں چلتا۔ زمیندار و کاشتکار  
 دکاندار اور کاریگری گرسب کو ہر وقت روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے کاشتکار کو  
 اس لیے کہ بیل، آلات زراعت اور بیج وغیرہ فراہم کرے، اگر یہ سب چیزیں  
 ایک بارل بھی جائیں مگر وقت پر بارش نہ ہو اور پھٹی ماری جائے تو دوسری  
 فصل تک کھانے کے لیے قلم اور پونے کے لیے بیج کی ضرورت ہوتی ہے۔ دکاندار  
 طح دکاندار اور کاریگری کو اپنی اپنی ضرورت کے سامان فراہم کرنے کے لیے روپیہ  
 کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان جامعوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ہر ملک میں  
 سرمایہ داروں کی ایک جماعت ہوتی ہے جو گران شرح سود پر ان روپیہ جیتی ہے  
 اور اپنے روپیہ کے زور سے ہر قسم کا نارج چاہے ان بے بس اور بے کس لوگوں  
 کو بچاتی ہے۔ اسباب ملک نہ صرف ہندوستان میں بلکہ کم و بیش تمام دنیا میں  
 سرمایہ داروں کا زور ہو مگر کچھ عرصہ سے ان کے جنگل سے نکلنے کی ایک تدبیر  
 نکل آئی ہے جس کا نتیجہ کامیابی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہ تدبیر انجمنہا کے مالدار  
 باہمی قائم کرنے کی ہے۔ جس کی ابتدا ساٹھ سال سے زیادہ ہو۔ سب سے  
 اول ملک جرمنی میں ایک شخص سنی ریفازن نے کی تھی۔ ان انجمنوں کے ذریعہ  
 سے یورپ کے بہت سے ملکوں میں غریب کاشتکاروں اور کاریگروں کی

حالت میں بہت ترقی ہو گئی اور اب بیس بائیس سال سے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں کوآپریٹیشن کے پتھر یہ ہیں غویب کا مینا بی ہو رہی ہے۔

(۱) کوآپریٹیشن کا قانون ہندوستان میں سب سے اول سن ۱۹۰۶ء میں سن ہوا۔ اس کے بعد ۱۹۱۲ء میں اس میں چند اہم ترمیمات ہوئیں اور وہی سن ۱۹۱۲ء والا قانون اب تک ہندوستان میں نافذ ہے۔ اس قانون کی رو سے یہ ضروری ہے کہ جو لوگ انجن امداد قرضہ قائم کرنا چاہیں ان کی تعداد کم سے کم بیس ہو۔ انجن کے ہر ممبر کے لیے ضروری ہے کہ وہ کم سے کم ایک حصہ لے مگر کوئی شخص سب حصوں سے زیادہ نہیں لے سکتا۔ تاکہ ایک شخص زیادہ حصے لیکر سوسائٹی پر قابض نہ ہو جائے پھر یہ کہ ایک حصہ کی قیمت صرف بیس روپیہ رکھی گئی ہے۔ جو دس سال کی بیس سٹشنامیوں میں ایک ایک روپیہ کر کے وصول کی جاتی ہے گویا ایک حصہ کی بابت چھ مہینے میں صرف ایک روپیہ دینا پڑتا ہے جو ادنیٰ سے ادنیٰ مزدور آسانی سے دے سکتا ہے۔ مگر اس قدر خفیف رقم سے اس قدر قوت ان غریبوں میں پیدا ہو جاتی ہے کہ بالعموم دس سال کے عرصہ میں یہ لوگ مہاجن کے جھگ سے بالکل نکل جاتے ہیں۔ اور اس کے بعد طرح طرح کے کاروبار کر کے روز بروز خوشحال ہوتے چلے جاتے ہیں۔ غریب کے جمع کیے ہوئے ایک ایک روپیہ میں اس طریقہ سے ایسی عظیم الشان قوت پیدا ہوتی ہے جیسی کہ تھوڑے سے گرم پانی کی بھاپ میں ہو جاتی ہے جس سے ایک معمولی انجن لاکھوں من سامان کھینچ کر ہزار میل کے فاصلہ پر پہنچا دیتا ہے۔

(۲) اس کا طریقہ یہ ہے کہ اول یہ انجن رجسٹر کر لو آپریٹو سوسائٹیز کے

دفتر میں جو صوبہ کے صدر مقام میں ہوتا اور جرجسٹر کرائی جاتی ہے اور رجسٹری ہو جانے پر اس سے چٹن چال ہو جاتا ہے کہ وہ ضلع کے کو اپریٹو بینک کے حصے خرید کر اس سے قرضہ لے سکے کو اپریٹو بینک کے ایک حصہ کی قیمت باہم ایک سو روپیہ ہوتی ہے اور یہ ایک سو روپیہ پانچ سو پینسٹ شتاہی کے حساب سے دس سال میں ادا کیا جاتا ہے اس طریقہ پر کاشتکاروں یا کاری گروں کی چھوٹی انجمن ضلع انجمن سے اگر بارہ آنے سیکڑہ پر قرض لے اور اپنے ممبروں کو ایک سو بیس سیکڑہ پر قرض دے تو اس چھوٹی انجمن کی چار آنے سیکڑہ ٹماضہ ہوتا ہے اور پھر یہ ٹماضہ بھی انجام کار اسی کے ممبروں میں تقسیم ہو کر ان کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

(۳) انجمن کی رجسٹری ہو جانے کی وجہ سے اس کا اعتبار قائم ہو جاتا ہے اور گافلی یا محلہ کے لوگ اس میں اپنی امانتیں رکھتے ہیں جن پر انھیں سود ملتا ہے اس سے دوہرا نفع ہوتا ہے۔ اول یہ کہ لوگوں کا بچا رہا ہو اور وہ انجمن میں پہنچ کر غریب آدمیوں کے کاموں میں لگتا ہے جس سے وہیہ والوں کو نفع ہوتا ہے اور اس نفع کو دیکھ کر گاؤں کے سرف لوگ کفایت شعاً بن جاتے ہیں اور کھوڑا تھوڑا جمع کر کے سو سائی کے پاس امانت رکھتے ہیں اس زمانہ میں ہندوستان میں سب سے بڑی مصیبت یہی ہوئی کہ جس شخص کے پاس کچھ روپیہ ہوتا ہے تو اگر گھر میں رکھا جائے یا اس کا زیور بنایا جائے تو چوری اور ڈاکہ کا اندیشہ لگا رہتا ہے یا فتنہ لٹخجی کے کاموں میں صرف ہوتا ہے پس گاؤں کے لوگوں کو کفایت شعار بنانے کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر



نہیں کہ وہاں کو آپریٹو سوسائٹی قائم کر دی جائے جس کے پاس امانت میں روپیہ رکھا جاسکے اور اس امانت پر منافع یا سود ملے۔  
غرض کہ اس طرح سوسائٹی یا انجمن کی آمدنی کے چار طریقے ہو جاتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(الف) ممبروں کے حصوں کی قسطوں کا روپیہ۔

(ب) ضلع کے بینک سے جو روپیہ قرض لیا جائے۔

(ج) لوگوں کی امانتوں کا روپیہ۔

(د) ممبروں کو جو روپیہ قرض پر دیا جاسکے اس کا سود یا منافع ان طریقوں سے انجمن کی آمدنی و ن آمدنی رات بگئی ترقی کرتی جاتی ہے جو گلوں والوں کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں اور انھیں مہاجن کے پاس نہیں جانا پڑتا ہے۔

(۴) انجمن کے امداد یا بھی میں بالعموم غیر محدد ذمہ داری ہوتی ہے جس سے یہ مراد ہے کہ جملہ ممبران مشترکاً اور منفرداً ہر قرضہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اس غیر محدد ذمہ داری کی وجہ سے انجمن کو ضلع کی سوسائٹی سے کم سود پر قرضہ ملتا ہے۔ اور ممبروں کو جب قرضہ دیا جاتا ہے تب بھی اس میں ضامن دیئے جاتے ہیں اور کل انجمن کی بھی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس طریقہ میں بڑا نفع یہ ہے کہ ممبروں کو قرض دیتے وقت یہ اطمینان کر لیا جاتا ہے کہ جو روپیہ وہ لیتے ہیں وہ عرصہ نفع اور کاموں میں لگا یا جائے گا اور اسراف اور غش بہشتی اور برباد کن رسموں میں نہیں اڑا دیا جائے گا۔

لوگ مہاجن سے روپیہ لیکر آتے ہیں انہیں بالکل آزادی ہوتی ہے کہ جس طرح چاہیں اپنے روپیہ کو اڑا دیں مگر انھیں ہائے امداد یا بھی سے جو روپیہ قرض لیا جاتا ہے اس کی نگرانی ممبران انجمن پوری طرح کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ تمام گاؤں رفتہ رفتہ فصول خرچوں سے بچنے اور کفایت شعاری اختیار کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

(۵) ان انجمنوں کا قاعدہ یہ ہے کہ ذیل سال تک ان کا منافع تقسیم ہوتا ہے بلکہ جمع ہوتا ہے تا جہاں تک جی کہ ذیل بارہ سال میں انجمن کا کل قرضہ جو ڈسٹرکٹ بینک سے لیا گیا ہو ادا کر دیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں ممبران کو بھی چونکہ کم شرح سود پر قرضہ ملتا ہے اور وہ مندرجہ بالا طریقوں کی وجہ سے کفایت شعاری اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں تو وہ بھی مہاجنوں کے گراں بار قرضہ سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور ان کی حالت درست ہو جاتی ہے۔

(۶) سو سائٹی قائم ہونے کے ذیل سال بعد جو منافع ہوتا ہے اسے حسب ذیل طریقوں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(الف) ایک چارم سرمایہ محفوظ کئے طور پر رکھا جاتا ہے۔

(ب) باقی ماندہ تین چارم میں سے دو سو اسی حصہ خیراتی کاموں میں صرف

کیا جاتا ہے، عیسے بچوں کی تعلیم، یتیموں کی پرورش وغیرہ۔

(ج) اور جو ممبر اپنے خریدے ہوئے حصوں کی قسطیں پوری ادا کر چکے ہیں

ان کے حصوں پر انہیں منافع یا سود دیا جاتا ہے جو ذیل فی صدی سے زیادہ نہیں ہوتا۔

(۷) انجمنہ سے امداد یا پیسہ کی کامیابی میں برا حصہ اُن مراعات کا ہے جو گورنمنٹ نے اُن کے لیے کی ہیں مثلاً

(الف) یہ انجمنیں انکم ٹیکس کی ادائیگی سے معاف ہیں۔

(ب) جو ممبر قرضہ کی دستاویزیں یا رقبے انجمن کے نام لکھیں وہ اسٹامپ سے معاف ہیں۔

(ج) فیس چٹری معاف ہے۔

(د) کمیٹی ایکٹ کی شرائط ان پر عائد نہیں ہوتیں۔

(۷) ان انجمنوں سے روپیہ لے کر فہرست یا سامان تیار کیا جائے اُن سے روپیہ وصول کرنے کا حق فائز ان انجمنوں کو ہوتا ہے۔

(و) انجمنوں کے وصول کاروبار عدالت سے قرض نہیں ہو سکتا۔

(ز) حسابات کی جانچ گورنمنٹ کی طرف سے ہوتی ہے۔

(ح) ممبروں کے ذمہ جو مختلف قسم کے مطالبہ جات ہوتے ہیں وہ اگر خوشی سے نہ دیں تو بغیر مقدمہ بازی اور خرچہ کی زیر بارسی کے عدالت کے ذریعہ سے سہولت وصول ہو جاتے ہیں۔

جون ۱۹۲۶ء

—•—

(ملفوظ نظامی پریس، لاہور)

(مجاہد الدین پرنٹر)

# سوئند لٹریچر

۳۸	قیمت ۵۰	مسئلہ ریلو اور تجارتی سود کی قیمت
۳۹	قیمت ۱۰	مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل
۴۰	قیمت ۵۰	کشف الظنار عن وجه البرزخ
۴۱	قیمت ۵۰	مسئلہ مسلمانوں کی مالی اصلاح
۴۲	قیمت ۵۰	بچوں کی تعلیم اور شادی کا ایجنڈا
۴۳	قیمت ۵۰	مسئلہ وہ جس کی عقلی قوت ہے
۴۴	قیمت ۵۰	مسلمان اور سرمایہ داروں کی فلاحی
۴۵	قیمت ۵۰	و مالہ خواہ سود مع فائدے
۴۶	قیمت ۵۰	مسلمانوں کا افلاس اور تحقیقی طریقہ
۴۷	قیمت ۵۰	ملک کا پیر
		تقدیر کی تہذیب کے لئے کچھ نئے ہتھیار



UNIVERSITY OF CALIFORNIA

LIBRARY

BERKELEY, CALIF.



[illegible]

RULES:-

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1/- per volume per day shall be charged for text-books and 10 P. per vol. per day for general books kept over-due.

